مسئلۂ خلافت

ابوالکلام آزادؔ

تاریخ

کتاب خانہ ◎ لاہور

S8891

ناشر:
سعید الرحمٰن

طابع
نقوش پریس لاہور

قیمت ——— ۳/۸

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

خلافت

"خلافت" عربی کی ایک مصدر ہے۔ اس کا مادہ ہے "خلف" اور اسی سے ہے "خلیفہ"۔ خلیفہ کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں۔ "من قولك خلف فلان فلانا فی ھذا الامر اذا قام مقامه فیه بعده (ابن فارس) یعنی اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بعد اس کا نائب و قائم مقام ہوا تو یہ خلافت ہوئی۔ اور لغت میں اس کو خلیفہ یعنی بعد کو آنے والا اور قائم مقام کہیں گے، خواہ یہ نیابت سابق کی موت و عزل کی وجہ سے ہوئی ہو یا غیبت کی وجہ سے، یا اپنا اختیار و منصب سپرد کر دینے کی وجہ سے۔ مفرداتِ امام راغب میں ہے

Marfat.com

"الخلافة، النيابة عن الغير، إمّا بالغيبة المنوب عنه، وامّا لموته، وإمّا لعجزه، وإمّا لتشريف المستخلف" (صفحہ ۱۵۵)

یہ لفظ بھی قرآنِ حکیم کے اختیاراتِ لغویہ میں سے ہے۔ یعنی عربی زبان کے اُن لفظوں میں سے ہے جن کو لغت میں عام معانی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر قرآن حکیم نے اپنے خاص مصطلحۂ شرع معنی کیلئے اختیار کر لیا، جیسے ایمان، غیب، تقدیر، بعث، صلوٰۃ وغیر ذالک۔ ایمان کے لغوی معنی یقین وطمانیت اور ازالۂ خوف وشک کے تھے۔ لیکن قرآن حکیم نے اس کو ایک خاص طرح کے یقین واقرار اور عمل کے لئے استعمال کیا اور اب ایمان قرآن کی بولی میں عام لغوی معنی کے خلاف ایک خاص اصطلاح قرار پا گئی ہے۔ قرآن کی زبان میں خلافت اور "استخلاف فی الارض" اور "وراثت وتمکن فی الارض" سے مقصود زمین کی قومی عظمت وریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت وسلطنت ہے۔ قرآن حکیم اس کو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ہے۔ جو اچھے یقین اور اچھے کاموں کے بدلے اقوامِ عالم کو دنیا میں مل سکتی ہے۔ قرآن کے نزدیک اس خلافتِ ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں نوعِ انسانی کی ہدایت وسعادت کے لئے ایک خاص ذمّہ دار قوم وحکومت قائم ہو۔ وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے، ظلم وجور اور ضلالت

Marfat.com

وطغیان سے اس کی زمین پاک ہو جائے۔ ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیت دنیا میں پھیل جائے، اور اللہ کا وہ ہمہ گیر قانونِ عدل جو تمام کائناتِ ہستی میں سورج سے لے کر زمین کے ذرّات تک نافذ و قائم ہے، اور جس کو قرآن اپنی زبان میں صراطِ مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں جاری و ساری ہو کر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت زار بنا دے!

لغت کے اعتبار سے یہ اطلاق اس لئے ہوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ہوا وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں، اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا۔ اور اس کے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی، اور ہر خلیفہ، سابق کا قائمقام۔ ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافت کے وارث مسلمان ہوئے، تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ صاحب و شارع اسلام تھا۔ یعنی محمد الرسول اللہ صلعم اور پھر ان کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ اسلام کی مرکزی حکومت آئی وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ہوئے اس لئے اُن پر خلیفہ کا اطلاق ہوا۔ اور اب تک ہو رہا ہے۔

یہ زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ہوتی رہی اور وہ دنیا میں اللہ کی طرف سے دینِ حق کے خدمت گزار

Marfat.com

رہے۔ آیاتِ ذیل میں اسی خلافت کا ذکر ہے :-

و ھو الذی جعلکم	وہی پروردگار عالم ہے۔ جس نے تم کو زمین
خلائف الارض (۶: ۱۶۵)	میں خلافت دی ۔
و یستخلف ربی قوماً	اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار
غیرکم (۱۱: ۵۷)	تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو دے دے گا۔
ثم جعلنا کم خلائف	پھر اُن قوموں کے بعد ہم نے تم کو اُن کی جگہ
فی الارض من بعدھم	دی تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے
لننظر کیف تعملون؟ (۱۰: ۱۴)	ہیں ؟
واذکروا اذ جعلکم خلفاء	اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد اُن کا
من بعد قوم نوح (۷: ۶۸)	جانشین بنایا۔
یا داؤد انا جعلنٰک خلیفۃ	اے داؤد! ہم نے زمین میں تم کو
فی الارض (۳۸ : ۲۶)	خلیفہ بنایا۔

اسی چیز کو زمین کی وراثت سے بھی تعبیر کیا گیا :-

ولقد کتبنا فی الزبور من	اور زبور میں بھی ہمارا اعلان یہی تھا کہ
بعد الذکر ان الارض یرثھا	یقیناً زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں
عبادی الصالحون (۲۱: ۱۰۵)	ہی کی وراثت میں آئے گی ۔

یہی چیز زمین کی تمکین، یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام بھی

Marfat.com

ہے جو سرزمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلی نوجوان نے حاصل کی تھی، جبکہ وہ غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا گیا اور پھر اپنے عمل حق و صالح کی قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ہو گیا :۔

كذالك مكنا ليوسف	اس طرح ہم نے یوسفؑ کی عظمت مصر میں قائم کر دی ۔
(۱۲ : ۵۶)	

اور اسی کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا :۔

الذين ان مكنٰهم في الارض اقاموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر وللّٰه عاقبة الامور (۲۲ : ۴۲)	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کی طاقت زمین میں جما دیں تو اُن کا کام یہ ہوگا کہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے دنیا کو روکیں گے ۔

اس آیتِ کریمہ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ تمکین فی الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلی قرآن حکیم کے نزدیک کیا ہے؟ معلوم ہو گیا کہ صرف یہ ہے کہ اللہ کی عبادت دنیا میں قائم کی جائے نیکی اور راستی کا اعلان و ظہور ہو، برائی سے نوعِ انسانی کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جائے ۔

دوسری آیت میں اس کو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا :۔

Marfat.com

وعد اللہ الذین آمنوا منکو	جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام
وعملوا الصالحٰت یستخلفنہم	دیئے اللہ کا اُن سے وعدہ ہے کہ
فی الارض کما استخلف الذین	انھیں زمین کی خلافت دے گا ! ٹھیک
من قبلہم ولیمکنن لھم !	اسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی
دینھم الذی ارتضیٰ لھم ،	جا چکی ہے اور ایسا کرے گا کہ ان
ولیبدلنھم من بعد خوفھم	کے لیئے ان کا دینِ حق قائم ہو جائے گا
أمنا یعبدوننی لا یشرکون بی	اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی و
شیئا ومن کفر بعد ذالك	کامرانی سے بدل دی جائیں گی۔

فاولئك ھم الفاسقون (۲۴:۵۵)

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور قلت تعداد و بے سرو سامانی حال کے ساتھ دشمنوں کے پے درپے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی ہتیار اپنے جسم سے دور نہیں کر سکتے تھے۔ اُس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا " ما یأتی علینا یوم نامن فیہ ونضع عنا السلاح " ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفی کے ساتھ صبح و شام بسر کرتے اور ہتیار اپنے جسم سے الگ کر سکتے۔ ابوالعالیہ راوی ہیں کہ اس پر مندرجہ صدر آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو

Marfat.com

بشارت دی کہ مضطرب نہ ہوں، ایمان وعمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے۔ جبکہ خوف کی جگہ امن ہوگا، مظلومی و بیچارگی کی جگہ فرمانروائی وکامرانی ہوگی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمین کی خلافت اُنہی کے قبضۂ اقتدار میں آجائے گی (تفسیر طبری جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۲)

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز "خلافت" ہے، وہ خلافت فی الارض ہے۔ یعنی زمین کی حکومت و تسلط۔ پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت واختیار اُسے حاصل نہ ہو۔ وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ہے۔ جس کے لئے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافی ہو۔ وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائی ہے۔ اسلام کے قانون میں دینی و روحانی اقتدار خدا اور رسول ؐ کے سوا کوئی انسانی وجود نہیں رکھتا۔ ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا ہے، اور اس کا مٹانا اس کے ظہور کا پہلا کام تھا۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (۹ : ۳۲) اور ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ، ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ، ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون (۲ : ۷۹)

Marfat.com

اللہ کے تمام وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ آٹھ نو سال بعد جب داعیٔ اسلام دنیا سے تشریف لے گئے تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی فوجیں مدینہ سے نکل رہی تھیں۔ اس سلسلۂ خلافتِ اسلامیہ کا پہلا خلیفۃ اللہ خود حضرت داعیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجودِ مقدس تھا، اور آپ نے اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظِ خلفاء سے تعبیر فرما کر واضح کر دیا تھا کہ وہ آپ کے نائب اور قائم مقام ہوں گے "علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین" (ابن ماجہ عن العرباض بن ساریہ) وامثالہا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب جانشین ہوئے تو وہ خلیفۂ رسول اللہ تھے۔

خلافتِ خاصّہ و خلافتِ ملوکی

آنحضرت کے بعد خلافت اپنے خصائص و نتائج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم ہوگئی۔ خود آنحضرت نے نہ صرف ان کی پیشتر سے خبر ہی دے دی تھی، بلکہ تمام علائم و خصائص صاف صاف بیان کر دیئے تھے۔ اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں، وہ کثرتِ طرق، شہرتِ متن، قبولِ طبقات کی بنا پر حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ پہلا سلسلۂ خلافت

Marfat.com

خلفاء راشدین مہدیین کا تھا جن کی خلافت منہاجِ نبوت پر تھی۔ یعنی وہ صحیح و کامل معنوں میں منصبِ نبوت کے جانشین اور جامعیتِ شخصِ رسالت کے قائم مقام تھے۔ ان کا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا، اور اس لئے گویا عہدِ نبوت کا ایک آخری جزو تھا۔ اور جس طرح وجودِ نبوت میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا، اسی طرح ان کی شخصیت بھی جامع و حاوی تھی۔ دینی دعوت اور شرعی اجتہاد و امر حکومت و فرمانروائی اور قوام و نظام شرع، نظام شریعت اور نظام سیاست یہ تمام قوتیں اُن کی ذات واحد میں جمع تھیں، اُن کی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی۔ یعنی حکومت شوریٰ، جس کو آج کل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہ کے ساتھ ری پبلک کہہ سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔

دوسرا سلسلہ خلافت منہاجِ نبوت سے الگ مجرّد حکومت و بادشاہت کا تھا، جبکہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے مل کر ایک نیا دور شروع کر رہی تھیں۔ یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا، لیکن خلافتِ راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہو گئے تھے۔ خلفاء بنو امیہ سے لے کر آج تک جو سلسلۂ خلافت اسلامیہ جاری ہے، وہ اسی دوسری قسم میں داخل ہے۔ احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبہ طریق ہدایت و نبوت خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ

Marfat.com

غلبہ سیاست و شخصیت پادشاہت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

"الخلافة بعدی ثلاثون عامًا ثم ملك بعد ذلك" (اخرجہ اصحاب السنن)

اور حدیث ابوہریرہ "الخلافة بالمدينه والملك بالشام" ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلائے گئے ہیں۔ "نبوة ورحمة ثم خلافة ورحمة" وفی لفظ "خلافة علی منهاج النبوة ثم یکون ملك عضوض" (رواہ البزار وقال السیوطی حسن) امیر معاویہ نے اسی کی نسبت کہا تھا۔ ہم نے عہدِ ملوکی پر قناعت کرلی۔

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوئے۔ عہدِ نبوت و رحمت، خلافت و رحمت، پادشاہی و فرمانروائی۔ پہلا دور آنحضرت صلعم کی وفات پر ختم ہوگیا۔ دوسرا دور فی الحقیقت عہدِ نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جز تھا (جیسا کہ سلسلۂ دعوت اور تکمیل کاروبار شرائع میں ہمیشہ سنت اللہ رہی ہے) جو حضرت امیر علیہ السلام پر ختم ہوگیا۔ اس کے بعد سے مجرد عہدِ پادشاہی و استبدادی شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علٰحدہ علٰحدہ احادیث میں بتلائی گئی تھیں، اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں۔ نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا، اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی، کالحصیر عودًا عودًا، جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئی، اور جس قدر عہدِ نبوت سے

Marfat.com

دوری بڑھتی گئی، اتنی ہی عہدِ نبوت اور خلافت رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امامت و خلافت کبریٰ کے معاملہ ہی میں نہیں ہوئی، بلکہ قوام ونظام امت کے مبادیات واساسات سے لے کر حیاتِ شخصی وانفرادی کی اعتقادی و عملی جزئیات تک ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔ فتنہ وفساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے ہوئے تھی جو بقول حضرت حذیفہ (اعلم الصحابہ بالفتن) حضرت عمرؓ کا وجود تھا۔ جونہی یہ بنیانِ مرصوص ہٹی، وہ سیلابِ عظیم اُمنڈ آیا اور پھر کوئی سدو بند اس کی راہ نہ روک سکا۔ اسی سیلاب کو حضرت حذیفہ کی روایت میں " التی تموج کموج البحر " (رواہ البخاری) سے تعبیر کیا گیا تھا۔ یعنی سمندر کی موجوں کی طرح اس کی موجیں اُٹھیں گی۔ سو واقعی اٹھیں، اور دورِ خلافت ورحمت اور " خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ " کی عظیم الشان عمارت اُس کے تلاطم وطغیان میں آناً فاناً بہہ گئی۔

احادیث میں نہایت کثرت کے ساتھ اسلام کے ایک آخری دور کی بھی خبر دی گئی ہے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دورِ اول کے خصائص تازہ کر دے گا۔ اور جس کا حال یہ ہوگا کہ " لا یدری اولها خیرام اخرها " نہیں کہا جا سکتا کہ اُمت کی ابتدا زیادہ کامیاب تھی یا اُس کا اختتام؟ یہی وہ آخری زمانہ ہوگا۔ جب اللہ کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا ہو کر رہے گا کہ:

Marfat.com

لیظہرہٗ علی الدّین کلہ ولو کرہ المشرکون (۹ : ۶۱)

دین اسلام اور اُس کا رسول اس لئے آیا تاکہ تمام دینوں اور قوموں پر بالآخر غالب ہو کر رہے (کیونکہ آخری غلبہ و بقا صرف صلح کے لئے ہے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام ہی ہے)

یہی وجہ ہے کہ مایوسیوں اور نامرادیوں کی اس عالمگیر تاریکی میں بھی جو آج چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، ایک مومن قلب کے لئے فتح و اقبال کی روشنیاں برابر چمک رہی ہیں۔ بلکہ جس قدر تاریکی بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ طلوعِ صبح کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔ ان موعدھم الصبح، الیس الصبح، بقریب!

تفاوت ست میانِ شنیدنِ من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم!

عہدِ اجتماع و ائتلاف و دورِ اشتات و انتشار

آپ آزردہ خاطر نہ ہوں اگر موضوع کی وسعت چند لمحوں کے لئے مجھے اپنے اطراف و جوانب کی طرف بے اختیار مائل کر لے۔ اس مقام کی مزید وضاحت کے لئے بہتر ہوگا کہ دو خاص اصطلاحی لفظوں کے معانی پر آپ پہلے غور کر لیں۔ ایک "اجتماع" اور "ائتلاف" ہے دوسرا "اشتات" اور "انتشار" نہ صرف اُمتِ اسلامیہ بلکہ تمام اقوامِ عالم کی موت و حیات، ترقی

Marfat.com

وتنزل اور سعادت وشقاوت کے جو اصولی اسباب ومراتب قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں، اُن کی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہی الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے۔" اجتماع" کے معنی ہیں "ضم الشئ بتقریب بعضہ من بعض" (مفردات امام راغب ۹۵) یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا۔ اور ائتلاف "الف سے ہے۔ اس کے معنی ہیں۔" ماجمع من اجزاء مختلفۃ، ورتب ترتیباً، قدم فیہ ماحقہ ان یقدم واخر فیہ ماحقہ ان یؤخر" (مفردات ۱۹) یعنی مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھ اکٹھا ہو جانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیئے وہی جگہ اُسے ملے جو پہلے ہونے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے۔ جس کو آخری جگہ ملنی چاہیئے وہ آخری جگہ پائے۔

"عہد اجتماع و ائتلاف" سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام، ایک مرکز، ایک سلسلے، ایک وجود، ایک طاقت اور ایک فرد واحد میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھ اکٹھی ہو جاتی ہیں، اور تمام مواد، قویٰ، اعمال اور افراد پر ایک اجتماعی و انضمامی دور طاری ہو جاتا ہے۔ بحدیکہ ہر قوت اکٹھی، ہر عمل باہمدگر جڑا اور ملا ہوا، ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی، ہر فرد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے۔ کسی چیز، کسی گوشے، کسی عمل میں علحدگی نظر نہیں آتی۔ جدائی، انتشار اور الگ الگ جز جز، فرد فرد ہو کر رہنے والی

Marfat.com

حالت نہیں ہوتی۔ مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے، تو اسی سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستی کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں اسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبہ "تخلیق" و "تسویہ" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ الذی خلق فسوی (۸۶ : ۲) پس زندگی اور وجود نہیں ہے مگر اجتماع و ائتلاف اور موت و فنا نہیں ہے۔ مگر اس کی ضد۔ یہی حالت جب افعال و اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اخلاق کی زبان میں اس کو "خیر" اور شریعت کی زبان میں "عمل صالح" اور "حسنات" کہتے ہیں جب جسم انسانی پر طاری ہوتی ہے تو طب کی اصطلاح میں "تندرستی" سے تعبیر کی جاتی ہے اور حکیم کہتا ہے کہ یہ "زندگی" ہے۔ اور پھر یہی حالت ہے کہ جب قومی و جماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاری ہوتی ہے تو اُس کا نام "حیات قومی و اجتماعی" ہوتا ہے۔ اور اس کا ظہور قومی اقبال و ترقی اور نفوذ و تسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ہے۔ الفاظ بہت سے ہیں معنی ایک ہے مظاہر گو مختلف ہیں مگر اس حکیم یگانہ و واحد کی ذات کی طرح، اس کا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ہستی میں ایک ہی ہے ولنعم ما قیل:

عباراتنا شتی وحسنک واحد ۔۔۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر

اس حالت کی ضد "اشتات و انتشار" ہے۔ اشتات "شذت" سے

Marfat.com

ہے جس کے معنی لغت میں "تفریق" اور الگ الگ ہو جانے کے ہیں۔
"یقال شت جمعھم شتا وشتاتا وجاؤا اشتاتا۔ ای متفرقی النظام"
(مفردات: ۲۵۶) قرآن حکیم میں ہے۔ یومئذٍ یصدر النّاس اشتاتا (۹۹: ۶)
اور من نبات شتّی (۲۰: ۵۳) اور وقلوبھم شتّی (۵۹: ۱۴) ای
مختلفہ انتشار "نشر" سے ہے۔ اس کے معنی بھی الگ الگ ہو جانے
کے ہیں۔ یعنی تفرق کے۔ سورۂ جمعہ میں ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ
فانتشروا یعنی تفرقوا۔ "اشتات وانتشار" سے مقصود وہ حالت ہے
جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ الگ الگ ہو جانے، متفرق اور پراگندہ
ہونے اور باہمدگر علیحدگی و بیگانگی کی حالت طاری ہو جائے۔ مواد میں،
قویٰ میں، اعمال میں، افراد میں، ہر بات میں پہلی حالت سے بالکل متضاد
حالت پیدا ہو جائے۔ یہ حالت جب مادہ پر طاری ہوتی ہے تو "تکوین"
کی جگہ "فساد" اور "وجود" کی جگہ "عدم فنا" کا اس پر اطلاق ہوتا ہے، جسم
پر طاری ہوتی ہے تو اس کا نام پہلے "بیماری" اور پھر "موت" ہے۔ اعمال
پر طاری ہوتی ہے تو اسی کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں "عملِ سوء" اور
"عصیان" سے تعبیر کرتا ہے۔ اور پھر یہی چیز ہے کہ جب قوموں اور
امتوں کی اجتماعی زندگی پر طاری ہو جاتی ہے تو دنیا دیکھتی ہے کہ اقبال
کی جگہ ادبار، عروج کی جگہ تسفل، ترقی کی جگہ تنزل عظمت کی جگہ ذلت

Marfat.com

حکومت کی جگہ محکومی، اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اُس پر چھا گئی ہے!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا "اجتماع و ائتلاف" کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد، اور اس لئے انسان کے لئے اللہ کی جانب سے سب سے بڑی رحمت و نعمت قرار دیا ہے، اور اُس کو "اعتصام بحبل اللہ" اور اسی طرح کی تعبیرات عظیمہ سے موسوم کیا ہے۔ مسلمانوں کے اولین مادۂ تکوین اُمت یعنی اہل عرب کو مخاطب کر کے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا:۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا! واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً (۲ : ۱۰۳)	سب مل جل کر اور پوری طرح اکٹھے ہو کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑ لو۔ سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں۔ اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کئے گئے تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تم سب کو باہم ملا دیا اور اکٹھا کر دیا۔ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اشتات و انتشار کی زندگی کو بقاء و قیام نہیں ہو سکتا وہ ہلاکی کی ایک آگ ہے جس کے دہکتے ہوئے شعلوں کے اُوپر کبھی قومی زندگی نشو و نما نہیں پا سکتی۔

Marfat.com

وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذلک یبین اللہ لکم ایٰتہ لعلکم تھتدون (۳: ۱۰۳)

اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دہکتے ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، پر اللہ نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ اپنے فضل و رحمت کی نشانیاں اسی طرح کھولتا ہے تا کہ کامیابی کی راہ پالو!

یہ بھی جا بجا بتلا دیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع و ائتلاف کی صالح و حقیقی زندگی پیدا کر دینا محض انسانی تدبیر سے ممکن نہیں دنیا میں کوئی انسانی تدبیر اُمت نہیں پیدا کر سکتی۔ یہ کام صرف اللہ ہی کی توفیق و رحمت اور اس کی وحی و تنزیل کا ہے کہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنا دے۔

لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم (۸: ۶۹)

اگر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان بکھرے ہوئے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتھ جوڑ نہیں سکتے تھے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے جس نے متفرق دلوں کو اکٹھا کر دیا۔

اور اسی لئے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزولِ وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو، اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت و وحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اور اسی لئے یہ نتیجہ شریعت سے بغی و عدوان اور اس کو بالکل ترک کر دینے کا ہے:

فما اختلفوا حتی جاءھم العلم (۳: ۹۲) و اٰتیناھم بینات

Marfat.com

من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیاً بینھم (۴۵ : ۱۶)
ولا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاءھم البینات (۳ : ۱۰۴)

اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو "جاھلیۃ" اور "حیات جاہلی" سے تعبیر کیا ہے۔ جیساکہ آگے بالتفصیل آئے گا۔ من فارق الجماعۃ، فمات فمیتہ جاھلیہ" وغیر ذالک، اور اسی بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود ہیں جن میں نہایت شدت کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا اگرچہ امیر غیر مستحق ہو، نا اہل ہو، فاسق ہو، ظالم ہو، کوئی ہو، بشرطیکہ مسلمان ہو اور نماز قائم رکھے (ما اقاموا الصلوٰۃ) اور ساتھ ہی بتلا دیا گیا کہ جس شخص نے جماعت سے علیحدگی کی راہ اختیار کی تو اُس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کر دیا۔ یعنی گمراہی اور ٹھوکر اس کے لئے ضروری ہے۔ زنجیر کا توڑنا مشکل ہوتا ہے لیکن کوئی کڑی زنجیر سے الگ ہو گئی ہو تو ایک چھوٹے سے حلقہ کا حکم رکھتی ہے جس کو انگوٹھے سے مسل دیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرت صلعم سے روایت کرتے "علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ و ھو من الاثنین ابعد" دوسری روایت میں ہے۔ "فان الشیطان مع الواحد" یعنی جماعت سے الگ نہ ہو۔ ہمیشہ جماعت بن کر رہو۔ کیونکہ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا

Marfat.com

توشیطان اُس کا ساتھی ہوگیا۔ دو انسان بھی مل کر رہیں توشیطان ان سے دور رہے یعنی اتحادی وجماعتی قوت اُن میں پیدا ہوگئی۔ اب وہ راہِ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔ یہ الفاظ مشہور خطبۂ جابیہ کے ہیں جو عبداللہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار وغیرہم سے مروی ہے۔ اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انھوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا۔ اسی طرح حدیث متواتر بالمعنی "علیکم بالسواد الاعظم" اور "فانہ من شذ شذ فی النار" اور "ید اللہ علی الجماعۃ" اور "لایجمع اللہ امتی علی الضلالۃ" اوکما قال۔ اور خطبہ حضرت امیر کہ "وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔ الا من دعا الی ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذا" وغیر ذلك اس بارے میں معلوم ومشہور ہیں۔ آخری قول دیگر روایات میں بطریق رفع بھی منقول ہے۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہوکر رہو۔ . . . . ۔ جو جماعت سے الگ ہوا اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ افراد تباہ ہوسکتے ہیں مگر ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ہوسکتی۔ اس پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ کبھی ایسا ہونے نہ دے گا کہ پوری اُمت گمراہی پر مجمع ہوجائے۔

اسی طرح نماز کی جماعت کی نسبت ہر حال میں التزام پر زور دینا، اور

Marfat.com

اگرچہ امام نااہل ہو لیکن سعی قیام اہل کے ساتھ التزام جماعت کو بھی جاری رکھنا۔ حتیٰ کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر" تو اس میں بھی یہی حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتی زندگی ہے۔ انفراد و فرقت ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے۔ پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہونا چاہیئے۔

اور یہی سبب ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھلائی گئی اس میں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی "اھدنا الصراط المستقیم" فرمایا "اھدنی" نہیں کہا گیا یہ اسی لیئے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے، اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لیے ہیں تاکہ اُن کے اجتماع و تالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو۔ اسی لیئے اس دعا میں کہ حاصل ایمان و خلاصۂ قرآن، و عصارۂ اسلام ہے متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا۔ اور اسی لیئے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت جو امتیازی دعا سکھلائی گئی، وہ بھی بصیغۂ جمع آئی اگرچہ مخاطب واحد ہو، یعنی "السلام علیکم" "السلام علیک" نہیں قرار دیا گیا۔ اسی طرح نماز سے باہر آنے کے لیئے بھی "السلام علیکم" بصیغۂ جمع رکھا گیا۔ واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ علت اس کی یہی ہے۔ نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی۔

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں

58891

Marfat.com

یہی اجتماعی و ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے۔ نماز کی جماعت خمسہ اور جمعہ و عیدین کا حال ظاہر ہے۔ حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں۔ زکوٰۃ کی بنیاد ہی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال واندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دے دینا ہے۔ علاوہ بریں اس کی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے یعنی ہر فرد کو اپنی زکوٰۃ خود خرچ کر دینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بدقسمتی سے آج مسلمان کر رہے ہیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے، بلکہ مصارفِ زکوٰۃ متعین کر کے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کر دے۔ پس اس کے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی یہ امام کا کام ہے کہ اس کا مصرف تجویز کرے اور مصارفِ منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو، اس کو ترجیح دے۔ ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا، تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا، زکوٰۃ کا بھی کرنا تھا۔

اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے۔ جب ان تمام مشہور احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ مثل المومنین فی توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد۔ اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر والحمی (صحیحین) اور المسلم

Marfat.com

للمسلم کالبنیان یشد بعضه بعضا" (بخاری) یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اس کے مختلف اعضاء۔ ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے، اور اس کی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اس کے اندر درد اُٹھ رہا ہو اور اُن کی مثال دیوار کی سی ہے۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی اور سہارا دیتی ہے پھر تشبیک اصابع کر کے اس کی تصویر بتلا دی۔ یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں رکھ کر دکھلا دیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل ہے۔ سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں ہے۔ دیوار کا نام ہے الگ الگ اینٹ کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ ہے تو اجتماعی وجود ہے یعنی دیوار کا ایک جزو ہے، اور انہی اجزا کے ملنے سے دیوار تشکیل ہوتی ہے

اور یاد رہے کہ یہ جو نماز میں تسویہ صفوف پر سخت زور دیا گیا۔ یعنی صف بندی پر۔ اور سب کے سروں، سینوں، پاؤں کے ایک سیدھ میں ہونے پر "لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم" (بخاری) اور روایت انس کہ "سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ" (بخاری) وفی لفظ "من تمام الصلوٰۃ" تو اس میں بھی یہی بھید ہے اور تشریح کا یہ موقع نہیں، قرآن و سنت کی تصریحات و حکمیات اس

Marfat.com

بارے میں اس قدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ہیں کہ ایک ضخیم مجلد مطلوب۔ تفسیر البیان میں مفصل لکھ چکا ہوں۔

جمع و تفرقۂ قویٰ و مناصب

اس قانونِ الٰہی کے مطابق مسلمانوں کی قومی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا جب ان کی قومی و انفرادی، مادی و معنوی، اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع و ائتلاف کی رحمت طاری تھی اور ان کے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد اسی دن پڑی، جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات و انتشار کی نحوست چھانی شروع ہو گئی۔ ابتدا میں ہر مادہ مجتمع تھا۔ ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی، ہر چیز بندھی ہوئی تھی، لیکن بتدریج تفرقہ و انتشار کی ایسی ہوا چلی کہ ہر بندھن کھل گیا۔ ہر جماؤ پھیلا، ہر ملی جلی اور اکٹھی طاقت الگ الگ ہو کر منتشر اور تتر بتر ہو گئی۔ قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چیز اور ہر گوشۂ وجود و عمل پر طاری ہوئی اور ایک ہزار برس پر تین صدیاں گزر چکی ہیں کہ برابر طاری ہو رہی اور بڑھتی جاتی ہے۔ لوگ اسبابِ تنزل امت پر بحث کرتے اور طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں، حالانکہ قرآن و سنت اور عقلیاتِ صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اسی ایک چیز کا نتیجہ ہیں۔ اس ایک حقیقت کو کتنے

Marfat.com

ہی مختلف ناموں سے پکار لو، مگر اصلی علت .... اس کے سوا کوئی نہیں۔
قوتوں کے انتشار کا دور ساری چیزوں پر طاری ہوا۔ لیکن یہاں صرف ایک ہی پہلو واضح کرنا مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسلامی طاقت کی اصلی شخصیت تھی۔ آپ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو صرف ایک داعی شریعت یا حامل وحی ہی کی جگہ خالی نہیں ہوئی، بلکہ اُن ساری قوتوں، سارے منصبوں، ساری حیثیتوں، اور ہر طرح کے نظری و عملی اختیارات وقویٰ کی، جو آپ کی شخصیتِ مقدسہ میں اکٹھی تھیں۔ اور جن کا آپ کے تنہا وجودِ مقدس میں جمع ہونا اسلام کی شرعی و دینی خصوصیات میں سے تھا۔ اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف ایک اخلاقی معلّم ہی نہ تھا، اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح محض ایک جہانگیر اور عالم ستاں شہنشاہ اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جہانبانی سے الگ نہیں رکھا وہ تو یہ سکھلانے آیا تھا کہ دین و دنیا دو نہیں ایک ہی چیز ہیں۔ اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں ہے، بلکہ سچی حکومت اور خدا کی مرضی کے مطابق سلطنت وہی ہے جس کو شریعت نے خود پیدا کیا ہو، پس اسلام کے داعی کا وجود ایک ہی وقت میں اُن تمام حیثیتوں اور منصبوں کا جامع تھا، جو ہمیشہ دنیا کی صدہا مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رہی ہیں۔ وہ اللہ کا پیغمبر تھا، شریعت کا مقنن تھا، امت کا بانی تھا۔ ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا۔ وہ اگر

Marfat.com

پتوں اور چھال سے پٹی ہوئی مسجد کے منبر پہ وحی الٰہی کا ترجمان اور انسانی سعادت وہدایت کا واعظ تھا۔ تو اُسی کے صحن میں مدین کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجوں کو میدانِ جنگ میں بھیجنے کے لیے سپہ سالار لشکر بھی تھا۔ وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زندگی میں گھروں کا نظامِ معاشرت درست کرتا اور نکاح وطلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھ ہی بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھی روکتا، اور مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمراں کی طرح نمایاں بھی ہوتا تھا۔ غرضکہ اُس کی ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے، اور اسلام کا نظام دینی یہی تھا کہ یہ ساری قوتیں ایک ہی فرد میں جمع رہیں۔

جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو خلفاء راشدین کی خلافت تمام اسی اجتماع قویٰ ومناصب پر قائم ہوئی، اور اسی لیے اس کو "منہاج نبوت" سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی یہ نیابت ٹھیک ٹھیک ہر لحاظ اور ہر پہلو سے شخص جامع نبوت کی سچی قائمقامی اپنے اندر رکھتی تھی۔

منصبِ نبوت مختلف اجزاء نظر وعمل سے مرکب ہے۔ از ان جملہ ایک جزء وحی وتنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع وتاسیس قوانین کا اختیار رکھتا ہے۔ یعنی قانون وضع کرنا اور اس کے وضع وقیام کی معصومانہ وغیر مسئولانہ قوت۔ اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپ کے وجود پر ختم

Marfat.com

ہو چکی تھی اور قیامت تک کے لیے شریعت وقانون کے وضع وقیام کا معاملہ کامل ہو چکا تھا۔ جب نعمت کامل ہو گئی تو پھر کامل چیز ہی کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیئے۔ اس کی جگہ کسی دوسری چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی، ورضیت لکم الاسلام دینا (۵ : ۴)

لیکن منصب نبوت اس اصلی جزء کے ساتھ بہت سے تبعی اجزاء پر بھی مشتمل تھا، اور ضرور تھا کہ ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے اس چیز کو مختلف احادیث نے مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے۔ حضرت عمر کے لیئے "محدث" (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا۔ علما کو انبیاء کا وارث کہا گیا مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزء قرار دیا۔ لم یبق الا المبشرات "حدیث تجدید بھی اسی سلسلہ میں داخل ہے۔ پس خلفاء راشدین کو جو نیابت پہنچی، اس میں وحی وتشریع کی قائمقامی تو نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اور تمام اجزاء وخصائص نبوت کی نیابت داخل تھی۔ داعی اسلام کا وجود نبوت کے ساتھ خلافت ارضی، حکومت وسلطنت، نظام وقوام سیاست، قیادت فوج وحرب، فتح وعمران ممالک، ریاست مجالس شوریٰ، وغیرہ، جہان بانی وحکمرانی کے تمام منصب تنہا اپنی شخصیت کے اندر رکھتا تھا، اس لیئے ٹھیک ٹھیک اسی طرح خلافت خاصہ میں بھی خلفاء راشدین کا تنہا وجود ان ساری فطری وعملی قوتوں اور تمام منصوبوں کا جامع ہوا۔ وہ

Marfat.com

ایک ہی وجود کے اندر صاحبِ امامت و خلافت بھی تھے، صاحب اجتہاد و قضا بھی تھے، اور صاحب سیاست و نظم احکام بلاد بھی۔ اصلاً "امامتِ کبریٰ" کا مقام اجتہاد دینی اور سیاستِ ملکی دونوں سے مرکب ہے۔ اس لئے اُن کی امامت میں یہ دونوں قسمیں اپنی تمام شاخوں کے ساتھ اکٹھی تھیں۔ حضرت عمر مسجد کے دارالشوریٰ میں مسائل شرعیہ کا بہ حیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے، عدالت میں مقدمات سنتے تھے، اور دیوان فوجی میں فوجوں کو تنخواہ بھی بانٹتے تھے۔ اگر وہ نماز جنازہ کی معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے تھے، تو راتوں کو شہر میں گشت لگا کر احتساب کا فرض بھی ادا کرتے تھے۔ میدانِ جنگ میں احکام بھی وہی بھیجتے، اور روم کے سفیر کو بہ حیثیت شہنشاہ اسلام اپنے سامنے بھی وہی بلاتے!

اسی طرح نبوت کا مقام، تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا، قرآن حکیم نے ان کو تین اصولی قسموں میں بانٹ دیا ہے: یتلو علیھم ایٰتہ، ویزکیھم، ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (۲:۶۲) تلاوت آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب و حکمت، خلفاء راشدین ان تینوں منصبوں میں وجودِ نبوت کے نائب تھے۔ وہ منصب اجتہاد و قضا، شرع کے ساتھ قوتِ ارشاد و تزکیہ و تربیت بھی رکھتے تھے۔ وہ ایک صاحب وحی کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرتے، ایک نبی کی

Marfat.com

طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشتے، اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت و سُنّت سے اُمّت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے۔ وہ ایک ہی وجود میں ابو حنیفہ و شافعیؒ بھی تھے، اور جنیدؒ اور شبلیؒ بھی، نخعیؒ و حمادؒ بھی تھے اور ابنِ معینؒ و ابنِ راہویہؒ بھی۔ جسموں کا نظام بھی اُنہی کے ہاتھوں میں تھا۔ دلوں کی حکمرانی بھی اُنہی کے قبضہ میں تھی۔ یہی حقیقی اور کامل معنی منصب نبوّت کی نیابت کے ہیں، اور اسی لئے اُن کا وجود اور اُن کے اعمال بھی اعمالِ نبوّت کا ایک آخری جزء رہے کہ "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" اور اسی لئے "وعضوا علیها بالنواجذ" کے حکم میں نہ صرف سنّتِ عہدِ نبوّت، بلکہ خلافتِ راشدہ و خاصہ کی سنّت بھی داخل ہوئی۔ اور شرح اس سرِّ الٰہی کی بہت طولانی ہے۔ یہاں محض اشارات مطلوب۔

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دے دی گئی تھی، اجتماع و ائتلاف کی یہ حالت حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہوگئی، اس کے بعد سے اشتات وانتشار کا دور شروع ہوا۔ ازاں جملہ مرکزی قوتوں اور منصبوں کا انتشار واشتات تھا جس نے فی الحقیقت اُمّت کا تمام نظام شرعی واصلی درہم و برہم کر دیا۔ خلافتِ خاصہ کے بعد یہ ساری یکجا قوتیں الگ الگ ہوگئیں ایک وجود کی جگہ مختلف وجودوں میں اُن کا ظہور اور نشوونما ہوا، حکومت و

Marfat.com

فرمانروائی کا ٹکڑا الگ ہو کر مجرد پادشاہی کی شکل میں آگیا۔ اسی کی طرف اشارہ تھا۔ "الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم ملك" سو واقعی اس کے بعد صرف پادشاہی ہی رہ گئی۔ اجتہاد اور قضاء شرعی کا جزء خلافت سے الگ ہوا تو مجتہدین وفقہا کی ایک الگ جماعت پیدا ہوگئی۔ انھوں نے یہ کام سنبھالا۔ اسی طرح تعلیم و تربیت روحانی کے کاروبار سے نظام حکومت بالکل الگ ہوگیا۔ پہلے خلافت کی ایک ہی بیعت تمام مقاصد کی کفیل تھی۔ اب خلیفہ کا وجود محض پادشاہی کے لیئے اور فقہا کا مجرد استنباط احکام و مسائل کے لیئے رہ گیا، تو تزکیۂ نفوس اور ارشاد قلوب کے لیئے ایک دوسری بیعت مستقلاً قائم ہوئی، جو بیعت توبہ وارشاد ہوئی اور اس طرح اصحاب طریقت وتصوف کی بنیاد پڑی۔ پہلے صرف ایک وجود تھا۔ وہ پادشاہ مجتہد مرشد، قاضی القضاۃ، سپہ سالار جنگ، میر عدل واحتساب، سب کچھ تھا۔ اب یہ ساری قوتیں الگ الگ ہوگئیں۔ حکومت وفرمانروائی الگ ایک وجود میں آئی۔ اجتہاد و تفقہ کے لیئے دوسرا وجود مرکز بنا۔ قضا کے لیئے تیسرا ارشاد و تزکیۂ قلوب کے لیئے چوتھا۔ وھلم جرا۔ غرضکہ عہد اجتماع قویٰ و مناصب کے بعد دور انتشار قویٰ و مناصب شروع ہو کر رفتہ رفتہ کمال ظہور و طلوع تک پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ یہ تمام قوتیں اس طرح ایک دوسرے سے بیگانہ و مخالف ہوگئیں کہ یا تو ایک

وجود میں جمع تھیں، یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بھی متفق نہ رہ سکیں صرف اختلاف تعدد و تنوع ہی نہیں رہا۔ بلکہ اختلافِ تضاد کی شکل پیدا ہوگئی یہی سب سے بڑی مصیبت وہلاکت تھی جو اُمّت پر طاری ہوئی مسلمانوں کے تنزل وادبار کی اصلی علت یہ ہے۔ وہ افسانے نہیں ہیں جن میں تم سرمست ہو۔ افسوس کہ سطحی وجزئی حالات کے استغراق نے اصلی اسباب وعلل پہ غور کرنے کی تمھیں کبھی مہلت نہ دی، اور نہ بحث ونظر میں یورپ کی تقلید سے آزاد ہو سکے کہ خالص اسلامی فکر ونظر سے اسباب ترقی و تنزل پر تدبر کرتے!

غرضکہ خلافتِ راشدہ کے بعد جو سلسلۂ خلافت قائم ہوا، وہ خواہ قرشی رہا ہو، یا غیر قرشی، مجرد ملوکی و پادشاہی کا سلسلہ تھا، اور بجز چند مستثنیٰ اوقات کے (جیسا کہ عہد حضرت عمر بن عبد العزیز) یہ نیابت نبوّت کے اور تمام اجزا سے یک قلم خالی رہا، منصب بٹ چکے تھے۔ قوتیں منتشر ہو چکی تھیں۔ البتہ جو انقلاب سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں ہوا اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلاطین عثمانیہ کی خلافت طریق استبدادی وشخصی سے طریق شوریٰ میں تبدیل ہوگئی، سو بلاشبہ خلافتِ راشدہ کی طرف عود ورجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا، جس کے لئے شوریٰ اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلی شرط ہے۔ لیکن ان جزئی مستثنیات کے علاوہ عام حالات وخصائص ہر دور اور

Marfat.com

ہر سلسلے کے وہی رہے جو ایک جامع لفظ "ملک عضوض" میں بتلا دیئے گئے تھے، اور اس میں کبھی کوئی نمایاں اور پائیدار تبدیلی نہ ہوئی۔

اطاعت خلیفہ و التزام جماعت

اس اجمالی تمہید کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے۔ یعنی اسلام کا وہ نظام شرعی جو ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت کی معرفت اور اطاعت پر اسی طرح مجبور کرتا ہے۔ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر، جب تک وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے خلاف کوئی حکم نہ دے۔ اسلام کا قانون اس بارے میں اپنی تمام شاخوں اور تعلیموں کی طرح فی الحقیقت کائنات ہستی کے قدرتی نظام کا ایک جزء اور اقوام ہستی کی زنجیر فطرت کی ایک قدرتی کڑی ہے۔ کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی قدرت وسنت ایک خاص نظام پر کار فرما ہے جس کو "قانون مرکز" یا "قانون دوائر" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یعنی قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقا و قیام کے لئے ہر جگہ اور ہر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھی ہے کہ کوئی ایک وجود تو بمنزلہ مرکز کے ہوتا ہے اور بقیہ اجسام ایک دائرے کی شکل میں اس کے چاروں طرف وجود پاتے ہیں اور پورے دائرے کی زندگی اور بقا صرف اُس مرکزی وجود کی زندگی اور بقا پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر ایک چشم زدن

Marfat.com

کے لئے بھی دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہو جائیں۔ یا مرکز کی اطاعت وانقیاد سے باہر ہو جائیں تو معاً نظامِ ہستی درہم برہم ہو جائے اور دائرہ کی ایکلی ہستیاں مرکز سے الگ رہ کر کبھی قائم و باقی نہ رہ سکیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ "الحقیقۃ کالکرہ" اور صاحب فتوحات نے کہا کہ "دائرہ قاب قوسین" ہے۔

یہ قانونِ مرکزیت و دوائرِ نظامِ ہستی کے ہر جز اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ نظامِ شمسی جو ہمارے اوپر ہے، ستاروں کی یہ کہکشان آبادی کروں کا یہ صحرائے بے کنار، زندگی اور حرکت کا یہ محیّر العقول طلسم کیا ہے؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے؟ اسی قانونِ مرکزیت پر۔ متحرک سیاروں کے حلقے اور دائرے ہیں، ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزی نقطہ ہے۔ تمام ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کر رہے ہیں۔ اور ہر دائرہ کی ساری زندگی اور بقا صرف مرکزِ شمسی کی اطاعت وانقیاد پر موقوف ہے۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم خود ہماری زمین بھی ایک ایسے ہی دائرہ کی ایک کڑی ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغول ہے۔ ہر ستارے کے طواف و دوران کے لئے حکمتِ الٰہی نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دے دیا ہے۔ وہ اُس سے باہر نہیں جا سکتا۔ سب بحکم وله اسلم من فی السمٰوٰت والارض (۳ : ۸۳) ان اللہ یسجد له من فی السمٰوٰت

Marfat.com

ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم (۲۲ : ۱۹) خدا کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق اپنی اپنی جگہوں میں کام کر رہے ہیں: لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر، ولا الیل سابق النہار، وکل فی فلک یسبحون (۳۶ : ۴۰)

قانونِ مرکزیت کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا۔ اب اس کے بعد جس قدر نیچے اُترتے آئیں گے، اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لے کر زندگی کے چھوٹے سے گوشوں تک نظر ڈالیں گے، ہر جگہ زندگی اور بقا اسی قانون سے وابستہ نظر آئے گی۔ عالمِ نباتات میں درخت کو دیکھو۔ اس کی ایک مجتمعہ وحدت کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے؟ ڈالیاں ہیں شاخیں ہیں پتے ہیں پھول ہیں۔ لیکن سب کی زندگی ایک ہی مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے۔ جڑ سے جہاں کوئی شاخ الگ ہوئی موت و فنا اُس پر طاری ہو گئی۔ آفاق کو چھوڑ کر عالمِ انفس کی طرف آؤ، اور خود اپنے وجود کو دیکھو جس کے دیکھنے کے لئے نظر اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہری و باطنی اعضاء سے مرکب ہے؟ جسموں اور وجودوں کی ایک پوری بستی ہے جو تم میں آباد ہے۔ ہر جسم کا فعل ہے اور ایک خاصہ۔ لیکن دیکھو! یہ ساری آبادی کس طرح ایک ہی مرکز کے آگے سربسجود ہے؟ سب کی حیات کا مرکز صرف قلب ہے۔ اس سے الگ رہ کر ایک عضو بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔" اذا اصلحت، صلحت کلہا، واذا فسدت، فسدت کلہا:

Marfat.com

اسلام فی الحقیقت سنت اللہ اور فطرت اللہ ہی کا دوسرا نام ہے۔
اگر نوعِ انسانی کی سعادت وارتقا کے لئے قانونِ اسلام اُسی فاطر السموٰت والارض کا بنایا ہوا ہے جس نے تمام کائنات کے لئے قانونِ حیات بنایا تو ضرور ہے کہ دونوں میں اختلاف نہ ہو بلکہ پہلا قانون پچھلے قانونِ عام کا ایک ایسا قدرتی جزء نظر آئے جیسے زنجیر کی ایک کڑی۔ پس اسلام کا نظام شرعی بھی ٹھیک ٹھیک اسی قانونِ مرکزیت پر قائم ہوا۔ قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام واشیا کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے' اسی طرح نوعِ انسانی اور اس کی جماعت وافراد کا جسمانی ومعنوی بقا بھی قانونِ مرکزیت پر موقوف ہے۔ جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز ومحور سورج کا وجود ہے۔ اسی طرح نوعِ انسانی کا بھی مرکز سعادت انبیاء کرام کا وجود ہے۔ پس ان کی اطاعت وانقیاد بقاو حیات کے لئے ناگزیر ٹھہری: وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴:۶۸) دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے' اور اسی لئے فرمایا: فلا وربك لا یؤمنون حتیٰ یحکموك فیما شجر بینھم، ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (۴ : ۶۹) اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پھر قوم وملت کے بقاء کے لئے ہر طرح کے دائرے اور ہر طرح کے مرکز قرار دئے۔ اعتقاد میں اصلی مرکز عقیدۂ توحید

Marfat.com

کو ٹھہرایا جس کے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ہے: انّ اللہ لا یغفر ان یشرك به و یغفر ما دون ذٰلك لمن یشاء (۴ : ۵۲) عبادات میں نماز کو مرکزِ عمل ٹھہرایا جس کے ترک کر دینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ہو جاتا ہے۔ "فمن اقامہا اقام الدین، ومن ترکہا فقد ھدم الدین" اور اسی لئے یہ بات ہوئی کہ "کان اصحاب رسول اللہ صلعم لا یرون شیئًا من الاعمال ترکه کفر غیر الصلوۃ" (ترمذی) یعنی صحابۂ کرام کسی عمل کے ترک کر دینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو۔ اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضی مرکزِ سعادت وادیٔ حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا: جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیامًا للنّاس۔ "قیامًا للنّاس" پر غور کرو اور چونکہ یہ مرکز ٹھہرا، اس لئے تمام دائرہ کا رُخ بھی اسی طرف ہوا۔ خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں لیکن ان کا منہ اسی طرف ہونا چاہیئے۔ وحیث ما کنتم فولّوا وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۴۵)

پھر جس طرح شخصی و اعتقادی اور عملی زندگی کے لئے مراکز قرار پائے، ضرور تھا کہ جماعتی اور ملّی زندگی کے لئے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا۔ لہٰذا وہ مرکز بھی قرار دے دیا گیا۔ تمام اُمّت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹھہرایا۔ اُس کی معیّت، اُس کی رفاقت، اس کی اطاعت، اُس کی حرکت پر حرکت، اُس کے سکون پر سکون، اس کی طلب پر لبّیک، اُس کی دعوت

Marfat.com

پر انفاق جان و مال، ہر مسلمان کے لئے فرض کر دیا گیا۔ ایسا فرض جس کے بغیر وہ جاہلیت کی ظلمت سے نکل کر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آسکتا اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام "خلیفہ" اور امام ہے، اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا ہے۔ یعنی کتاب و سنت کے مطابق اس کا حکم ہے، ہر مسلمان پر اس کی اطاعت و اعانت اسی طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ اور اس کے رسول کی:

یا ایها الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و	مسلمانو! اطاعت کرو اللہ کی اُس کے رسول
اطیعوا الرسول واولی الامر منکم	کی اور تم میں جو اولی الامر ہو، اُس کی۔ پھر اگر
فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ	کسی معاملہ میں تم مختلف ہو جاؤ تو چاہئے کہ اللہ
والرسول، ان کنتم تؤمنون باللہ	اور اُس کے رسول کی طرف لوٹو اور اس کے
والیوم الاٰخر ذٰلک خیر و احسن	فیصلہ پر متفق ہو جاؤ،
تاویلا (۴: ۶۳)	

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی، رسول کی مسلمانوں میں جو اولی الامر ہو، اس کی۔ اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔ رسول کی اطاعت سے مقصود سنت قولی و فعلی ہے۔ باقی رہی اطاعت اولوالامر، تو نہایت قوی و روشن وجوہ موجود ہیں کہ "اولوالامر" سے مقصود مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا، نظام امت قائم رکھنے والا اور

Marfat.com

تمام اجتہادی امور میں صاحبِ حکم و سلطان ہے :

اوّلاً، بحکم "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" اولی الامر کی تفسیر خود قرآن ہی کے اندر تلاش کرنی چاہیئے۔ اسی سورت میں آگے چل کر یہ لفظ دوبارہ آیا ہے :۔

واذا جاءھم امر من الامن	اور جب کوئی امن یا خوف کی خبر اُن تک پہنچتی ہے
او الخوف اذاعوا بہ، ولو ردوہ	تو بلا سوچے سمجھے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ
الی الرسول والیٰ اولی الامر	اللہ کے رسول کی طرف اور اُن لوگوں کی طرف رجوع کرتے
منھم، لعلمہ الذین یستنبطونہ	جو اُن میں "اولوالامر" ہیں، تو فوراً اصلیت کھل جاتی اور
منھم (۴ : ۸۶)	وہ اس خبر کے سچے جھوٹے ہونے کا پتہ لگا لیتے۔

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا ہے جب امن و خوف یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کی افواہیں ملک میں پھیلتی ہیں اور بے اصل خبروں کی اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کی وجہ سے عہد نبوی میں بھی پیش آجاتی تھیں۔ پس فرمایا کہ جب کوئی افواہ سنو تو پہلے اللہ کے رسول اور اپنے "اولوالامر" تک پہنچاؤ۔ تاکہ وہ اس کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کرلیں، اور خبر کی نوعیت اور راویوں کی حالت پر غور کر کے صحیح نتائج کا استنباط کریں۔ ایسا نہ کرو کہ جہاں کوئی افواہ سُنی، فوراً اُس پر یقین کر لیا۔ اور لوگوں میں پھیلانا شروع کر دیا۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ اس آیت میں "اولوالامر" سے مقصود کون لوگ

Marfat.com

ہو سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ذکر امن و خوف کے حالات کا ہے یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک ہی سے ہو سکتا ہے علماء و فقہا سے نہیں ہو سکتا۔ معاملہ نظم ملک و قیام امن کا ہے۔ استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نہیں ہے۔ پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اولوالامر سے مقصود وہی لوگ ہیں جن کے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق ہوتا ہے، اور جو ان خبروں کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ جن کا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑ سکتا ہے۔ یعنی ارباب حکومت و امارت۔

ثانیاً، کتاب و سنت اور صدر اوّل کے آثار عربیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "امر" جب ایسی ترکیب کے ساتھ بولا جائے جیسی کہ یہاں ہے تو اس کا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ہی کے معنوں پر ہوتا ہے۔ احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ہے کہ ایک صاحب نظر کیلئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ نیز لغت کی بنا پر بھی ظاہر ہے کہ "امر" کے معنی حکم کے ہیں اور اولی الامر کے معنی امام بخاری نے "ذوی الامر" کے کئے ہیں۔ یعنی "حکم والا" اور معلوم ہے کہ صاحب حکم وہی ہو سکتا ہے جو صاحب حکومت ہو۔

ثالثاً، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کی نسبت اُتری، وہ امیر جماعت کی اطاعت ہی کا معاملہ تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے۔

Marfat.com

"عن ابن عباس نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدی اذ بعثہ النبی صلعم فی سریۃ" اور امام طبری نے تفسیر میں ایک روایت درج کی ہے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کی باہمی نزاع کے بارے میں اُتری۔ خالد امیر تھے اور عمار نے بلا اُن کے حکم کے ایک شخص کو مزدوری پر رکھ لیا تھا۔ "نزلت فی قصۃ جرت لعمار مع خالد وکان خالد امیراً فاجار عمار رجلا بغیر امرہ فتخاصما" دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ امیر کی اطاعت و عدم اطاعت کا تھا۔ نہ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتار کا۔

رابعاً اکثر اقوال مرویہ صحابہ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ہوتی ہے بلکہ صدر اوّل میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھی۔ بہت سی موشگافیاں جو پیدا کی گئی ہیں سب بعد کے مفسرین کی طبع زاد ہیں۔ حافظ ابن حجر نے ابن عینیہ کا قول نقل کیا ہے۔ سألت زید بن اسلم عنھا و لم یکن بالمدینہ احد یفسر القرآن بعد محمد بن کعب مثلہ۔ فقال اقرأ ما قبلھا تعرف۔ فقرأت: ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ فقال ھذہ فی الولاۃ" (فتح ۱۳: ۹۹) یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھ کر قرآن کا کوئی مفسر نہ تھا۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا۔ اس آیت سے ماقبل آیت پڑھو۔ میں نے پڑھا" ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات

Marfat.com

الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ہیں۔ یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت وقضا کا ہو رہا ہے، پس اولوالامر سے مقصود وہی اربابِ اقتدار ہیں جو حکومت رکھتے ہوں۔ طبری نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ اور میمون بن مہران وغیرہ سے نقل کیا ہے "ھم الامراء" اور علامہ ابنِ حزم نے اُن تمام صحابہ وتابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے تو تیرہ[۱۳] سے زیادہ ثابت ہوئے۔ باقی رہا بعض صحابہ وتابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہلِ علم ونظر ہیں۔ مثلاً جابر بن عبداللہ کا قول کہ "ھم اھل العلم والخیر" اور مجاہد وعطاء وابوالعالیہ کا قول کہ "ھم العلماء" تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دراصل اسلام کا نظام حکومت وجماعت تو یہی تھا کہ حکومت وولایت کا منصب تمام شرعی وعلمی قوتوں سے مرکب ہو، اور اُس وقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑی تھیں پس جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا۔ وہ بدرجۂ اولیٰ عالم وفقیہ بھی ہوتا تھا۔ پس جن صحابہ وتابعین نے "اولوالامر" کی تفسیر میں علم وخیر کا ذکر کیا، انھوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی۔ گویا ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کا اولوالامر ایسے ہی افراد کو ہونا چاہیے جو اہلِ علم وخیر ہوں۔ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولوالامر سے مقصود "علماء وفقہا کا وہ مخصوص ومتعارف گروہ ہے جو اسلام

Marfat.com

کے نظامِ جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا اور جس کا صدر اوّل کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہو گا؟

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے ”ابوبکر و عمرؓ“ اس سے بھی اُن کا مقصود یہی ہے کہ اولوالامر مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہے۔ جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

اصل یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کی باقاعدہ طوائف الملوکی قائم تھی اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا۔ اسلام کا جب ظہور ہوا تو اس نے ”جماعت“ اور ”امارت“ کے نظام پر زور دیا، اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی مجبور کر دیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باہر نہ ہوں۔ قریش کی نسلی فطرت اس اطاعت کیشی کے خلاف تھی، اس لیے خصوصیت کے ساتھ اُن کو اس بات کا خوگر بنانا تھا۔ حافظ عسقلانی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے۔ ”ودرج الشافعی الاول واحتج بأن قریشاً کانوا لا یعرفون الامارۃ ولا ینقادون الیٰ امیر، فامروا بالطاعۃ لمن ولی الامر، ولذلک قال صلعم، من اطاع امیری فقد اطاعنی“ (فتح ۸: ۱۹۱)

خامساً۔ تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ یعنی امام بخاریؒ کا بھی مذہب یہی ہے۔ کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ اور اس میں حضرت ابوہریرہ کی روایت درج

Marfat.com

کی ہے: من اطاع امیری فقد اطاعنی الخ "جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے خود میری اطاعت کی جس نے اس سے انکار کیا اس نے خود مجھ سے انکار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اولوالامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام ہی کی اطاعت ہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں: فی هذا اشارة من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی ان الایة نزلت فی طاعة الامراء، خلافاً لمن قال نزلت فی العلماء" (فتح ۱۳: ۹۹)

سادساً۔ سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے، وہ امام ابن جریر طبری کی تفسیر ہے، اور صحابہ و تابعین کی تفاسیر پر ان کا احاطہ و نظر معلوم، انہوں نے بھی تمام اقوال نقل کر کے ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے،

سابعاً، اس نکتہ پر نظر رہنی چاہئے کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں جس قدر اختلافات کی کثرت اور مذاہب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ہے، وہ تمام تر متاخرین کی فلسفیانہ کاوش پسندی کا نتیجہ ہے جبکہ معقولات کے شیوع اور یونانیت کے غلبہ و احاطہ سے علوم دینیہ میں اس تعمق کی بنیادیں پوری طرح پڑ چکی تھیں جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ "هلك المتعمقون"۔ فکر و نظر میں عجمیت کے ظہور، عربیت خالصہ و صالحہ کے بعد، اور علوم سنت کے ترک و ہجر نے اس معاملہ کو اور زیادہ گہرا اور وسیع کر دیا۔ لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات یک قلم ناپید تھے۔ ہر آیت اور ہر لفظ کے ایک ہی صاف اور سادہ معنی تھے۔ جو عربی

Marfat.com

لغت و محاورہ میں ہو سکتے ہیں اور لوگ اُس پر قانع تھے۔ ابداعِ معانی کثیرہ اور تفحص اشارات و مفہومات بعیدہ کی کاوش ہی نہیں کی جاتی تھی۔ نہ فرضی و تخمینی شکوک و ایرادات گھڑ کر نئے نئے معانی فرض کئے جاتے تھے۔ "اولوالامر" کا لفظ جب کبھی ایک ایسے عرب کے سامنے کہا جائے گا جس کی عربیت اُس وصیح ہو تو صرف ایک ہی معنی اُس کے ذہن میں آئیں گے۔ یعنی صاحب حکومت کیسی دوسرے مفہوم کا اسے وہم بھی نہیں گذرے گا۔ صحابہ و تابعین اس پر قانع تھے لیکن امام رازی کی دقیقہ سنجی اس سہل پسندی اور لغوی سادگی پر قانع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وہ امکانی مطالب کا وسیع سے وسیع میدان ڈھونڈھتے ہیں اور ہر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کے لئے اختیار کر لینا چاہتے ہیں۔ پس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے صرف اُسی تفسیر کو اختیار کرنا چاہیئے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ہو' اور لغت و عربیت اس کی تصدیق کرے۔ متاخرین کی کاوشیں دراصل ایک طرح کا منطقی تفنن ہے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذہن میں حدت پیدا ہوتی ہے لیکن تفسیر قرآن نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر صرف وہی ہو سکتی ہے جو خود حاملِ قرآن کے علوم سے ماخوذ ہو' اور اُن لوگوں نے بتلائی ہو جن کے علم و عمل پر خود اللہ نے اپنی رضاء و پسندیدگی کی شہادت دی ہے: رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ! اگر سلف سے اعراض و انکار اس بناء پر ہے کہ اصولِ فقہ

Marfat.com

وعلم کلام کی یونانی دقیقہ سنجیوں سے نا آشنا تھے تو کم ازکم قرآن کا علم تو اُن کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ قرآن نازل تو ہوا ہو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، لیکن اُس کے معانی و مطالب اُس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہ ہوں جب تک ارسطوئے یونانی اُن کی رہنمائی نہ کرے؟

امام رازیؒ وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ہوئی ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کا ذکر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ کیا گیا ہے، اور عطف تسویہ پیدا کر رہا ہے، پس اولوالامر ایسا ہونا چاہئے جس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہو۔ سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی۔ حیرانی کی کوئی وجہ نہیں۔ قرآن و سنت قانون ہے لیکن قانون بالکل بیکار ہے اگر کوئی قوت نافذہ نہ ہو۔ یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت، اور ظاہر ہے کہ جو قوتِ نافذہ ہوگی، اس کی اطاعت عین قوت مقننہ کی اطاعت ہوگی۔ ایک دہقانی تک جانتا ہے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی اطاعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے ــــــ بلکہ ایک سپاہی کی اطاعت بھی عین قانون اور بادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور بادشاہ سے بغاوت کرنا۔ یہ ساری بحثیں اس لئے پیدا ہو گئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اہمیت پر نظر نہ ڈالی گئی۔ اگر یہ حقیقت پیش نظر ہوتی کہ شریعت کے نفاذ اور اُمت کے قوام و نظام

Marfat.com

کے لئے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ہے اور وہی امام اور اُس کے نائب امراء ہیں، تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا۔ کسی کاوش و بحث کی ضرورت نہیں تھی۔

"فان تنازعتم" الخ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک "اربابا من دون اللہ" میں داخل ہے۔ مسیحیت کا خلیفہ، ارضی خلیفہ نہیں ہے۔ آسمانی و دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ لیکن اسلامی خلافت کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے۔ وہ صرف شریعت اور امت کی حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے۔ یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے نہ کہ مقننہ۔ اس کی ذات کو اصل شریعت اور اُس کے احکام میں کوئی دخل نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ الی اللہ والرسول نہ فرمایا جاتا۔ یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس میں نزاع و اختلاف پیدا ہو، تو پھر اس کے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقی کا۔ یعنی قرآن و سنت کا اور خود خلیفہ بھی اس کی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت اُمت کا ہر عام فرد۔

یہی وجہ ہے کہ "اطیعوا اللہ کے بعد پھر" اطیعوا الرسول" میں فعل کا اعادہ کیا گیا۔ مگر اولی الامر" میں نہیں کیا گیا۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کی ہے اور رسول کی ہے یعنی کتاب و سنت کی اور

Marfat.com

اولوالامر کی اطاعت صرف اسی لئے ہے تاکہ کتاب وسنت کی اطاعت کی جائے۔ بالاستقلال نہیں ہے۔ پھر "فان تنازعتم" کہہ کر اور زیادہ واضح کر دیا کہ اگر اولوالامر کتاب وسنت کے خلاف حکم دے تو پھر اُس حکم میں اُن کی اطاعت نہیں ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہیئے۔ قالہ الطیبی فی الشرح۔

بعض امراء بنوامیہ نے اپنے مظالم وبدعات کی اطاعت کرانے کے لئے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا: "الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ واولی الامر منکم؟ کیا خدا نے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے کہ اولی الامر منکم؟ تو بعض ائمہ تابعین نے کیا خوب جواب دیا "الیس قد نزعت عنکم بقولہ فان تنازعتم"؟ ہاں، مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھی تو کر دئے گئے جب فرمایا کہ "فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول"!

غرضیکہ اس آیہ کریمہ میں قرآن نے اس قانونِ شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفہ وامام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے، اور اسی کا وجود نظامِ جماعت کا مرکزی اقتدار ہے۔

شرح حدیث حارث اشعری

احادیثِ صحیحہ سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ اس بارے میں اس کثرت

Marfat.com

کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں، اور عہد صحابہ سے لے کر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ وحفاظ میں اس قدر ان کی شہرت رہ چکی ہے۔ کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی اور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی۔

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا جس میں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے:

قال صلی اللہ علیہ وسلم: انا امرکم بخمس، اللہ امرنی بھن: الجماعۃ والسمع، والطاعۃ، والھجرۃ، والجھاد فی سبیل اللہ۔ فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع، ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جثی جھنم۔ قالوا یا رسول اللہ وان صام وصلی؟ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم" اخرجہ احمد والحاکم من حدیث "الحارث الاشعری علی شرط الصحیحین۔ قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن ولہ الشواھد۔

یعنی فرمایا۔ میں تم کو پانچ باتوں کے لئے حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ جماعت، سمع، اطاعت، ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ

Marfat.com

جاہلیت کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کیا ایسا شخص جہنمی ہو گا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو؟ فرمایا ہاں۔ اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو، اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ہیں:-

(۱) پہلی چیز "جماعت" ہے یعنی تمام اُمت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کے رہنا چاہیے۔ الگ الگ نہیں رہنا چاہیے آگے چل کر کثرت کے ساتھ وہ حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی اور تنی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو، اسلام نے غیر اسلامی اور جاہلی راہ قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی "جماعت" ہے

"جماعت" سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد، ائتلاف، امتزاج اور نظم ہو۔

"اتحاد" سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات میں منتشر نہ ہوں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور ان کے تمام اعمال مل جل کر انجام پائیں۔ کسی گوشۂ عمل میں بھی پھوٹ اور بیگانگی نہ ہو۔

"ائتلاف" کا مرتبہ "اتحاد" سے بلند تر ہے۔ اتحاد صرف باہم مل جانا ہے۔ ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھ ترکیب پائی ہو لیکن ائتلاف سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحادی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و متناسب ترکیب کے ساتھ اتحاد ہو یعنی منتشر

Marfat.com

افراد اس طرح باہم ملے ہوں کہ جس فرد کو اس کی صلاحیت و قوت کے مطابق
جو جگہ ملنی چاہیئے، وہی جگہ اُسے ملی ہو۔ اور ہر فرد کی انفرادی قوت کو جماعتی
ترکیب میں اُتنا ہی دخل دیا جائے، جتنی مقدار میں دخل پانے کی اس میں استعداد
ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زید کو سردار ہونا چاہیئے اور اس سے چاکری کا کام لیا جائے اور
عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف چھٹانک بھر جزوِ جماعت ہونے کی صلاحیت رکھتا
ہے، اس کو سیر بھر قرار دے دیا جائے۔

"امتزاج" ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے۔ اس میں کمیت سے زیادہ کیفیت
کا اتحاد ہونا چاہیئے۔ یعنی مختلف افراد کو باہم اس طرح ملایا جائے کہ جس فرد کا
اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھ مل کر ایک متحدہ کیفیت حاصل
کر سکتا ہے، ویسا ہی مزاج اس کے ساتھ ملایا جائے۔ یہ نہ ہو کہ دو ایسے
آدمیوں کو ملا دیا گیا جن کی طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باہم دگر
میل نہیں کھا سکتی، اور اس لئے خواہ کتنا ہی ان کو ملاؤ لیکن تیل اور پانی
کی طرح ہمیشہ الگ الگ ہی نظر آئیں، باہم مل کر ایک جان نہ ہو جائیں۔ اللہ
تعالیٰ نے جس طرح عناصر کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ باہم دگر مل کر ایک نئے
مرکب وجود میں متشکل ہوں، اسی طرح افراد انسانی کو بھی اس لئے پیدا کیا تاکہ
اُن کے باہم ملنے سے جماعت پیدا ہو۔ "جماعت" ایک مرکب وجود ہے، افراد
اس کے عناصر ہیں۔ فرد بجائے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا، محض ایک مثنیٰ

Marfat.com

ہے، اور جب تک اپنے بقیہ ٹکڑوں سے مل نہ جائے کامل وجود نہیں پا سکتا لیکن یہ باہم ملنا "امتزاج" کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ تاکہ ہر ٹکڑا اپنے صحیح و مناسب ٹکڑے کے ساتھ مل کر اس طرح جڑ جائے کہ معلوم ہو، یہ نگینہ اسی انگشتری کیلئے تھا!

"نظم" سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و تقویمی حالت ہے جب اس کے تمام افراد اپنی اپنی جگہوں میں قائم، اپنے اپنے دائرہ میں محدود، اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم ہوں۔

اجتماع کے یہ خواص و اوصاف نہ تو حاصل ہو سکتے ہیں۔ نہ قائم رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی بالاتر فعال و مدبر طاقت وجود میں نہ آئے اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد اور مؤتلف ممزوج اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نہ رکھے۔ پس ایک "امام" کا وجود ناگزیر ہوا۔ اور اسی لئے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کرلیں جو بکھرے ہوئے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھ جوڑ دینے اور اڑتے ہوئے ذروں سے ایک حیّ و قائم جماعتی وجود پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفہ ہے۔ اور پھر ہر ملک، ہر آبادی، ہر گروہ میں اس کے ماتحت امام جماعت ہونے چاہئیں۔ مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کے لئے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں حتیٰ کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں، تو چاہیئے کہ ایک ان میں سے امام تسلیم کر لیا

Marfat.com

جائے "اذا کان ثلاثۃ فی سفر فلیؤمروا احدھم"

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونہ مسلمانوں کو دکھلا دیا گیا۔ کیونکہ نماز ہی وہ عمل عظیم ہے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونہ ہے۔ کس طرح سیکڑوں ہزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں مختلف جہتوں، مختلف شکلوں، اور مختلف لباسوں میں آتے ہیں لیکن یکایک صدائے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادی جسم میں تبدیل کر دیتی ہے یہاں تک کہ ہزاروں اجزا کا یہ منتشر سواد بالکل ایک جسم واحد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سب کے وجود ایک ہی صف میں جڑے ہوئے، سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے، سب کے قدم ایک ہی سیدھ میں، سب کے چہرے ایک ہی جانب۔ قیام کی حالت ہے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ہیں، جھکا ؤ ہے تو تمام صفیں بہ یک وقت جھکی ہوئی ہیں۔ ظاہر کے ساتھ باطن بھی یکسر متحد و ممزوج۔ سب کے دل ایک ہی کی یاد میں محو، سب کی زبانیں ایک ہی کے ذکر میں مترنم۔ پھر دیکھو، سب کے آگے صرف ایک ہی وجود امام کا نظر آتا ہے۔ جس کے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ ہوتی ہے۔ جب چاہے سب کو جھکا دے جب چاہے سب کو اٹھا دے۔

اسلام کی زبان میں "جماعت" سے مقصود ایسا اجتماع ہے۔ انبوہ

Marfat.com

اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں ہے۔

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا، وہ تمام تر قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔ لیکن شواہد کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

(۲) دوسری چیز "السمع" ہے۔ یعنی امام جو احکام دے، اُس کو سُننا، اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا۔ "سمع" کے لفظ میں قبولیت احکام وطلب تعلیم، دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔

(۳) تیسری چیز "طاعت" ہے۔ یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرمانبرداری اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اُس کے سپرد کر دینا، اور اُس کے ہر حکم کو بلا چون وچرا تعمیل کرنا۔ البتہ اطاعت معروف میں ہے۔ نہ کہ معصیت میں کہ " انما الطاعۃ فی المعروف"

(۴) چوتھی بات "ہجرت" ہے۔ ہجرت ہجر سے ہے جس کے معنی ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ " الھجر والھجران مفارقۃ الانسان غیرہٗ اما بالبدن او باللسان او بالقلب والمھاجرۃ مصارمۃ الغیر ومتارکتہ (۵۵۸)

اسلام کی اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت وصداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کے لئے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کر دے۔ مثلاً دولت کو، آرام و راحت کو عزیز و اقربا کے قرب کو، وطن و مکان کو، تو اس

Marfat.com

کا نام ہجرت الی اللہ اور ذہاب الی اللہ ہے۔ خدا کے ہر رسول اور ان کے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طے کرنی پڑی: انی مہاجر الی ربی۔ اور انی ذاھب الی ربی۔ چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں اہل و عیال، مال و متاع، دوست و احباب، ہر طرح کے علاقوں کو ترک کر دینا پڑتا ہے، اور اس کی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے، اس لئے ترک وطن کی ہجرت اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہوئی، اور زیادہ تر مہاجرت کا اطلاق تارکین وطن ہی پر کیا گیا۔ ولکل امرء مانوی۔ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فہجرتہ الی اللہ و رسولہ ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ (بخاری عن عمرؓ) یعنی ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوئی۔ اور جس نے اس لئے گھر چھوڑا کہ دنیا کمائے یا نکاح کرے تو اُس کی ہجرت اسی کام کے لئے ہوئی جس کے لئے اُس نے گھر چھوڑا۔ پھر ہجرت کے بھی اقسام ہیں اور مراتب بعضھا فوق بعض کتاب و سنت اس کی تفصیل سے لبریز ہیں۔ یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔

پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے "جہاد" جہد سے ہے جس کے معنیٰ "استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاھراً و باطناً" ہیں (مفردات

راغب) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کو دور کرنے اور اپنے کو قائم و باقی رکھنے کے لئے انتہا درجہ کی کوشش کرنا یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے، مال سے بھی ہوتی ہے، جان سے بھی ہوتی ہے، جس قسم کی کوشش کی ضرورت ہو۔ ہر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے: "وجاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم" (رواہ ابو داؤد، واحمد، ونسائی وابن حبان عن انس)

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقا و قیام کی اصلی بنیاد ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جس کی قومی ہستی ان پانچ عنصروں سے مرکب نہ ہو۔ سعی و عمل کا کوئی گوشہ ہو، کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی۔ تم مٹھی بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالی کی تحقیق کے، مگر کوئی چیز بھی بغیر جماعت، اطاعت، ہجرت، اور جہاد کے حاصل نہ ہو سکے گی۔ دُنیا نے آج تک جو کچھ پایا ہے، غور کرو گے تو وہ سب ان ہی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج ہیں۔

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کی ایک سب سے بڑی علت حقیقت کی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت ہے۔ طلب صداقت کے اکثر جھگڑے حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں۔ یعنی سچائی ہر جگہ اور ہر گوشہ عمل میں حقیقت و مسمیٰ کے اعتبار سے ایک ہی ہے، لیکن بھیس مختلف ہو گئے ہیں اور نام متعدد۔ مصیبت یہ ہے کہ دُنیا معانی کی جگہ

Marfat.com

لفظوں کی پرستش کرتی ہے، اور گو سب طلبگار و پرستار ایک ہی حقیقت کے ہیں۔ لیکن محض ناموں کے اختلاف کی وجہ سے باہم گر لڑ رہے ہیں ایک کہتا ہے شہد۔ دوسرا کہتا ہے عسل۔ مگر کوئی نہیں جو دونوں کو سمجھا دے۔ کہ مقصود دونوں کا ایک ہی ہے۔ اختلاف مسمیٰ میں نہیں ہے صرف اسم میں ہے۔ ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا ہے لیکن اپنی اصطلاح و رسم میں کسی خاص لقب سے پکارتا ہے۔ وہی حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو فوراً انکار کر دیتا ہے اور اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے ہر طرح نفرت کرے۔ مذاہب کے اختلافات سے لے کر معاشرت و رسوم کے چھوٹے چھوٹے اختلافات تک ہر جگہ یہی علت کام کر رہی ہے اگر کبھی ایسا ہو سکے کہ ظواہر و اسماء کے تمام پردے اُٹھا دیے جائیں۔ اور حقیقت بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آ جائے، تو یکایک دُنیا کے تمام نزاعات ختم ہو جائیں، اور تمام لڑنے والے دیکھ لیں کہ سب کا مطلوب ایک ہی ہے اگرچہ بھیس مختلف ہیں، اور سب کا مقصود ایک ہی ہے۔ اگرچہ نام بہت سے ہیں:

عباراتنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر!

علوم و حقائق کے مشاہد و مناظر میں یہ مشہد سب سے اعلیٰ و ارفع

Marfat.com

مقام رکھتا ہے۔ اسی کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "علم الجمع بین المختلفات" سے تعبیر کرتے ہیں[1]۔ اور عامۂ اصحاب اشارات و سلوک نے "مشہد وحدت" کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سالک طریق کے لئے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے۔ مقصود اس سے وہ قوتِ نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جائے، اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دُور کر کے مقاصد و معانی کا اتحاد معلوم کر لے۔ بجدیکہ سارے نزاعات و اختلافات دُور ہو جائیں، اور سخت سے سخت متنازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اس اصل کو پیشِ نظر رکھ کر غور کرو گے تو واضح ہو جائے گا کہ جماعت، تعلیم، اطاعت، ہجرت، اور جہاد، دُنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ہیں، جن کی حقیقت سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے ان سے الگ رہ کر کامیابی حاصل کی ہو۔ ہر عقل نے ان کا اقرار کیا ہے، ہر دل میں ان کا اعتقاد موجود ہے، اور ہر عامل جماعت شب و روز ان پر عمل کر رہی ہے۔ البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری اُلجھن ڈال دی ہے۔ اسلام نے جن ناموں سے ان کو تعبیر کیا ہے۔ ان سے دنیا

---

[1] تفہیمات میں لکھتے ہیں: "لما تمت بی دورۃ الحکمۃ، البسنی اللہ خلعت المجددیۃ، فعلمت علم الجمع بین المختلفات۔"

Marfat.com

کو اختلاف ہے لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے ان سے دنیا اختلاف نہیں کر سکتی، اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہو جائے۔

اس نظام میں پہلی چیز "جماعت" ہے جس کی مختصر تشریح اوپر گذر چکی۔ غور کرو، دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جس کو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جا سکتا ہے۔ جماعت کی زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو۔ صاف اور سیدھے سادھے معنی جو ہو سکتے ہیں، صرف انہی پر غور کرو، سوسائٹی، پارٹی کمیٹی، کلب، انجمن، کانفرنس، پارلیمنٹ، بلکہ قوم، ملک، فوج ان سب سے مقصود کیا ہے؟ یہی کہ "جماعت" اور "التزام جماعت" وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مل جل کر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ پھر جماعت بے سود ہے اگر اس کا نظام نہ ہو اور کوئی سردار و رہنما نہ ہو۔ تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو تو سب سے پہلے ایک پریذیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لیں گے، یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کر سکے گی۔ فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے اس کی اطاعت ماتحتوں کے لئے فرض سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ بغیر اس کے فوج کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ پانچ دس آدمی بھی اگر بغیر امیر کے کام نہیں کر سکتے تو قومیں کیوں کر اپنے فرائض

Marfat.com

بلا امیر کے انجام دے سکتی ہیں؟ اس سے بھی سادہ تر مثال یہ ہے کہ اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو! خود تمہارا گھر بھی تو ایک چھوٹی سی آبادی ہے۔ اگر بیوی تمہارا حکم نہ مانے تو تم کیوں بگڑتے ہو؟ اگر گھر کے لوگ تمہارے کہنے پر نہ چلیں، تو تم کیوں لڑتے ہو؟ تم کہتے ہو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں۔ روز خانہ جنگی ہوتی ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ "الجماعۃ، والسمع، والطاعۃ" کوئی جماعت امن و نظم نہیں پا سکتی جب تک اس کا کوئی امیر نہ ہو، اور جب تک امیر کی اطاعت نہ کی جائے۔ گھر اور خاندان بھی ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ تم گھر کے بڑے ہو۔ یعنی امیر ہو۔ پس گھر کی عافیت و کامیابی اس پر موقوف ہے کہ سب تمہاری سنیں۔ اور تمہارے کہے پر چلیں۔

"ہجرت" کا لفظ کس قدر تمہارے لئے ناآشنا اور نامانوس ہے؟ تم سمجھتے ہو کہ یہ دنیا کے اُس عہد جہل و وحشت کی یادگار ہے جب مذہبی جذبات کی برانگیختگی نے تمدنی احساسات کو مغلوب کر دیا تھا، اور انسان دین پرستی کے جنون میں اپنی عقلی و تمدنی زندگی تک قربان کر دیتا تھا۔ لیکن بتلاؤ، اب دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ علمی و تمدنی ترقیاں بھی تم کو جس راہ کی طرف بلا رہی ہیں، وہ "ہجرت" کی حقیقت سے کب خالی ہیں! اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بھی کس عملی حقیقت کا نتیجہ ہے؟ "ہجرت" سے مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ مقاصد کی راہ میں کمتر فوائد کو قربان کر دینا اور حصولِ مقاصد کی راہ میں جو چیزیں حائل

Marfat.com

ہوں اُن سب کو ترک کر دینا خواہ آرام و راحت ہو، مال و دولت ہو، نفسانی خواہشیں ہوں۔ حتیٰ کہ قوم ہو، ملک ہو، وطن ہو، اہل و عیال ہوں سب کو چھوڑ دینا۔ پھر بتلاؤ علم و عمل کا کون گوشہ ہے جس میں کامیابی بغیر اس جذبہ کے مل سکتی ہے؟ انسان کی مطلوبات میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی بتلا سکتے ہو جو بلا ہجرت کے مقام سے گزرے اُس نے پا لی ہو؟ یہ دُنیا کی علمی و تمدنی ترقیاں، حیرت انگیز اکتشافات، انقلاب انگیز ایجادات، دولت کی فراوانی، تجارت کی عالمگیری، نئی نئی آبادیوں کا قیام، طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور، پھر ملکوں کا عروج، قوموں کی بالادستی، تمدن کی وسعت فی الحقیقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات ہیں؟ اگر کج نظری چھوڑ دو۔ تو معلوم کر لو گے کہ صرف عمل ہجرت کے۔ اگر انسان اور انسانوں کی جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں ہزاروں قربانیاں نہ کی ہوتیں ہر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کر جاتے اپنی ساری خواہشوں اور ولولوں کو ترک نہ کر دیتے، گھر کے عیش اہل و عیال کی محبت، خویش و بیگانہ کی اُلفت، اور ملک و وطن کی دامنگیریوں سے بالکل آزاد ہو کر راہ ہجرت میں قدم نہ اُٹھاتے، تو آج دنیا میں علم کی جگہ جہل ہوتا، تمدّن کی جگہ وحشت ہوتی، آبادیوں کی جگہ جنگل ہوتے، اور ان تمام ترقیوں میں سے ایک ترقی بھی کرۂ ارضی کی پیٹھ پر نظر نہ آتی۔ دنیا میں جس قدر علوم و فنون موجود ہیں، اُن سب کی تکمیل

Marfat.com

کیوں کر ہوتی۔ اگر ولولۂ ہجرت سے انسان کا قلب خالی ہوتا؟ کتنے ہی انسانوں نے اپنے گھروں اور وطنوں سے ہجرتیں کی ہیں، دُنیا کے ایک ایک گوشہ ایک ایک چپہ کو چھان مارا ہے۔ جب کہیں جا کر فن طب کی تکمیل ہوئی ہے اور ادویہ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل ہوا ہے۔ اگر مہاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے۔ اور گھر کے آرام و راحت کی جگہ سفر و غربت کی صعوبتیں گوارا نہ کر لیتے، تو اشیاء کی تخلیق کیونکر ہوتی؟ پیداوار کی معلومات کیونکر تکمیل پاتی؟ جغرافیہ کیونکر وجود میں آتا؟ علم الحیات کے تجارب کی جزئیات کیونکر جمع ہو سکتیں؟ نئی نئی ایجادات اور اکتشافات کی کس طرح راہ کھلتی؟ کولمبس اگر ہجرت نہ کرتا، تو آج دنیا کا نصف تمدن ناپید تھا۔ یورپ اگر ہجرت نہ کرتا تو آج نیویارک اور واشنگٹن کی سربفلک عمارتوں کا وجود نہ ہوتا۔ اگر یورپ کی قومیں اپنے ملکوں سے مہاجرت نہ کرتیں، تو آج تمام دنیا کی دولت اُن کے گھروں میں کھنچ کر نہ جاتی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر صرف قطب شمالی کی تحقیق کے لئے مہاجرین کے ڈیڑھ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں اور یکسر قربان و ہلاک ہو جائیں۔ تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستی کی انتہا ہے، لیکن اگر اسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع لفظ "ہجرت" سے تعبیر کرے، تو تم اس کا انکار کر دو۔ تمہارے نزدیک یہ تو تمدّن ہے کہ دریائے نیل کا مخرج دریافت کرنے کے لئے سیکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ہلاک ہو جائیں لیکن

Marfat.com

یہ وحشت ہے کہ قیامِ حق اور اشاعتِ صداقت کی راہ میں اللہ کے بندے
ترکِ وطن کریں؟ اگر نیوٹن اپنی راتوں کی نیند اور بستر کی راحت چھوڑ دے
تاکہ "کششِ ثقل" کا قانون دریافت کرلے تو تم اُس کی پرستش کرو اور کہو کہ
یہ علم پرستی ہے لیکن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ہی پرستار ہو تو اُس عازمِ صادق
کے لئے کیا کہتے ہو جو قانونِ کششِ ثقل کے لیے نہیں بلکہ قانونِ نجاتِ عالم
کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستی ہے؟

آج تمام یورپ قومی ترقی اور ملکی استحکام کی سب سے بڑی بنیاد "کالونیل
سسٹم" کو یقین کرتا ہے یعنی نوآبادیوں کے اصول کو، اور اس کا [illegible]
پرستار ہے کہ صرف [illegible] کی خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں
جھونک رکھا ہے لیکن نوآبادیوں کے اصول کے کیا معنی ہیں؟ یہی کہ ترک
وطن کرکے اپنی نئی نئی آبادیاں قائم کرنا اور قومی دولت و طاقت کو بڑھانے
کے لئے دنیا میں دور دور تک پھیل جانا۔ اب غور کرو کہ یہ وہی [illegible]
ترکِ وطن کی بات ہوئی یا نہیں؟ اور [illegible]
[illegible] دنیا میں کر رہی ہے یا نہیں؟ نام مختلف [illegible] ایک ہی [illegible]
"جہاد" کے معنی یہ ہیں کہ [illegible] اپنی جان و مال سے [illegible]
[illegible] محنت کرنا۔ کیا دنیا میں کوئی قوم، کوئی [illegible] کوئی جماعت، کوئی
کوئی خاندان، کوئی گھر، کوئی انسان بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر جہد کے

Marfat.com

زندہ وقائم رہ سکتی ہے ؟ کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا ؟ جس چیز کو تم ہزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزار ہستی میں بقاء وقیام کی اصلی بنیاد سمجھتے ہو، اُسی کو اسلام نے ایک جامع لفظ "جہاد" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر تم سے ڈاروِن اور رسل ملیس تنازع البقاء (STRUGGLE FOR EXISTENCE) اور انتخاب طبیعی (NATURAL SELECTION) اور بقاء اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کارزارِ حیات میں بقا صرف اصلح وامثل کے لئے ہے، تو تم پوری طرح کان دھرتے ہو، اور فطرت کے قتل وغارت کا افسانہ خونیں تم کو پریشان خاطر نہیں کرتا۔ لیکن اُسی حقیقت کو قرآن واسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ جو قانونِ الٰہی زمین کے کیڑوں مکوڑوں تک پر نافذ ہے۔ اُس سے جمعیت بشری کیونکر بری ہو سکتی ہے ؟ پس دنیا میں اُسی قوم کو باقی رہنا چاہیئے۔ جو حق وہدایت کے اعتبار سے اصلح ہو۔ غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاہیئے اور قانونِ الٰہی کا ہاتھ بن کر مٹا دینا چاہیئے۔ ہدایت یافتہ اقوام کا یہ حق ہے کہ غیر ہدایت یافتہ قوموں پر غالب آئیں :۔ لیظھرہ علی الدین کلہ۔ پھر اس بات پر تم کیوں مضطرب ہوتے ہو ؟ کیوں اس قدرتی قانونِ ہستی کے ذکر میں تم کو قتل وغارتگری کی دہشت ناکی نظر آتی ہے ؟ یورپ

Marfat.com

کی قومیں تمام دُنیا کو اپنی نوآبادیوں سے بھر دیں، اور کہیں کہ افریقہ کے وحشیوں کی جگہ ہم متمدن اقوام زیادہ خدا کی زمین کی حقدار ہیں۔ اس کو تو تم گوارا کر لو لیکن اگر اسلام کہے کہ "ان الارض للہ ولرسولہ" خدا کی زمین حق پرستوں کے لئے ہے۔ کفر و ضلالت کے پرستاروں کے لئے نہیں ہے، تو تم اس کو وحشت اور خونناکی کہو؟

جماعت والتزام جماعت

یہاں ایک اور اہم اور قابلِ غور امر یہ بھی ہے کہ اس حدیث (حدیث حارث اشعری) اور نیز دیگر احادیث میں ہمیشہ جماعت اور اطاعتِ خلیفہ کی زندگی کو اسلامی زندگی قرار دیا ہے اور اس کے عکس کو جاہلیت۔ جاہلیت کی زندگی میں ہلاکت کا اصلی تخم کیا تھا؟ قرآن نے واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور باہم دگر علیحدگی، اور کسی ایک مرکزی قوت کے ماتحت نہ ہونا۔ اسلام نے ظاہر ہو کر زندگی کی جو تخم ریزی کی، وہ کیا تھی؟ باہمی اتحاد و ائتلاف تمام منتشر افراد کو ایک متحدہ جماعت بنا کر نفس واحدہ کر دیا اور سب کے سر ایک ہی چوکھٹ پر جھکا دیئے۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا الخ۔

Marfat.com

پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا، اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعتِ امام سے الگ ہو گیا۔ گویا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس کی موت اسلام پر نہیں بلکہ جاہلیت پر ہو گی اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو، اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔ مزید احادیث میں سے بعض روایات صحاح یہ ہیں:۔

"من اطاعنی فقد اطاع اللہ، ومن اطاع امیری فقد اطاعنی، و من عصٰی امیری فقد عصانی" (صحیحین عن ابی ھریرہ) جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی (یعنی میرے نائب کی) اطاعت کی، اس نے خود میری اطاعت کی، اور جس نے امیر سے روگردانی کی، اس نے میری اطاعت سے انکار کیا یعنی امیر المؤمنین کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں "امیری" کی جگہ صرف "الامیر" ہے یعنی جو شخص مسلمانوں کا امام ہو، اس کی اطاعت۔

"اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ" (صحیحین عن انس) اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے، تو چاہیئے کہ اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بار بار اور کثرت سے خطبوں میں آپ فرماتے تھے۔

Marfat.com

اسی لئے مختلف لفظوں میں اور مختلف مواقع کی نسبت مروی ہے۔ حجۃ الوداع کے عظیم الشان اور یادگار عالم موقعہ پر (جبکہ دو تین ماہ کے بعد آپ دُنیا سے تشریف لے جانے والے تھے اور ایک آخری اور وداعی پیام دُنیا کو سُنا رہے تھے) فرمایا۔ "ولو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللّٰہ اسمعوا واطیعوا" (مسلم) اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھ تم پر حکومت کرے، تو اُس کی سُنو اور اطاعت کرو!

"من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ، فمات، مات میتۃ جاھلیۃ"

وعن ابن عباس "من رأیٰ من امیرہ شیئاً یکرھہ۔ فلیصبر، فانہ من فارق الجماعت شبرا، فمات، فمیتۃ میتۃ جاھلیۃ وفی لفظ" فانہ لیس احد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات علیہ الا مات میتۃ جاھلیۃ" (متفق علیہ) یعنی جس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا، خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوگیا۔ اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا، تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی (اسلام سے پہلے اہل عرب پر جو زمانہ گزرا ہے۔ اُس کو عہد جاہلیت کہتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ عرب جاہلیت کی طرح گمراہی پر موت ہوئی) دوسری روایت میں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے امیر کو ایسی بات کرتے دیکھے جو اُسے پسند نہ آئے تو چاہئے کہ صبر کرے۔ اس کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔ کیونکہ جو کوئی سلطان اسلام کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا اور

Marfat.com

اسی حالت میں مرگیا، تو اس کی موت جاہلیت کی حالت پر ہوئی۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے:۔

"من خلع یدا من طاعة، لقی اللہ یوم القیامة ولا حجة لہٗ ومن مات ولیس فی عنقه بیعة، مات میتة جاهلیة" جس نے خلیفہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا، یعنی اطاعت نہ کی، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوگا اور اس کے لئے کوئی بچاؤ نہ ہوگا اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا کہ خلیفہ کی بیعت و اطاعت کے حلقہ سے اس کی گردن خالی ہوئی تو یقین کرو کہ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی۔

"من فارق الجماعة شبرا فكانما خلع ربقة الاسلام من عنقه" (ترمذی)
جو جماعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا اُس کا حکم یہ ہے کہ گویا اُس نے اسلام کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ ایک روایت میں ہے "دخل النار" (اخرجه الحاکم علی شرط الصحیحین) یعنی جو خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

"کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء۔ کلما هلك نبی، خلفه نبی، وانه لا

Marfat.com

نبی بعدی - وسیکون خلفاء فیکثرون - قالوا - فما تأمرنا ؟ قال - فوابیعۃ الاول فالاول، ثم اعطوھم حقھم، فان اللہ یسائلھم عما استرعاھم" (متفق علیہ)

بنی اسرائیل کی رہنمائی و ریاست انبیاء کرتے تھے - ایک نبی گیا تو دوسرا اُس کی جگہ مامور ہوا - لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے - البتہ خلفا ہوں گے - لوگوں نے عرض کیا - ہم کو ان کی نسبت کیا حکم ہوتا ہے؟ فرمایا - جس سے پہلے بیعت کی - یعنی جس کی حکومت پہلے مان لی گئی، اُس کی اطاعت مقدم ہے - پھر کسی دوسرے کو خلیفہ نہ مانو - اور فرمایا - ان کا تم پر جو کچھ حق ہے، وہ اُن کے حوالے کرو - یعنی ان کی اطاعت کرو - زکوٰۃ و خراج وغیرہ اُنہی کو دو -

ان کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں - اجماع کے شواہد اور کتب عقائد و فقہ کے اقوال نقل نہیں کئے گئے کہ مشہور و معروف ہیں اور احادیث کے بعد اُن کی ضرورت بھی نہیں -

شرائط امامت و خلافت

تمام نصوص و دلائل کتاب و سنت اور اجماع اُمت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شرائط امامت و خلافت کے بارے میں دو صورتیں اختیار کی ہیں - اور قدرتی طور پر یہی دو صورتیں اس مسئلہ کی ہو سکتی تھیں -

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یہ مقرر کیا تھا کہ امام کے انتخاب

Marfat.com

کا حق اُمت کو ہے اور طریقِ انتخاب جمہوری تھا نہ کہ شخصی و نسلی۔ یعنی قوم اور قوم کی اصحاب الرائے جماعت (اہلِ حل و عقد) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفہ منتخب کرنا چاہیئے بحکم وامرھم شوریٰ بینھم و بنیاد تمام امور کی شرعاً شوریٰ یعنی باہمی مشورہ ہے۔ نہ کہ نسل و خاندان، خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا۔ خلیفہ اوّل کا انتخاب عام جماعت میں ہوا۔ خلیفہ دوم کو خلیفۂ اول نے نامزد کیا اور اہلِ حل و عقد نے منظور کر لیا۔ خلیفۂ سوم کا انتخاب جماعتِ شوریٰ نے کیا۔ خلیفہ چہارم کے ہاتھ پر خود تمام جماعت نے بیعت کی۔ نسل، خاندان، ولی عہدی، کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اگر دخل ہوتا تو ظاہر ہے۔ کہ خلافت خلیفہ اوّل کے خاندان میں آجاتی، یا دوم و سوم کے خاندان میں، مگر ایسا نہیں ہوا۔ خلیفۂ دوم نے تو قوم کو بھی اس کا موقعہ نہ دیا کہ اُن کے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے۔ وصیت کردی کہ وہ کسی طرح منتخب ہی نہیں ہو سکتا۔

پس پہلی صورت یہ ہے کہ اگر یہ صحیح نظام شرعی قائم ہو جو خالص جمہوری ہے، اور قوم کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا موقع ملے، تو کیسا شخص منتخب کرنا چاہیئے؟ اور اُس میں کیا کیا اوصاف ہونا چاہئیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ نظام باقی نہ رہا ہو۔ قوم کی رائے اور انتخاب کو اُس میں دخل نہ ہو۔ محض طاقت اور تسلط کی بنا پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور فرد تختِ خلافت پر قابض ہو جائے، تو اُس صورت میں از روئے شرع مسلمانوں

Marfat.com

کو کیا کرنا چاہیئے؟ اگر وہ اہل نہیں ہے، ظالم ہے، جابر ہے؟ شرائط خلافت اُس میں نہیں پائے جاتے؟ تو اس کی اطاعت کرنی چاہیئے یا اُس پر خروج کرنا چاہیئے؟ وہ شرعاً خلیفۃ المسلمین ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اُس کے ماتحت وہ تمام کام انجام پا سکتے ہیں یا نہیں جو ازروئے شرع خلیفہ اسلام کی موجودگی پر موقوف ہیں؟ اُس کو زکوٰۃ دینی چاہیئے؟ اُس کے پیچھے جمعہ پڑھنا چاہیئے؟ اُس کے تمام احکام کی اطاعت کرنی چاہیئے؟

یہ مسئلہ امت کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ تھا۔ اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اس کی پوری پوری تشریح و توضیح نہ کر دیتی۔ اس بارے میں نصوص سنت بےشمار اور بالکل واضح ہیں۔ اسی لئے جب خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھ قائم ہوئی، تو صحابۂ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلے میں ذرا بھی تامل و تذبذب نہ ہوا۔ بالکل اُس شخص کی طرح جو پہلے سے ایک خاص وقت کا سمجھا بوجھا منتظر ہو۔ فوراً یکسوئی کے ساتھ فیصلہ کر لیا۔ جو کچھ انہوں نے بتلایا اور کیا، اُسی پر اجماع اُمت کی مہر لگ گئی، اور تیرہ سو برس سے جمہور اہل اسلام کا وہی متفقہ اعتقاد و عمل قرار پا گیا۔ بلاشبہ پہلی صورت میں بعض اسلامی فرقوں کو اختلاف ہوا، مگر دوسری صورت میں قولاً و فعلاً سب متفق ہو گئے۔

پہلی صورت میں شریعت نے اہلیت و صلاحیت کی وہ تمام شرائط اپنے انتہائی اور کامل مرتبہ میں قرار دی ہیں جو ایک ایسے مرکزی اور اہم ترین منصب

Marfat.com

کے لئے قدرتی طور پر ہونا چاہئیں۔ کیا باعتبار قوت علمی کے، کیا باعتبار قوت عملی کے۔ اور چونکہ یہ منصب متعدد حیثیتوں سے مرکب ہے، اس لئے ہر حیثیت کے لحاظ سے ضروری اوصاف بتلائے گئے مثلاً اسلام، علم و نظر، عمل و تقویٰ، شجاعت و صولت، عدالت و ایثار، قدرت و نفوذ، طاقت و شوکت، چنانچہ تمام کتب عقائد میں صدیوں سے مسلمان پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں:- ولیشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة بان یکون مسلماً حراً، ذکراً، عاقلاً بالغاً سائساً بقوة رائه وروِیته ومعونة باسه وشوکته قادراً بعلمه وعدالته وکفایته وشجاعته علی تنفیذ الاحکام، وحفظ حدود الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم" الخ - کذا فی شرح المواقف، والمغنی والتمهید، وشرح فقه الاکبر للقاری، وشرح المقاصد - ومن کتب المحدثین شرح عقیدة ابن عقیل، وفتح الباری وشرح منظومة الآداب وخلاصه ابن مفلح ونیل الاوطار، وبلوغ المرام للشوکانی، والاقناع وشرحه وغیرهم۔

یعنی ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کرنا چاہیئے جس میں حسب ذیل اوصاف پائے جائیں۔ مسلمان ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عاقل و بالغ ہو۔ صاحب رائے و نظر ہو، تدبیر و انتظام کی پوری قوت رکھتا ہو، احکام شریعت کا محافظ ہو۔ ان کے جاری و نافذ کرنے اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دشمنوں کی روک تھام کے لئے جس قدر علمی و عملی قوتوں کی ضرورت ہے وہ سب اس میں موجود ہوں۔ اتباع شریعت، عدل و انصاف

Marfat.com

شجاعت وہمت شوکت وصولت، ساری صفتیں ہونی چاہئیں۔

جس وقت تک خاندانِ عباسیہ کی خلافت باقی رہی، یعنی خلافت خاندانِ قریش وعرب میں رہی (سنہ ۶۴۰ھ مطابق سنہ ۱۲۴۳ء تک اور اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک بوجہ بقاء خلافت عباسیۂ مصر) علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال رہا کہ بموجب حدیث "ان ھذا الامر فی قریش" خلیفہ کو قرشی بھی ہونا چاہیئے۔ یعنی اگر مسلمان خلیفہ مقرر کریں، تو جہاں اور بہت سی باتیں اس میں ہونی چاہئیں، وہاں یہ بات بھی ہو کہ خاندانِ قریش میں سے ہو۔

اسی طرح جماعت امامیہ اس طرف گئی کہ خلافت ائمہ اہل بیت نبوت کے لئے منصوص ہے۔ اُن کے اعتقاد میں آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور اُن کے بعد اُن کی نسل کے ائمہ عترۃ رضی اللہ عنہم کو زیدیہ اس طرف گئے کہ بنی فاطمہ یعنی تمام سادات مستحق خلافت ہیں ائمہ عترۃ کی خصوصیت ضروری نہیں۔ اور شرطوں کے ساتھ صرف اس قدر کافی ہے کہ امام سید یعنی بنی فاطمہ میں سے ہو۔

لیکن دوسری صورت میں (یعنی اگر نظام شرعی کی جگہ ملکی قبضہ و تسلط کی صورت پیدا ہو جائے اور جمہور کو انتخاب و نصب کا موقع نہ ملے، تو اُس صورت میں ازروئے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟) سو اس کی نسبت چونکہ خود احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ وعترۃ بالکل صاف صاف موجود تھا، اس لئے تمام

Marfat.com

اُمّت بلا اختلاف اس پر متفق ہو گئی کہ جب ایک مسلمان منصب خلافت پر قابض ہو جائے اور اُس کی حکومت جم جائے، تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اُسی کو خلیفۂ اسلام تسلیم کرے، اسی کے سامنے گردنِ اطاعت جھکائے۔ بالکل اُسی طرح جیسے ایک اہل و مستحق خلیفہ کے آگے جھکنا چاہئے۔ اطاعت و اعانت کی وہ تمام باتیں جو منصبِ خلافت کے شرعی حقوق میں سے ہیں، ایسے خلیفہ کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ اُس سے روگردانی کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ اُس کے مقابلے میں خروج اور دعوے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ اگرچہ کیسا ہی افضل اور جامع الشروط کیوں نہ ہو۔ جو کوئی ایسا کرے، مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُس کے مقابلے اور قتل میں خلیفہ کا ساتھ دیں۔ وہ شرعاً باغی ہے اُس کو قتل کر دینا چاہئے

شریعت نے دوسری صورت میں یہ حکم کیوں دیا؟ اس کی علت و مصلحت اس قدر واضح ہے کہ شرح و تفصیل کی حاجت نہیں۔ شریعت اور اُمّت کا قائم و باقی رہنا حکومت کے وجود و قیام پر موقوف تھا۔ ساری باتیں شاخ ہیں۔ جڑ یہی مقام و منصب ہے۔ پس اس کے لئے ایک نظام شرعی مقرر کر دیا گیا جو بہتر سے بہتر نظام ہو سکتا ہے۔ یعنی اسلامی حکومت کی بنیاد جمہور اور شوریٰ کے انتخاب پر رکھی۔ شخص، نسل، تسلط، اقتدار، اور بادشاہی و ملوکی کو اس میں دخل نہیں۔ ساتھ ہی اس منصب کی اہلیت کے لئے تمام ضروری شرطیں اور صفتیں بھی بتلادیں کہ اپنا خلیفہ بناؤ تو ایسے شخص کو بناؤ۔ ایسے کو نہ بناؤ جو

Marfat.com

اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ پھر پورے زور کے ساتھ اس کا بھی اعلان کر دیا کہ لوگوں کو خود خلیفہ بننے اور امارت و سرداری حاصل کرنے کا خواہشمند نہ ہونا چاہیئے۔ نہ دعویدار بن کر دوسروں سے لڑنا چاہیئے۔ آنحضرت ہمیشہ اس عہد پر لوگوں سے بیعت لیتے "لاینازع الامر اھلہ" سرداری کا جو اہل ہوگا، اُسی پر سرداری چھوڑ دیں گے۔ دنیا اگر اس چھوٹے سے جملہ پر عمل کرے تو روئے زمین کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے۔ "ما یکرہ من الحرص علی الامارہ"[لے] اور ابوموسیٰ کی روایت لائے ہیں۔

لے حق یہ ہے کہ بقول علامہ ابن خلدون صحیح بخاری کی شرح و تفسیر کا قرض اب تک اُمت کے ذمہ باقی ہے۔ بے شمار شرحوں اور حاشیوں کے بعد بھی یہ قول ویسا ہی صحیح ہے، جیسا کہ ابنِ خلدون کے عہد میں تھا۔ اس کتاب کے علوم و دقائق کا کوئی احاطہ نہ کر سکا۔ ہر کتاب ہر باب ابواب کی ہر ترتیب، اور ہر ہر عنوان و ترجمہ، اس فقیہ الارض و عجوبۃ الدہر کی فقاہت ربانی کی ایک آیتِ باہرہ و حجۃ قاہرہ ہے۔ اسی مسئلہ خلافت کو سامنے لاؤ، اور دیکھو کس وقتِ نظر کے ساتھ محض ترتیب ابواب ہی میں اسلام کا نظام شرعی واضح کر دیا ہے اور ساری مشکلات حل کر دی ہیں؟ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ اسلام کا نظام مرکزیت اس بارے میں کیا ہے؟ تو پہلا باب "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" کا باندھا۔ اور "من اطاع امیری فقد اطاعنی" الخ کی روایت درج کر کے بتلا دیا کہ مرکز کتاب اللہ ہے، رسول ہے، اور پھر خلیفہ و امام ہے۔ "اولوا الامر" خلیفہ

Marfat.com

جس میں آپ نے فرمایا: انا لا نولی ھذا من سالہ۔ ولا من حرص علیہ" جو شخص خود اس چیز کا طالب ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو، اُس کو میں یہ کام سپرد نہ کروں گا۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ جب لوگ خود طلب و حرص نہ کریں گے تو کشمکش اور مقابلہ بھی نہ ہوگا، اور اُمّت کے لئے نہایت آسان ہو جائے گا کہ اہل و اصلح کو منتخب کر لے۔

(بقیہ نوٹ ص۵۶) کے سوا کوئی نہیں۔ اُس کی اطاعت (بشرطیکہ کوئی خلاف شرع حکم نہ ہو) مثل خدا اور رسول کی اطاعت کے فرض ہے۔ پھر باب باندھا "الامراء من قریش" اور اس میں ابن جبیر والی روایت لائے "ما اقاموا الدین" جب تک قریش میں دین قائم رکھنے کی اہلیت رہے گی، خلافت بھی انہی میں رہے گی۔ یعنی واضح کر دیا کہ ایک خاص مدّت تک قرشی خلافت کی پہلے سے خبر دے دی گئی ہے مگر خلیفہ کا قرشی ہونا کوئی شرط اصلی و تشریعی نہیں۔ صرف پیشین گوئی ہے اور "ما اقاموا الدین" کے ساتھ مشروط۔ اس کے بعد ایک نہایت ہی اہم اور دقیق نکتہ کی طرف متوجہ ہوئے اور باب باندھا "اجر من قضیٰ بالحکمۃ" افسوس اس باب کے ربط و ترتیب کی اصلی علّت لوگ نہ سمجھے۔ منصب خلافت کے اثبات کے بعد یہ چیز سامنے آتی تھی کہ اعمالِ خلافت کی بنیاد کیا ہے۔ اور اس کا طریق کس منہاج سے ماخوذ ہے؟ امام صاحب واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بنیاد اس کی طریق "حکمت" پر ہے۔ یعنی انبیاء کرام کے طریق تربیت اُمم پر جو "سنت" کا اصلی اور وسیع مفہوم ہے اور جس کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں "حکمت" سے تعبیر کرتا ہے۔ ترجمۂ باب میں اس پر قرآن سے دلیل بھی

Marfat.com

مسئلہ خلافت کا اصلی نظام شرعی یہ تھا۔ اگر یہ قائم ہو تو دنیا امن و سکون کی بہشت بن جائے لیکن چونکہ معلوم تھا کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ یہ نظام تیس برس

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۶) لائے۔ "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون" حکم و قضا "ما انزل اللہ" کے مطابق ہونا چاہئے اگر خلاف ہو تو فسق ہے۔ "ما انزل اللہ" کتاب و سنت ہے۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ" پس ثابت ہوا کہ اعمال خلافت کی بنیاد حکمت و منہاج نبوت پر مبنی چاہئے۔ اس بارے میں جو زیادہ واضح و متصل احادیث تھیں، وہ چونکہ اُن کی شروط کے مطابق نہیں لی جاسکتی تھیں اور بنیاد استدلال کی صرف مرفوع ہی پر رکھتے ہیں۔ اس لئے آثار و موقوفات بھی نہیں لے سکتے تھے پس مشہور حدیث "لاحسد الا فی اثنتین" الخ درج کر کے قضا بالحکمت کی اہمیت و مطلوبیت واضح کر دی۔ جب یہ مقدمات طے ہو چکے تو اب دکھلانا تھا کہ اس مرکزی اطاعت کس طرح اُمت پر فرض کر دی گئی ہے؟ پس باب باندھا "السمع والطاعۃ للامام ما لم تکن معصیۃ" امت کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے ہے۔ بجز اس حکم کے کہ معصیت ہو۔ اس میں وہ تمام حدیثیں لائے ہیں جن میں صریح حکم موجود ہے کہ خلیفہ اہل ہو یا نااہل، جامع الشروط ہو یا فاقد الشروط، عادل ہو یا جابر، نکی بات کا حکم دے یا محبوبات کا، جب تک وہ مسلمان ہے، نظم قائم رکھتا ہے اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ کسی مسلمان کے لئے اس کی اطاعت سے باہر ہونا جائز نہیں۔ اس کے بعد بالترتیب تین باب آتے ہیں: "من لم یسأل الامارۃ اعانہ اللہ" دوسرا "من سأل الامارۃ وکل الیھا" تیسرا "ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ" اصل

Marfat.com

سے زیادہ قائم رہنے والا نہیں، اس لئے شرع و ملت کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ نظام اصلی پر زور دینے کے ساتھ اُن وقتوں کے لئے بھی صاف صاف احکام دے دیئے جائیں، جب انتخاب و نصب خلافت کے بارے میں شریعت کا ٹھہرایا ہوا طریقہ باقی نہ رہے۔ اور جمہوری حکومت کی جگہ شخصی و استبدادی طریقہ قائم ہو جائے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۷) ان تینوں عنوانوں کا یہ ہے کہ جہاں شارع نے اُمت کو خلیفہ و امام کی ضروری صفتیں اور شرطیں بتلادی ہیں، وہاں اس سے بھی روک دیا ہے کہ کوئی شخص خود امامت و سرداری کا خواہاں ہو اور اس کے لئے مقابلہ کرے، حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے کہا "جو اہل اور حق ہو اُسی کا ساتھ دو۔ خود اپنے لئے خواہاں نہ ہو۔ اگرچہ اس کے لئے قسم بھی توڑنی اور کفارہ بھی دینا پڑے"۔ پس ان تمام ابواب کی یکے بعد دیگرے ترتیب سے واضح ہو گیا کہ اس بارے میں نظام شرعی کی اصلی ترتیب یہ ہے و

(الف) اُمت کے لئے حسب نص "و اولی الامر منکم" مرکز اجتماع و جماعت خلیفہ کا وجود ہے اس کی اطاعت فرض ہے۔

(ب) خبر دے دی گئی تھی کہ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہے گی، خلافت پر قابض رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(ج) بنیاد معاملہ خلافت کی "حکمت" پر ہے۔ وہ حکمت کہ "و یعلمهم الکتاب والحکمة" یہ نیابت نبوت ہے۔ اور اعمال و سنت نبوت ہی کا نام قرآن کی اصطلاح میں "حکمت"

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اس صورت میں دو ہی راہیں سامنے آتی تھیں۔ اگر ایسے لوگوں کی خلافت تسلیم کر لی جائے تو اس سے امّت کی جمعیت، جان و مال کا امن، ممالک اسلامیہ کی حفاظت، احکام شرع کا اجراء، جماعت کا قیام و بقا، اور اسی طرح کے بے شمار مصالح و فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بلا کسی نزاع

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۸) ہے۔ پس مقصود ہے کہ خلیفہ کے تمام کاموں کی بنیاد سنت پر ہو، بدعت و احداث پر نہ ہو۔ یہی معنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہیں۔

(د) جب خلافت منعقد ہو گئی تو تمام اُمّت پر اس کی اطاعت فرض ہے۔ فیما احب وکرہ، ما لم یومر بمعصیۃ۔

(ہ) امت کو چاہئے کہ احق و اہل کو منتخب کرے۔ بلکہ مستحق کو نہ چاہئے کہ خود خلافت کی خواہش کرے۔ جس نے ایسا کیا، اللہ کے حضور شرمندگی پائیگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواہش نہ کریں گے اور حق انتخاب جمہور کو ہے، تو کسی طرح بھی کشمکش نہ ہوگی۔ نہ بہت سے دعویداروں میں باہم جھگڑا ہوگا۔ امن و سکون کے ساتھ یہ معاملہ انجام پا جائے گا۔

یہ تھا صحیح نظام شرعی، جس کے علم و فہم کے لئے صرف صحیح بخاری ہی کافی ہے اور اسلام کی کونسی حقیقت ہے جس کے لئے صحیح بخاری کافی نہیں؟ لیکن افسوس کہ نظام شرعی قائم نہ رہا، مجلسِ شوریٰ کی جگہ میدانِ جنگ میں خلافت کا فیصلہ ہوا اور محض تسلط و جبر سے دعویدار قابض ہونے لگے۔ چنانچہ پہلے ہی سے اس کی خبر دے دی گئی تھی۔

Marfat.com

کے اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور مزید جنگ و جدال اور کشت و خون کا سدِّ باب ہو جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی غیر مستحق کی خلافت اور غیر نظام شرعی کے قائم ہو جانے سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

لیکن اگر خلافت تسلیم نہ کی جائے، اُن پر خروج کرنے کی اجازت دے دی جائے اور اطاعتِ اُمت کا مستحق صرف اہل اور جامع الشروط خلیفہ ہی کو قرار دیا جائے، تو پھر وہائی کشت و خون، جنگ و قتال، دعووں میں تصادم قوتوں میں تزاحم، ہمیشگی کی بدامنی، کبھی نہ ختم ہونے والی طوائف الملوکی اور انارکی، امت کی تباہی، ملکوں کی خرابی، نظامِ جماعت کا اختلال، احکامِ شرع کی تعطیل، مسلمانوں کے جان و مال کی بدامنی، اندرونی خانہ جنگی کی وجہ سے دشمنوں کا حملہ و تسلّط اور اسی طرح کی بے شمار ہلاکتوں اور بربادیوں کا ہمیشہ کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کی اُمید بھی لی جا سکتی ہے کہ شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظامِ خلافت قائم ہو جائے اور نا اہل کی جگہ کسی اہل اور جامع الشروط کو خلافت دلائی جا سکے۔

پہلی صورت میں مصلحت کا بقا و حصول، مگر خرابیوں کا امکان تھا۔

دوسری صورت میں خرابیوں کا وقوع، مگر مصالح کا امکان تھا۔

اسلام نے پہلی صورت اختیار کی، اور پوری قوت و اصرار کے ساتھ دوسری راہ مسدود کر دی یعنی مصالح کے امکان پر اُن کے وقوع کو ترجیح دی

Marfat.com

کیا دنیا میں ایک عقل صحیح بھی ایسی مل سکتی ہے جو شریعت کے اس فیصلہ
کو غلط بتلائے۔ اللہ کی شریعت کا اصل اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد
ہے۔ یعنی ہمیشہ فوائد حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا۔ اور جب مصالح کے ساتھ
مفاسد بھی جمع ہو جائیں، تو جس راہ میں مصالح زیادہ ہوں اور خرابیاں کم، اسی
کو اختیار کرنا۔ تمام احکام کا محور یہی اصل ہے۔ پس اگر پہلی راہ اختیار کی جاتی
اور خلیفہ کی اطاعت کے لئے خلیفہ کا جامع الشروط اور بطریق صحیح منتخب
ہونا شرط قرار دے دیا جاتا، تو اس کا کیا نتیجہ نکلتا؟ نصب و انتخاب کے
لئے نظام شرعی درہم برہم ہو چکا تھا۔ ہر دماغ میں حرص و دعوا اور ہر ہاتھ میں
تلوار تھی۔ یہی نتیجہ نکلتا کہ ایک عام طوائف الملوکی اور انارکی پھیل جاتی۔ ہر
شخص یہ کہہ کر کہ خلیفہ اہل و مستحق نہیں ہے، بغاوت کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا، تمام
امت میں خون [illegible] اور موت کی وبا پھیل جاتی۔ شہروں کا کوئی [illegible] نہ رہتا، دیوانی
کا کوئی حاکم نہ ہوتا، نہ مجرموں کو کوئی سزا دینے والا [illegible] کوئی کھانے
والا۔ زکوٰۃ کس کو دی جاتی؟ جمعہ کون قائم رکھتا؟ [illegible] کون حفاظت
کرتا۔ تمام عالم اسلام ایک دائمی خانہ جنگی و بدامنی میں [illegible] اور نظام
ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا ہے۔ دشمنان اسلام [illegible]
ان کو روکنے کے لئے کوئی طاقت موجود نہ ہوتی۔ پس [illegible] مسلمان
کا خلیفہ ہو جانا برائی ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر برائی [illegible] تمام [illegible]

Marfat.com

برباد ہو جائے۔ اسلام نے ملک و شرع کی حفاظت کو مقدم رکھا جو کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے، اور نا اہل و فاقد الشروط کا تسلط گوارا کر لیا جس کا فساد جزئی فساد ہے

نصوص سنت و اجماع امت

سب سے پہلے احادیث پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اگر داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی صداقت کی اور کوئی دلیل نہ ہوتی، تو صرف یہی ایک بات بس کرتی تھی کہ آنے والے واقعات کی تمام تفصیلات کس طرح اوّل روز ہی بتلا دی گئیں؟ اور ایک ایک جزئی حالت کا کیسا کامل نقشہ صدیوں پہلے کھینچ دیا گیا؟ یہ معاملہ اس قدر یقینی اور ہر طرح کے شک و شبہ سے ماوراء ہے، کہ اگر دنیا اس پر یقین لانے کے لئے تیار نہیں، تو دنیا کے پاس ماضی کی جس قدر معلومات موجود ہیں ان میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہو سکتی۔ نہ تو اس دنیا میں سکندر نامی کوئی بادشاہ گزرا، نہ روما نامی کوئی سلطنت قائم ہوئی، نہ ہم بیسویں صدی کے انسان اس کے لئے مجبور ہیں کہ نپولین کا وجود اور واٹرلو کی جنگ کا وقوع تسلیم کریں!

بہرحال احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہونے والے واقعات پیشتر سے معلوم تھے۔ ہر حالت اور ہر وقت کے لئے صاف صاف حکم دے دیا گیا تھا۔ احادیث کے اس حصہ کا نہایت دقت نظر کے ساتھ

Marfat.com

مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہر دور کی خاص حالت ہے اور اس لئے اسی کے مطابق خاص حکم ہے۔

سب سے پہلے وہ حدیثیں سامنے آتی ہیں جن میں خلافت خاصہ و راشدہ کا ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ یہ خلافت ٹھیک ٹھیک طریق نبوت و سنت پر قائم ہونے والی تھی۔ اس لئے اُمت کو وصیت کی ہے کہ نہ صرف اُن کی اطاعت کی جائے بلکہ اُن کے تمام اجماعی باتوں اور کاموں کو مثل اعمال نبوت کے "سنت" سمجھا جائے۔ اور اُس کی پوری طرح پیروی و تاسی کی جائے۔

چنانچہ مشہور حدیث عرباض بن ساریہ "قام فینا رسول اللہ صلعم ذات یوم فوعظنا موعظۃ بلیغۃ وجلت منھا القلوب وذرفت منھا العیون فقیل یا رسول اللہ! وعظتنا موعظۃ مودع فاعھد الینا بعھد۔ فقال علیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبداً حبشیاً، وسترون من بعدی اختلافاً شدیداً، فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ" (ابن ماجہ و ترمذی) اور حدیث "خیر القرون قرنی ثم یلونھم الخ" اور "اما طبقتی وطبقۃ اصحابی فاھل علم وایمان" الخ رواہ البغوی عن انس وامثالھا، اسی قسم میں داخل ہیں۔

خلاصہ ان کا یہ ہے کہ آنحضرت (صلعم) نے خطبہ دیا اور فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، اپنے امام کا حکم سنو اور مانو اگرچہ وہ

Marfat.com

ایک حبشی غلام ہو۔ اور دیکھو! میرے بعد بڑے سخت اختلافات پڑنے والے ہیں، پس چاہئیے کہ فتنوں سے بچو اور ہمیشہ میری سنت اور میرے بعد کے جانشینوں کی سنت پر کاربند رہو، اور اس کو اس طرح مضبوطی سے پکڑ لو جیسے کوئی شخص دانتوں سے کوئی چیز پکڑ لیتا ہے۔ اور فرمایا بہتر زمانہ میرا ہے، پھر وہ جو میرے بعد کا ہے۔ اور فرمایا! میرا اور میرے یاروں کا طبقہ علم اور ایمان کا طبقہ ہے۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود کی حدیث " مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی، الا کان لہ حواریون واصحاب، یاخذون بسنۃ ویقتدون بامرہ " الخ (مسلم) میں بھی اسی عہدِ خلافت کا ذکر کیا گیا ہے۔

غرضکہ اس پہلے دور کے لئے دو حکم دئے گئے۔ ایک اطاعت کا، دوسرا اقتدا اور پیروی کا۔

لیکن اس کے بعد وہ حدیثیں سامنے آتی ہیں جن میں خلافت کے دوسرے دَور کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس دَور میں پہلا حکم تو بدستور باقی رہا، لیکن دوسرا حکم بالکل بدل گیا۔ یعنی اس دَور کے خلفا و سلاطین کی اطاعت کی تو ویسی ہی وصیت کی جاتی ہے۔ جیسے پہلے دور کے لئے کی گئی ہے۔ لیکن اُن کے کاموں کی پیروی اور اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا، بلکہ بتدریج ترک اقتداء و مخالفت کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض و متسلط ہوں گے، اُن کی خلافت شریعت کے مطلوبہ نظام پر نہ ہو گی۔ نہ اُن

Marfat.com

کا چلن قرآن و سنت کے مطابق ہو گا۔ اُن میں اچھے بھی ہوں گے اور بُرے بھی۔
اس لئے اُمت کو اب صرف اطاعت کا اور اُن کی خلافت کے آگے سر جھکا دینے
کا حکم دیا جاتا ہے۔ اُن کے طور طریقوں کی پیروی کرنے اور اُن کے کاموں کو شرعی
کام سمجھ لینے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ اس بات کی بھی وصیت کی جاتی ہے کہ جب
وہ لوگ برائیاں پھیلائیں تو جس کی طاقت جہاں تک کام دے، برائیوں کے
روکنے کی پوری کوشش کرے۔ ہاتھ سے کام لے، زبان کو حرکت میں لائے۔
یہ دونوں درجے نصیب نہ ہوں تو کم از کم دل ہی دل میں برائی کو برا سمجھے۔
" وذلك اضعف الایمان "۔ لیکن برے کاموں کو اُن کی حکومت کے دباؤ
سے اچھا نہ سمجھ لے اور نہ اُن کا ساتھ دے" ولیس وراء ذلك من الایمان
حبة خردل "[1]

---

[1] احادیث کا یہ حصہ نہایت اہم اور غور طلب ہے۔ مختلف حدیثوں میں مختلف دوروں اور لوگوں کا ذکر ہے اس لئے احکام بھی مختلف ہوئے۔ اس نکتہ پر جس کی نظر نہ گئی وہ احکام و علائم کو مختلف و متضاد دیکھ کر یا تو حیران رہ گیا۔ یا سخت غلطیوں سے دوچار ہوا۔ عہدِ نبوت سے لے کر آخر تک مختلف دور آنے والے تھے، ہر دور کے خصائص و علامات دوسرے سے مختلف تھے پس ان کے احکام میں بھی اختلاف ضروری تھا۔ پوری دقت نظر کے ساتھ احادیث کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ پہلے ان کے باہمی مشترکات و مختلفات کو الگ الگ کر دینا چاہئے۔ پھر ہر حدیث اور ہر حکم کو اُس کی صحیح جگہ دینی چاہئے۔ ایسا نہ کرنے

Marfat.com

عن عبادہ بن الصامت۔ قال" بایعنا رسول اللہ صلعم علی السمع و الطاعۃ فی منشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا، وان لاننازع الامر اھلہٗ الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیہ من اللہ برھان" متفق علیہ۔ عبادہ بن الصامت کہتے ہیں۔ ہم سے رسول اللہ (صلعم) نے اس بات پر بیعت لی کہ ہر حال اور

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵) سے لوگوں کو بڑی بڑی غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ بہتوں کو یہ لغزش ہوئی کہ" اطاعت" اور" اقتدار" کا فرق نہ سمجھے۔ جن حدیثوں میں" اقتدار" کی ممانعت بلکہ خلاف کرنے کا حکم پایا۔ اُن کو منع اطاعت اور جواز خروج پر محمول کر لیا۔ خوارج اور معتزلہ کے ایک گروہ کو یہی دھوکا ہوا۔ ایک دوسری جماعت نے یہ غلطی کی کہ حکم اطاعت کو عام مطلق سمجھ لیا اور منع اقتدار و تاسّی اور وجوب امر بالمعروف نے جو تخصیص کر دی تھی، وہ ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ یعنی اس دھوکے میں پڑ گئے کہ جب امراء و حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، خواہ اُن کے اعمال کیسے ہی خراب ہوں، تو پھر چاہئے کہ نہ کسی برائی پر ٹوکیں، نہ منکرات کے خلاف جدوجہد کریں۔ ہر حال میں چپ چاپ بیٹھ کر اطاعت کرتے رہیں۔ یہ جو صدیوں سے علماء و مشائخ نے ارباب اقتدار کے خلاف امر بالمعروف یک قلم ترک کر دیا ہے۔ تو نفس خادع اُن کو بھی یہی دھوکا دے رہا ہے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے۔ ان لوگوں نے چونکہ" اطاعت" اور" اقتدار" کا فرق نہیں سمجھا، اور دیکھا کہ پادشاہوں اور امیروں کو برائی پر ٹوکنے اور اُن کے خلاف حق کے اعلان میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ اس لئے اس دھوکے میں پڑ گئے کہ یہی مصائب فتنہ ہیں جس

Marfat.com

ہر طرح کی زندگی میں امام کی اطاعت کریں گے۔ حکومت و سرداری کو اس کے کرنے والوں پر چھوڑ دیں گے اور کبھی اس بارے میں کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ الا یہ کہ بالکل کھلا کھلا کفر امام سے ظاہر ہو۔ اور ایسی بات میں جس کے لئے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ہے۔ سو اُس وقت کسی کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت سے نہ روک سکے گی۔ یعنی جب تک امام سے صریح کفر نہ سرزد ہو، ہر حال میں اُس کی اطاعت واجب ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵) اس فتنہ سے بچنا چاہیئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حق و باطل میں کوئی تمیز باقی نہ رہی۔ تمام زبانیں گونگی اور تمام دل مردہ ہو کر رہ گئے۔

حالانکہ دونوں جماعتوں نے ٹھوکر کھائی۔ دونوں نے حدیثوں کا صحیح محمل و مدلول نہ سمجھا۔

ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان کسی کو اپنا قومی بادشاہ مان لیں اور ایک بادشاہ کی جیسی فرمانبرداری رعایا کو کرنی چاہیئے، ٹھیک ٹھیک ویسی ہی فرمانبرداری بجا لائیں کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے ثابت ہو کہ اُسے اپنا حاکم نہیں سمجھتے۔ اس کا نام "اطاعت" ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان کو اپنے دینی و اخلاقی اعتقاد و عمل میں پیشوا مان لینا اور راستی و ہدایت کے اعتبار سے اُس کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنا لینا اور اُس کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا اس کا نام "اتباع" اور "تاسی" ہے۔

دونوں صورتیں الگ الگ ہیں۔ بلاشبہ "اطاعت" ایک عام حالت ہے اور

Marfat.com

"خیار ائمتکم الذین تحبونھم و یحبونکم، و تصلون علیھم و یصلون علیکم و شرار ائمتکم الذین تبغضونھم و یبغضونکم، و تلعنونھم و یلعنونکم" قال قلنا أفلا ننابذھم عند ذلک، قال "لا، ما اقاموا فیکم الصلوٰۃ" الا من ولی علیہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵) اس میں "اقتداء" کی حالت بھی داخل ہے۔ لیکن "اقتداء" اطاعت سے زیادہ خاص ہے، اور ضروری نہیں کہ ہر اطاعت اقتداء بھی ہو۔ احادیث میں خلفاء راشدین کی نسبت اُمت کو "اطاعت" اور "اقتداء" دونوں کا حکم دیا گیا، لیکن بعد کے خلفاء و سلاطین کو صرف "اطاعت" ہی کا مستحق بتلایا، "اقتداء" کا نہیں۔ کیونکہ معلوم تھا کہ اُن کے کام اچھے نہ ہوں گے۔ شریعت و عدالت سے منحرف ہو جائیں گے اور چونکہ نظام جماعت کے قیام کے ساتھ احکام کتاب و سنت اور عدل و صداقت کی حفاظت کا انتظام بھی ضروری تھا، اس لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ہر حال میں باقی رہا۔ یعنی حکم دیا گیا کہ ایسے وقتوں میں سلطان اسلام کو اپنا امام مان کر پوری پوری اطاعت کرو، لیکن بادشاہ کی اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ سفید کو سیاہ اور دن کو رات مان لو۔ حق حق ہے۔ باطل باطل۔ برائی جب دیکھو، ٹوکو۔ ظلم جب کیا جائے، روکو۔ اس کام میں ایک پادشاہ اور ایک مزدور طفل برابر ہیں۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ قاعدہ کلیہ ہے، اور و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر حکم عام و مطلق۔ کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس میں خالق کے حکم سے نافرمانی کرنی پڑے۔

اور یہ جو جا بجا کہا گیا کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے۔ تو یاد رہے کہ "اطاعت"

Marfat.com

وإن فرأه شيئاً من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله، ولا ينزعن يداً من طاعة' رواه احمد ومسلم۔

وعن حذيفة أنه (صلعم) قال "يكون بعدي ائمة لا يهتدون بهدي ولا يستنون بسنتي، وسيقوم فيكم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان انس"۔ قال قلت "كيف اصنع يا رسول الله ان ادركت ذلك"؟ قال "تسمع وتطيع وان ضرب ظهرك واخذ مالك فاسمع واطع" رواه مسلم واحمد۔

یعنی فرمایا تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں کہ ان کی محبت تمہارے دلوں میں ہو اور تمہاری اُن کے دلوں میں تمہاری زبانوں سے اُن کے لئے رحمت کی دعا نکلے اور اُن کی زبانوں سے تمہارے لئے۔ اور بدترین حاکم وہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں اُن کی دشمنی ہو اور وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہوں۔ تم اُن پر لعنت بھیجو۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵) نہ کرنے میں فتنہ ہے۔ نہ کہ "اقتدار" نہ کرنے میں، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں۔ یعنی خلیفہ اسلام سے بغاوت نہ کرو۔ اس میں جمعیت اُمت کے لئے بڑا ہی فتنہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ برائی کی مخالفت اور حق کے اعلان میں فتنہ ہے۔ حق کا اعلان تو ہمیشہ اور ہر حال میں دنیا کے لئے نظم و امن ہے۔ وہ کبھی فتنہ نہیں ہو سکتا۔ اگر حق کی پکار فتنہ ہو جائے تو پھر نظام ہستی کس بنیاد پر قائم رہے؟ ولو اتبع الحق اهواءهم، لفسدت السماوات والارض ومن فيهن!

(۲۳ / ۷)

Marfat.com

اور وہ تم پر۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا ایسے حاکموں سے ہم جھگڑیں فرمایا نہیں۔ جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں۔ اُن کی اطاعت ہی کرو۔ اِن جو بات گناہ کی دیکھو اُسے پسند نہ کرو۔ مگر امام کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔ نیز فرمایا۔ میرے بعد ایسے امام ہوں گے۔ جو میرا طور طریقہ چھوڑ دیں گے میری سنت پر نہیں چلیں گے۔ عنقریب تم پر ایسے لوگ حکمران ہوں گے کہ اُن کا جسم تو انسانوں کا ہوگا مگر دل شیطان کا سا۔ راوی نے پوچھا اگر ہم نے ایسا زمانہ پایا تو کیا کریں۔ فرمایا۔ سنو اور اطاعت کرو۔ اگر وہ تمہاری پیٹھ پر تازیانے لگائیں اور تمہارا مال چھین لیں، جب بھی اُن کی سنو اور اطاعت کرو!

"ستکون بعدی اثرۃ و امور تنکرونھا۔ قالوا فما تأمرنا؟ قال تؤدون الحق الذی علیکم، وتسألون اللہ الذی لکم" متفق علیہ عن ابن مسعود، واخرجہ ایضاً الحرث بن وھب وابوداود الحافظ فی التلخیص، وعن جابر بن عتیک مرفوعاً عند ابی داؤد بلفظ "سیاتیکم رکب مبغضون، فاذا اتوکم فرحبوا بھم وخلوا بینھم وبین ما یبتغون۔ فان عدلوا فلانفسھم، وان ظلموا فعلیھم"

وعن وائل بن حجر۔ قال سمعت رسول اللہ صلعم رجل یسالہ فقال ارایت ان کان علینا امراء یمنعونا حقنا ویسألونا حقھم؟ قال "اسمعوا و اطیعوا فانما علیھم ما حملوا، وعلیکم ما حملتم" (مسلم والترمذی وصححہ)

"علی المرء المسلم السمع والطاعۃ فیما احب وکرہ الا ان یؤمر بمعصیۃ

Marfat.com

فان امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ" (شیخان وغیرہما عن ابن عمر)

سب کا خلاصہ وہی ہے جو اُوپر گزر چکا۔ آخری روایت میں فرمایا۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ خواہ گوارا ہو یا ناگوار، مگر امام کا کہا سُنے اور مانے۔ ہاں اگر وہ ایسا حکم دے جس کی تعمیل میں گناہ ہو، تو پھر اُس حکم میں نہ تو سننا ہے اور نہ ماننا۔

بڑے سے بڑے مخلوق کی خاطر بھی خدا کا چھوٹے سے چھوٹا حکم نہیں ٹالا جا سکتا اور نہ مخلوق کی خاطر خالق سے نافرمانی کی جا سکتی ہے۔ یہ اسلام کا اور در اصل دُنیا کی تمام سچی تعلیموں اور سچے انسانوں کا عالمگیر قاعدہ کلیہ ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ صدقات و زکوٰۃ وغیرہ مالیات کی ادائگی کی نسبت حکم دیا گیا کہ اگرچہ وصول کرنے والے حکام ظالم و جابر ہوں، یا بیت المال کا روپیہ ناجائز طور پر خرچ کر رہے ہوں لیکن اگر امام کی طرف سے مامور ہیں تو اُن کی اطاعت ہی کرنی چاہئے جس شخص نے زکوٰۃ ایسے عامل کو دے دی اُس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ بلا شبہ قوم کو کوشش کرنی چاہئے کہ ایسے عامل معزول کئے جائیں لیکن جبتک معزول نہ ہوں نظامِ شریعت و حکومت کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ ان کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ بشیر بن خصاصہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا: "ان قوما من اصحاب الصدقۃ یعتدون علینا" عمال صدقہ لینے میں ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ کیا حق سے زیادہ نہ دینے میں ان کا مقابلہ کریں؟

Marfat.com

فرمایا۔ نہیں (ابو داؤد) سعد بن وقاص کی روایت میں فرمایا "ادفعوا الیھم ما صلوا" ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر کی نسبت ہے کہ کسی نے کہا۔ زکوٰۃ کسے دیں۔ کہا وقت کے حاکموں کو۔ سائل نے کہا "اذا یتخذ بہا ثیابا وطیبا" وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور زینت میں خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا۔ "وان" اگرچہ ایسا کرتے ہوں مگر زکوٰۃ اُنہی کو دو۔

اسی بنا پر محدثین نے باب باندھا ہے "براءۃ رب المال بالدفع الی السلطان مع العدل والجور" کما فی المنتقیٰ۔ یعنی صاحب مال نے جب اپنی زکوٰۃ عمال کے حوالے کر دی تو وہ شرعاً بری الذمہ ہو گیا۔ اگرچہ وہ ظالم و جابر ہوں۔ اور اسی لئے جمہور فقہا کا بھی یہی مذہب قرار پایا کہ اگر حکام جور کو زکوٰۃ دے دی گئی تو ادا ہو گئی۔ ائمہ اہل بیت وعترۃ نے بھی قولاً وفعلاً اس سے اتفاق کیا جیسا کہ حضرت امام باقر (علیہ وعلیٰ آبائہ السلام) سے اصول میں منقول ہے۔ اور اسی لئے محققین امامیہ و فقہاء زیدیہ بھی اس فیصلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں۔

اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما

اگر ایک خلیفہ کی حکومت جم چکی ہے اور قائم ہے اور دوسرا مدعی کھڑا ہو تو اُس کا حکم یہ ہے کہ وہ باغی ہے۔ فرمایا اُسے قتل کر دو۔ اُس کی زندگی تمام

Marfat.com

امت کے نظم و امن کے لئے فتنہ ہے۔ وہ امت میں پھوٹ ڈالنا اور جمے ہوئے انتظام کو درہم برہم کردینا چاہتا ہے۔ والفتنة اشد من القتل۔

عن عرفجة الاشجعی۔ قال: سمعت صلعم یقول" من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد، یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ" (احمد و مسلم)

اسی لئے جمہور اہلِ اسلام نے اتفاق کیا کہ خلیفہ خواہ اہل ہو یا نااہل، لیکن اگر اس کی حکومت قائم ہے تو جو اس پر خروج کرے، اس کا حکم باغی کا ہوگا اگرچہ کتنا ہی افضل اور جامع الشروط ہو اُس سے لڑنا اور اس کی جماعت کو قتل کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ تبلیغ و دعوت اور دفع شکوک کے بعد بھی باز نہ آئے۔ ایک گروہ علماء نے کہا کہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بحکم فقاتلوا التی تبغی (۴۹ : ۹) واجب ہے۔" وقد حکی فی البحر عن العترة جمیعاً ان جھادھم افضل من جھاد الکفار الی دیارھم اذ فعلھم فی دار الاسلام کفعل الفاحشة فی المسجد" (نیل الاوطار۔ جلد ، صفحہ ۸۰) یعنی تمام ائمہ اہل بیت و عترۃ سے منقول ہے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حملہ کرنے سے بھی افضل ہے۔

مصلحت و حکمت اس حکم کی ظاہر ہے۔ اگر اول دن ہی سے دعوٰی اور خروج کا دروازہ بند نہ کردیا جاتا تو کوئی بہتر سے بہتر اسلامی حکومت بھی خروج و شورش سے محفوظ نہ رہ سکتی۔ ایک جامع الشروط خلیفہ کی زندگی میں بھی صدہا دعویدار اُٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے کہ ہم زیادہ اہلیت رکھتے ہیں

Marfat.com

ہم زیادہ احق و افضل ہیں۔ اوصاف و فضائل کا قطعی فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ اور نہ افضل و مفضول کے امتیاز کے لئے کوئی قطعی معیار ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا، کہ ہمیشہ کشت و خون کا بازار گرم رہتا اور اُمت کا نظام جمعیت کبھی نہ سُدھرتا۔ پس ناگزیر تھا کہ خلافت قائمہ کی موجودگی میں ہر طرح کے دعوے کو بغاوت و جُرم قرار دے دیا جائے، اور اس کے لئے ایسی سزا تجویز کی جائے جو سخت سے سخت سزا ہو سکتی ہے یعنی قتل۔ ایک انسان کو قتل کر دینا بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ ہزاروں انسان قتل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حکم کی علت کی طرف واضح اشارہ کر دیا گیا کہ "یرید ان یشق عصاکم"

یہ مضمون مختلف الفاظ و اسناد سے صحاح میں مروی ہے ہم نے صرف ایک روایت پر اختصاراً اکتفا کیا۔

اجماعِ اُمّت و جمہور فقہاء و اعلام

امراء بنو امیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھ قائم ہوئی اور اُس وقت ایک جم غفیر صحابۂ کرام و ائمۂ اہلِ بیت نبوت کا موجود تھا۔ عہدِ عباسیہ کی پوری پانچ صدیاں گزر گئیں، اور یہی زمانہ تمام علوم شرعیہ کی تدوین و ترتیب کا ہے۔ تمام ائمہ و اعلام اور فقہاء مذاہب اسی عہد میں پیدا ہوئے اور عقائد و مسائل نے آخری ترتیب و تنظیم پائی۔ لیکن ان تمام عہدوں میں

Marfat.com

سب کا اتفاق اسی اعتقاد و عمل پر رہا۔ عقاید ضروریہ اور ارکان اربعہ کے بعد شاید ہی کسی اسلامی اعتقاد پر اس درجہ محکم و یقینی اجماع و تعامل امت ثابت کیا جا سکے۔

صحابۂ کرام و ائمۂ تابعین کا حال معلوم ہے۔ مروان مدینہ کا گورنر تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ مسجد نبوی میں مؤذن تھے۔ مروان کی عبادت سے بد ذوقی کا یہ حال تھا کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا اور مقتدیوں کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اس کی جلد بازی پر نہایت شاق گزرتا تھا۔ سورۂ فاتحہ ختم کرتے ہی بلا سکتہ کے قرأت شروع کر دیتا۔ حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی بہت بڑی فضیلت رکھی ہے۔ فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری) ابو ہریرہؓ اس سے وعدہ لیتے کہ دیکھنا جب میں قرأت ختم کروں ایسی جلدی نہ مچانا کہ میری آمین ضائع جائے۔ لیکن نماز اسی کے پیچھے پڑھتے اور اس کی اطاعت سے انکار نہ کرتے (بخاری)

لوگ اُن کی بیہودہ گوئی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اکثر ایسا ہوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ہی مجمع منتشر ہو جاتا۔ خطبہ کا لوگ انتظار نہ کرتے یہ حال دیکھ کر مروان نے ایک مرتبہ چاہا۔ عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دے دے۔ تاکہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے۔ حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا۔ سنت یہ ہے کہ خطبہ عید

Marfat.com

کے بارے میں یہی ہے کہ نماز پہلے ادا کی جائے۔ پھر خطبہ دیا جائے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اس پر فوراً ایک شخص نے ٹوکا اور حضرت ابو سعید خدری نے "من رای منکم منکراً فلیغیرہ" الخ۔ والی روایت بیان کی۔

ایسی بے شمار باتیں کی جاتی تھیں۔ صحابہ کرام نہایت بے باکی سے امر بالمعروف کا فرض ادا کرتے اور ہمیشہ ٹوکتے۔ لیکن خلیفہ انہی کو مانتے اور اطاعت انہی کی کرتے۔ کسی صحابی نے بھی اطاعت سے پہلے اس کی جستجو نہ کی کہ خلیفہ میں ساری شرطیں خلافت کی پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر اس کی جستجو کرتے تو سب سے پہلی شرط یعنی بطریق انتخاب شرعی و شوریٰ منتخب ہونا ہی مفقود تھا۔ باقی شرطیں تو سب اس کے بعد کے دیکھنے اور جانچنے کی ہیں۔

حضرت سید التابعین سعید بن المسیب کہا کرتے۔ بنی مروان الناس کو بھوکا مارتے ہیں اور کتوں کو کھلاتے ہیں[1]۔ اور پھر ان کے ہاتھوں ہر طرح کے مظالم و شدائد بھی سہتے مگر ساتھ ہی بہ حیثیت سلطان اسلام کے اطاعت بھی انہی کی کرتے۔

مامون و معتصم کے عہد میں بدعت اعتزال اور قول بخلق قرآن کی وجہ سے ایک فتنۂ عظیم برپا ہوا۔ علماء سنت پر جو جو مظالم و شدائد ہوئے معلوم ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے انتی کوڑوں کی ضرب اور برسوں تک

[1] تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی ۱ : ۴۷۔

Marfat.com

قید خانے میں رہنا گوارا کرلیا، اور مامون و معتصم کی دعوتِ بدعت کی پیروی نہ کی۔ لیکن اطاعت کا مستحق اُنہی کو سمجھا، اور اپنے نامۂ وصیت میں لکھا تو یہی لکھا: "والدعاء للائمة المسلمین بالصلاح، ولاتخرج علیھم بالسیف، ولا تقاتل ھم فی الفتنة" کذا نقل عنہ ابن الجوزی فی سیرۃ

حافظ عسقلانی نے ابن التین کا ایک قول نقل کیا ہے۔ "قد اجمعوا انہ (ای الخلیفة) اذا دعا الی کفر او بدعة انہ یقام علیہ" یعنی علما نے اس پر اجماع کیا کہ اگر خلیفہ کفر اور بدعت کی طرف بلائے تو اس پر خروج کرنا چاہیئے۔ پھر اس قول کی نسبت لکھتے ہیں۔ "ما ادعاہ من الاجماع علی القیام فی ما اذا دعا الی البدعة، مردود، الا اذا حمل علی بدعة تؤدی الی صریح الکفر، والا، فقد دعا المامون والمعتصم والواثق الی بدعة القول بخلق القرآن وعاقبوا العلماء من اجلھا بالقتل والضرب والحبس وانواع الاھانة ولم یقل احد بوجوب الخروج علیھم بسبب ذلک، ودام الامر بضع عشرۃ سنة حتی ولی المتوکل الخلافة فابطل المحنة" (فتح - ۱۳ : ۱۰۳)

یعنی یہ جو ابن التین نے کہا کہ اگر خلیفہ بدعت کی طرف بلائے تو اس پر خروج کرنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو یہ قول مردود ہے۔ الا یہ کہ بدعت سے اس کا مقصود ایسی بدعت ہو جو صریح طور پر کفر تک پہنچ جاتی ہو۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مامون، معتصم، الواثق، تینوں خلیفوں نے بدعت

Marfat.com

خلق قرآن کی طرف دعوت دی اور اس کی وجہ سے علماء سنت کو طرح طرح کے مصائب و شدائد جھیلنے پڑے، قتل ہوئے، پیٹے گئے، قید کئے گئے، لیکن پھر بھی کسی نے ان پر خروج واجب نہیں بتلایا اور برابر اُن کی اطاعت کرتے رہے حتیٰ کہ تقریباً دس برس تک یہی حالت رہی۔ خلیفہ متوکل نے تخت نشین ہوکر اس مصیبت کو دُور کیا۔ انتہا۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحب شریعت صلّی اللہ علیہ وسلم نے خلافت و اطاعت کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، عہد سلف کے مسلمانوں نے کر کے دکھلا دیا کہ اس کا اصلی مفہوم و مقصد کیا ہے؟ وہ اپنے طرزِ عمل میں احکامِ خلافت کے ہر ٹکڑے اور ہر قسم کی ایک عملی تفسیر و شرح تھے۔ گزشتہ فصول میں اُن احادیث پر نظر ڈال چکے ہو جن میں آنے والے وقتوں کی نسبت امت کو احکام دیے گئے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کا عہد فتنوں فسادوں سے محفوظ تھا۔ لیکن اس کے بعد جو سلسلۂ خلافت شروع ہونے والا تھا۔ وہ اپنے متضاد خصائص و حالات کی وجہ سے اُمت کے لئے ایک بڑی ہی سخت کشمکش اور ابتلا رکھتا تھا وہ ایک ہی وقت میں سیاہ بھی تھا اور سفید بھی، نور بھی تھا اور ظلمت بھی، حق بھی تھا اور باطل بھی، حب و بغض، ہجر و وصل، ترک و طلب، اطاعت و مخالفت دونوں چیزیں ایک ہی وجود میں جمع ہو گئی تھیں اور حکم شریعت یہ تھا کہ بیک وقت دونوں کو نبھاؤ، اور اپنی اپنی جگہوں پر دونوں باتیں بجا لاؤ۔ ایک طرف تو اس

Marfat.com

پر زور دیا گیا کہ وہ خلیفہ و امام ہیں اس لئے واجب الاطاعت ہیں۔ جب تک کفر صریح ظاہر نہ ہو ان کی فرماں برداری سے منہ نہ موڑو۔ دوسری طرف یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اُن کے اعمال اچھے نہ ہوں گے۔ پس اطاعت کرو۔ مگر پیروی و اقتدا نہ کرو۔ برائیوں کی طرف بلائیں تو ہاتھ سے، زبان سے، دل کے اعتقاد سے، جس طرح بھی بن پڑے، پوری طرح مخالفت کرو اور اُن کے قہر و تسلط سے دب کر حق کا ساتھ نہ چھوڑو۔ غور کرو! معاملہ کس درجہ کٹھن اور جذباتِ انسانی کے لئے کیسا کڑا امتحان تھا؟

انسان ایک وقت میں ایک ہی جذبہ کام میں لا سکتا ہے۔ یا محبت کرے گا یا دشمنی۔ یا اطاعت کرے گا یا نافرمانی۔ جس کو اطاعت کا مستحق سمجھے گا، اس کی ہر بات اس کی نظروں میں محبوب ہو جائے گی۔ جس کو برا سمجھے گا۔ اُس کی فرماں برداری کبھی اُس کے نفس کو گوارا نہ ہوگی۔ لیکن یہ وہ منزل عمل تھی جس میں ایک ہی وجود ممدوح و مذموم اور محبوب و مبغوض، دونوں صورتیں رکھتا تھا۔ ایک ہی انسان کے آگے جھکنا بھی تھا، اور پھر اسی کے سامنے سرکشی بھی کرنی تھی البتہ جھکنے کا موقع دوسرا تھا۔ سرکشی کی گھڑی دوسری۔ جذبات و عواطف کے لئے سخت آزمائش اس میں آپڑی تھی کہ ہر جذبہ اپنے صحیح موقعہ پر کام میں لایا جائے۔ ورنہ ذراسی بے اعتدالی بھی سخت گمراہی و ہلاکت کا موجب ہو جاتی۔ اطاعت کیشی میں اگر بے اعتدالی ہوتی تو وہ اقتدا اور تاسی ہو جاتی جس کا

Marfat.com

نتیجہ باطل پرستی اور حق سے انحراف تھا۔ عدم اقتدا اور امر بالمعروف میں اگر بے اعتدالی ہوتی تو وہ خروج و بغاوت تک پہنچا دیتی، جس کا نتیجہ بدامنی و خونریزی ہوتا اور سخت معصیت و فسق کا وقوع۔ اس تیرہ سو برس میں کتنے ہی فتنے صرف اسی بے اعتدالی اور افراط و تفریط سے پیدا ہوئے۔ کتنوں ہی نے جوشِ حق پرستی میں بغاوت و خروج کر کے جمعیت امّت و استحکام خلافت کو نقصان پہنچایا اور کتنوں ہی نے افراط اطاعت کیشی میں حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر اُمت کا نظام حق و عدل درہم برہم کر دیا۔

دُنیا میں کوئی قوم نہیں جس کے اجتماعی اعمال کی تاریخ میں کوئی ایسی نظیر مل سکے کہ ایسے سخت و نازک حکم پر عمل کیا گیا ہو، اور پوری کامیابی کے ساتھ اس کے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ہو۔ لیکن عہد صحابہؓ و سلف کے مسلمانوں نے صدیوں تک عمل کر کے ثابت کر دیا کہ سچائی اور اخلاق کی کوئی عملی مشکل ایسی نہیں جو پیروانِ اسلام کے لئے مشکل ہو سکے۔ انہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا، بلکہ پوری کامیابی کے ساتھ اس اخلاقی امتحان سے عہدہ برا ہو کر نکلے انہوں نے ایک ہی وقت میں دونوں متضاد عمل کر دکھلائے۔ اطاعت بھی کی اور مخالفت بھی۔ لیکن اطاعت اُسی بات میں کی جو مستحق اطاعت تھی۔ اور مخالفت وہیں کی جہاں مخالفت کرنی تھی۔ "اطاعت" اور "اقتداء" کے اس نازک فرق کو جس کو فلسفۂ اخلاق بڑی بڑی دقیقہ سنجیوں کے بعد حل کر سکتا ہے انہوں

Marfat.com

نے اپنی عملی زندگی کی سادگی سے حل کر دکھایا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ اخلاق کے فلسفہ کے لئے جو چیز سب سے زیادہ مشکل ہے، وہی ایک مومن کے عمل کے لئے سب سے زیادہ آسان ہے۔

قومی حکومت کی اطاعت اور فرماں برداری اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے جو صحابہ و تابعین نے بنو امیہ کے امراء جور کی کی؟ اور ان کے بعد علماء سلف نے بنو عباس کے دعاۃ بدعت کی؟ ہر طرح کے مظالم سہے، ہر طرح کی مصیبتیں جھیلیں، قید کیئے گئے، کوڑوں سے مارے گئے، قتل ہوئے، مگر پھر بھی اطاعت سے باہر قدم نہ رکھا، اور ہمیشہ یہی کہتے رہے "ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ" و نحن بایعناهم" وہ جو فرمایا تھا کہ "قید شبر" بالشت بھر بھی اطاعت سے الگ نہ ہو، سو واقعی ویسا ہی عمل کر کے دکھا دیا!

مگر ساتھ ہی استقامت حق اور امر بالمعروف و دعوت الی السنۃ کا بھی یہ حال تھا کہ نہ تو عبد الملک کی بے پناہ تلوار اس پر غالب آ سکتی تھی، نہ حجاج کی خون آشامی، اور نہ مامون و معتصم کی قہرمانیت۔ قدم جب اٹھتا تھا تو حق کی طرف، زبان جب کھلتی تھی تو سچائی کے لئے اور دل میں کسی کی گنجائش نہ تھی۔ مگر عشق کتاب و سنت کی۔ انہوں نے جس طرح اس حکم کی پیروی کی کہ "تسمع وتطیع وان ضرب ظهرك واخذ مالك فاسمع واطع" رواہ مسلم ٹھیک ٹھیک اسی طرح اس فرمان کی بھی کی کہ "فان امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة" اور

Marfat.com

"من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، وان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان" رواہ مسلم۔

حضرت امام احمد بن حنبل کی پیٹھ پر نو جلاد تازیانے مار رہے تھے۔ خود المعتصم سر پر کھڑا تھا۔ تمام پیٹھ سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے اور یہ سب کچھ صرف اتنی بات کے لئے ہو رہا تھا کہ قرآن کی نسبت ایک ایسے سوال کا جواب دے دیں جس کا جواب اللہ کے رسول اور اُس کے یاروں نے نہیں دیا ہے اور نہ دینے کا حکم دیا ہے۔ وہ سب کچھ سہہ رہے تھے مگر جواب نہیں دیتے تھے اگر کوئی صدا نکلتی بھی تھی تو یہی نکلتی "اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول" درے مارنے سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت سے ثابت کر دکھاؤ تو اقرار کر لوں۔ اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے جس کے آگے اتباع و اقتدا کا سر جھک سکے۔

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

سُنی اور شیعہ دونوں متفق ہیں

اسی طرح تمام ائمہ اہلِ بیت کا زمانہ خلفاء بنو امیہ و عباسیہ کے عہد میں گزرا۔ یہ معلوم ہے کہ وہ خلافت کا مستحق صرف اپنے ہی کو یقین کرتے تھے نہ کہ بنو امیہ و عباسیہ کو۔ بایں ہمہ کسی نے بھی اُن کے خلاف خروج نہ کیا اور نہ اطاعت

Marfat.com

سے انکار کیا۔ سب اسی پر متفق ہوئے کہ حکومت اُن کی قائم ہو چکی ہے، اس لئے سلطانِ وقت وہی ہیں۔

خاندان اہلِ بیت میں سے جس کسی نے خروج کیا ائمہ نے برابر اپنی مخالفت اُن سے ظاہر کی۔ جیسا کہ حضرت زید کے خروج اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے انکار سے ثابت و معلوم ہے۔

حضرت امام علی رضا کو مامون الرشید نے اپنا ولی عہد قرار دیا۔ امام موصوف نے ولی عہدی قبول کر لی۔ یعنی تسلیم کر لیا کہ مامون خلیفہ ہے اور اس کو اپنے استخلاف اور ولی عہدی کا حق پہنچتا ہے اگر وہ خود خلیفہ نہ تھا تو دوسرے کو ولی عہدی کیونکر مل سکتی تھی؟

ائمہ اہل بیت کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی موجود نہیں کہ انہوں نے لوگوں کو بنو امیہ و عباسیہ کی اطاعت سے روکا ہو۔ برخلاف اس کے کتبِ حدیث امامیہ (مثلاً اصولِ کافی وغیرہ) میں ایسی تصریحات موجود ہیں کہ باوجود اظہار استحقاق خود و شکوۂ غصب و تعدی عدم الامامت و حکم و خروج سے ہمیشہ مانع رہے۔

سب سے زیادہ قاطع اور فیصلہ کن اُسوۂ حسنہ اس بارے میں خود حضرت علی علیہ السلام کا ہے۔ حضرات امامیہ اُن کی خلافت کو منصوص تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کی موجودگی میں اور کوئی جائز خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔

Marfat.com

باایں ہمہ ظاہر ہے کہ یکے بعد دیگرے تین خلیفہ ہوئے، اور حضرت علی نے نہ تو خروج کیا، نہ بیعت سے انکار کیا، نہ علٰحدگی اختیار کی۔ متصل بیس برس تک ان کا یہی طرزِ عمل قائم رہا۔ اس سے بڑھ کر قاطع و فاصل دلیل اس بات کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب اُمت ایک سلطان پر مجتمع ہو جائے تو پھر کسی طرح بھی اُس کی مخالفت جائز نہیں۔ اور اس کی اطاعت کرنا ہر فرد پر واجب ہے! جب ایک خلیفہ و امام منصوص من اللہ کے لئے انکار جائز نہ تھا، تو عامۂ امت کے لئے کب جائز ہو سکتا ہے؟

غرضکہ اس بارے میں اہل سنّت و امامیہ دونوں متفق ہیں۔

یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ حضرات امامیہ اور اہلِ سنت میں مسئلہ خلافت کی نسبت جو مشہور اختلاف ہے، وہ صرف پہلی صورت میں ہے نہ کہ دوسری صورت میں۔ یعنی اس بارے میں ہے کہ اگر امت خلیفہ و امام منتخب کرے تو کس کو اور کیسے کو منتخب کرے؟ شیعہ کہتے ہیں کہ اس کا استحقاق صرف ائمۂ اہلِ بیت کو ہے۔ وہی امام ہو سکتے ہیں۔ اہل سنّت کہتے ہیں کہ یہ شرط ضروری نہیں۔

لیکن اگر اصلی نظام باقی نہ رہا ہو اور غلبہ و تسلط سے کوئی شخص اسلام کی مرکزی سلطنت پر قابض ہو گیا ہو، تو اُس کی اطاعت پر جس طرح اہل سنت کی تمام جماعتیں متفق ہیں، ٹھیک اسی طرح شیعہ بھی متفق ہیں۔ اہلِ سنت

Marfat.com

کے نزدیک خلافت کی تمام شرطیں صرف خلفاءِ راشدین ہی میں جمع تھیں اور انہیں کا انتخاب صحیح نظامِ شرعی کے مطابق ہوا۔ اُن کے بعد پھر نہ ہوا۔ امامیہ کے نزدیک ابتدا ہی سے نہ ہوا۔ لیکن اطاعت دونوں عہدوں میں اہلِ سنت نے بھی ضروری قرار دی شیعوں نے بھی ضروری قرار دی نتیجہ یہ نکلا کہ ایک قائم و نافذ اسلامی سلطنت کی اطاعت پر سنی و شیعہ دونوں متفق ہیں یہی حال زیدیہ وغیرہ فرقوں کا ہے۔

بعض کتب مشہورہ عقائد و فقہ

تمام اسلامی مدرسوں میں صدیوں سے جو کتابیں پڑھی پڑھائی جا رہی ہیں، اُن میں سے بعض کی عبارتیں ہم نقل کریں گے:

شرح مقاصد میں ہے: "واما اذا لم یوجد من یصلح ذالک" او لم یقدر علی نصبہ لاستیلاء اھل الباطل بشوکۃ ظلمۃ وارباب اضلال، فلا کلام فی جواز تقلید القضاء وتنفید الاحکام واقامۃ الحدود وجمیع ما یتعلق بالامام من کل ذی شوکۃ" اور شروط امامت بیان کرکے لکھتے ہیں: "نعم اذا لم یقدر علی اعتبار اشرائط، جاز الابتناء للاحکام المتعلقۃ بالامامۃ علی کل ذی شوکۃ یقتدر، تغلب او استولی" اور اسی میں ہے: "فان لم یوجد من قریش من یجمع الصفات المعتبرۃ، ولی کنانی، فان لم یوجد فرجل من ولد اسماعیلؑ فان

لم یوجد فرجل من العجم۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے " واما الخروج علیھم وقتالھم، فحرام وان کانوا فسقۃ ظالمین " اور حدیث "من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد" کی شرح میں لکھتے ہیں " ای لہ اھلیۃ الخلافۃ ——— او التسلط والغلبۃ "

شامی میں ہے : " ویثبت عقد الامامۃ اما باستخلاف الخلیفۃ ایاہ کما فعل ابوبکر، واما ببیعۃ جماعۃ من العلماء او من اھل الرائے ۔

مسامرہ میں ہے : " والمتغلب تصح منہ ھذہ الامور (ای تولیۃ القضاء والامارۃ والحکم بالاستغناء ونحوھا) للضرورۃ وصار الحال عند المتغلب کما لو یوجد قرشی عدل او وجد ولم یقدر (ای لم توجد ندرۃ علی تولیتہ لغلبۃ (الجورۃ) اذ یحکم فی کل من الصورتین بصحۃ ولایۃ من لیس بقرشی ومن لیس بعدل لضرورۃ "

اور شرح مواقف میں امامت کی شرطیں بیان کرکے لکھتے ہیں : لکن الامۃ ان ینصبوا فاقدھا، دفعا للمفاسد التی تندفع بنصبہ " (۲۱۳)

سب سے زیادہ مشرح بحث حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں کی ہے : " وقد اجمع الفقہاء علی وجوب طاعۃ السلطان المتغلب والجہاد معہ، وان طاعتہ خیر من الخروج علیہ لما فی ذلک من حقن الدماء وتسکین الدھماء، ولم یستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الکفر الصریح "

Marfat.com

فلا یجوز طاعتہ فی ذلک بل تجب مجاھدۃ لمن قدر علیھا کما فی الحدیث"

(جلد ۱۳ : ۷)

اور روایت حذیفہ "فاعتزل تلک الفرق کلھا" الخ مندرجہ کتاب الفتن کی شرح میں لکھتے ہیں "قال ابن بطال: فیہ حجۃ لجماعۃ الفقھاء فی وجوب لزوم جماعۃ المسلمین وترک الخروج علی ائمۃ الجور، لانہ وصف الطائفۃ الاخیرۃ بانھم دعاۃ علی ابواب جھنم مع ذالک امر بلزوم الجماعۃ (۱۳ : ۳۱)

اور حدیث "اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی" کی شرح میں لکھتے ہیں "واما لو تغلب عبد حقیقۃ بطریق الشوکۃ فان طاعتہ تجب اخماداً للفتنۃ" (۱۳ : ۱۰۹)

حافظ نواوی شرح مسلم میں لکھتے ہیں "وھذہ الاحادیث فی الحث علی السمع والطاعۃ فی جمیع الاحوال، وسببھا اجتماع کلمۃ المسلمین، فان الخلاف سبب لفساد احوالھم فی دینھم ودنیاھم۔ وقولہ صلعم: وان کان عبد مجدع الاطراف یعنی مقطوعھا، والمراد اخس العبید۔ ای اسمع واطیع للامیر وان کان دنی النسب ...... ویتصور امارۃ العبد اذ ولاہ بعض الائمۃ او یغلب علی البلاد بشوکتہ الخ (جلد ۲ : ۱۲۵)

اور قاضی شوکانی درر البھیہ میں لکھتے ہیں "وطاعۃ الائمۃ واجبۃ الا فی معصیۃ اللہ ولا یجوز الخروج علیھم ما اقاموا الصلوۃ" (شرح درر ۳۸۱)

Marfat.com

اور حجۃ اللہ البالغہ میں ہے: "ان الخلیفۃ اذا انعقدت خلافتہ، ثم خرج آخر ینازعہ حل قتلہ۔"

اور ازالۃ الخفاء میں ایک مفصل اور دقیق بحث مسئلہ خلافت و حقیقت خلافت پر کرتے ہوئے (جس سے بہتر اور جامع بحث شاید ہی کسی دوسری جگہ مل سکے) لکھتے ہیں۔ "و حرام است خروج بر سلطان بعد آناں کہ مسلمین بر وے جمع شدند، مگر آنکہ کفر بواح از وے دیدہ شود، اگرچہ آں سلطان مستجمع شرائط نہ باشد و ایں مضمون متواتر بالمعنی ست" (جلد ۱: ۱۲۷)

حاصل ان تمام عبارتوں کا وہی ہے جو اوپر گزر چکا۔ یعنی ہر زمانے میں امت کے لئے ایک خلیفہ ہونا چاہیئے جو صاحب طاقت و اقتدار ہو۔ اگر امت منتخب کرے تو اُس کے لئے فلاں فلاں شرطیں ہیں۔ لیکن اگر کسی مسلمان کی حکومت قائم ہو گئی ہے اور وہی صاحب اقتدار و شوکت ہے۔ تو اسی کو خلیفہ ماننا چاہیئے۔ خواہ تمام شرطیں اُس میں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔ قرشی ہو یا غیر قرشی، ظالم ہو یا عادل، عالی خاندان ہو یا دنی النسب، حتیٰ کہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اُس کی اطاعت و حمایت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ جب تک کفر صریح اُس سے ظاہر نہ ہو لیکن اگر ایسا ہوا، تو پھر نہ بیعت قائم رہی نہ عہد اطاعت باقی رہا۔ اُس حالت میں مسلمانوں پر واجب ہو جائے گا کہ اس کا مقابلہ کریں۔ جو شخص مقابلہ کی طاقت

Marfat.com

اپنے میں نہ دیکھے، وہ اس کے ملک سے ہجرت کر جائے" فمن قام علی ذلک فلہ الثواب ومن داہن فعلیہ الاثم ومن عجز وجبت علیہ الھجرۃ عن تلک الارض" کذا فی الفتح (۱۳: ۱۰۹)

فتح الباری کی اس عبارت سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جس ملک میں کفار کی سلطنت قائم ہو جائے، وہاں مسلمانوں کو خروج کرنا چاہئے، اور حق کے اظہار و اعلان میں کسی طرح کی مداہنت گوارا نہ کرنی چاہئے لیکن اگر اس کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں تو پھر اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔ یعنی یہ کسی حال میں جائز نہیں کہ تسلط کفر پر قانع و رضامند ہو کر زندگی بسر کریں۔

من حمل علینا السلاح فلیس منا

سورۂ نساء میں ہے:

ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذاباً عظیما (۴: ۹۵)

جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ کی ہمیشگی ہے۔ اللہ کا غضب ہے، اس کی پھٹکار ہے اور بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو ایسوں کے لئے تیار ہو چکا ہے۔

یہ آیت اس بارے میں نص قطعی و ظاہر ہے کہ جو مسلمان دانستہ بلا کسی حق شرعی کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے، وہ دوزخ میں ڈالا جائے

Marfat.com

گا، اللہ کے غضب و لعنت کا مورد ہوگا۔ اور عذاب الیم کا مستحق۔

بخاری و مسلم میں ہے۔ "سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر" (ورواہ الترمذی وصححہ ولفظہ "قتال المسلم اخاہ کفر وسبابہ فسوق") یعنی مسلمان کو دشنام دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی لڑنا کفر۔

آنحضرتؐ نے آخری حج کے موقعہ پر جو یادگار عالم خطبہ دیا تھا، اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، اس میں ہمیشہ کے لئے تمام امت کو وصیت فرمائی۔ "لاترجعوا (وفی روایۃ لاترجعون) بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض"۔ (بخاری) میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن اڑائے۔

اور بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ "لایشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح فانہ لایدری لعل الشیطان ینزغ فی یدہ (وفی روایۃ ینزغ بالعین) فیقع فی حفرۃ من النار" (وایضاً اخرجہ مسلم عن ابن رافع، وابونعیم فی المستخرج من مسند ابن راھویہ) یعنی فرمایا: کبھی اپنے بھائی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کیا کرو۔ ممکن ہے کہ ہتھیار لگ جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں گر پڑو۔ یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کر گئی اور مسلمان کا خون ہو گیا، تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے گا جس کی پاداش عذاب جہنم ہے۔

Marfat.com

اور ابن ابی شیبہ نے ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "الملائکۃ تلعن احدکم اذا اشار الی الآخر بحدیدۃ وان کان اخاہ لابیہ وامہ" اور امام ترمذی نے ایک دوسری اسناد سے موقوفاً روایت کیا ہے "من اشار الی اخیہ بحدیدۃ لعنتہ الملائکۃ (وقال حسن صحیح غریب۔ وکذا صححہ ابوحاتم من ھذا الوجہ) یعنی فرمایا۔ جب کبھی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے "قال ابن العربی اذا استحق الذی یشیر بالحدیدۃ اللعن، فکیف الذی یصیب بھا؟ وانما استحق اللعن اذا کانت اشارۃ تھدیداً، سواء کان جاداً ام لاعباً" (جلد ۱۳ ص ۲۱) یعنی ابن العربی نے کہا: جب صرف ہتھیار اٹھاکر اشارہ کرنے کی نسبت ایسی شدید وعید آئی کہ فرشتے لعنت بھیجتے ہیں تو اس بدبخت کا کیا حال ہوگا جو صرف اشارہ ہی نہ کرے بلکہ سچ مچ اپنے ہتھیار سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اشارہ کرنے والا مستحق لعنت ہوتا ہے تو اس سے مقصود وہی شخص ہوگا جو ڈرانے کے لئے ایسا کرے خواہ غصہ سے ہو خواہ ہنسی سے۔ انتہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی دل لگی سے بھی کوئی شخص ہتھیار اٹھاکر کسی مسلمان کو ڈرائے تو وہ لعنت کا مستحق ہوگا یعنی کسی حال میں بھی یہ بات مسلمانوں کے لئے جائز نہیں اور یہ فعل اس درجہ شریعت کے نزدیک

Marfat.com

مبغوض ہے ——— کہ اُس کی ہنسی دل لگی بھی لعنت کا موجب ٹھہری!
حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً مروی ہے "زوال الدنیا کلھا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم" (اخرجہ الترمذی وقال حدیث حسن واخرجہ النسائی و لفظہ لقتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا") یعنی آنحضرت نے فرمایا۔ اللہ کی نظروں میں تمام دنیا کے زائل ہو جانے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ ایک مسلمان کا قتل ہونا ہے۔ اور اسی بنا پر فرمایا "اول ما یقضی بین الناس فی الدماء" (رواہ البخاری عن ابن مسعود و زاد مسلم فی یوم القیمۃ) قیامت کے دن سب سے پہلے جس معاملہ کا فیصلہ چکایا جائے گا۔ وہ انسان کا خون ہے[1]۔

---

[1] یہاں یہ شبہ وارد نہ ہو کہ یہ حدیث محاسبۂ صلوٰۃ کی مشہور حدیث سے معارض ہے، کیونکہ نماز کی نسبت قضا کا لفظ نہیں آیا ہے۔ حساب کا آیا ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے "اول ما یحاسب بہ المرء صلاتہ" قیامت میں سب سے پہلے آدمی سے جس عمل کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کاموں میں محاسبہ ہوگا ان میں سب سے پہلا کام نماز ہے۔ لیکن جن کاموں میں فیصلہ چکایا جائے گا اُن میں سب سے پہلا معاملہ خون کا ہوگا۔ پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ چنانچہ نسائی نے یہ دونوں ٹکڑے ایک ہی متن و اسناد سے روایت کئے ہیں۔ "اول ما یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ، واول ما یقضی بین الناس فی الدماء" امام بخاری نے مندرج متن حدیث ابن مسعود سے بطریق اعمش

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپ نے فرمایا "تزود من الماء البارد فانك لن تدخل الجنة" (رواہ البیہقی) جن ٹھنڈے تو اچھی طرح ٹھنڈے پانی کی تیاری کر لے کیونکہ تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے" تو یقیناً جنت میں نہ جائے گا!

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے شرک کے بعد اس سے بڑھ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۲) عن ابی وائل روایت کی ہے اور مسند ثلاثیات بخاری کے بے نسائی بھی یہ روایت ابو وائل ہی کے طریق سے لائے ہیں۔ پس سنداً و متناً روایت ایک ہی ہے باقی رہا محاسبہ و قضاء کا فرق تو وہ بالکل ظاہر ہے۔ بعض اعمال انسان کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض دوسروں کے حقوق سے۔ شریعت نے اسی فرق کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعبیر کیا ہے۔ پہلی قسم کے کاموں میں قضاء اور فیصلہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہر شخص کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص مدعی نہیں ہوتا۔ البتہ پرسش ہو سکتی ہے کہ وہ فرائض انجام دیئے گئے یا نہیں، لیکن دوسری قسم کے لئے پرسش کافی نہیں۔ فیصلہ چکانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ایسے کام ہیں جن میں دوسروں کے حقوق تلف ہوئے ہیں اور وہ بحیثیت مدعی کے کھڑے ہوں گے۔ نماز پہلی قسم کے اعمال میں سب سے زیادہ اہم ہے اور قتل نفس کا معاملہ دوسری قسم میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ پس جب حساب ہوگا تو سب سے پہلے نماز کی نسبت پوچھا جائے گا۔ اور جب فیصلہ چکایا جائے گا تو سب سے پہلے قتل نفس کا معاملہ پیش ہوگا۔

Marfat.com

کرا اور کوئی کفر نہیں ہو سکتا کہ اپنے مسلمان بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کرے۔
شریعت نے مسلمانوں کی جمعیت و قومیت کی بنیاد باہمی مواخات پہ رکھی ہے۔ یعنی ہر مسلمان کا شرعی رشتہ دوسرے مسلمان سے بھائی کا رشتہ ہے:
فاصبحتم بنعمته اخوانا (۳: ۱۰۳) انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (۴۹: ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس جب دو بھائیوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرا دو۔ مسلمانوں کی قومی سیرۃ جا بجا یہ بتلائی اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین (۵: ۵۴) اشداء علی الکفار رحماء بینھم (۴۸: ۲۹) اُن میں جس قدر بھی نرمی ہے مسلمانوں کے ساتھ ہے، جس قدر بھی سختی ہے غیروں کے ساتھ۔ وہ سب سے زیادہ نرم بھی ہیں اور سب سے زیادہ سخت بھی۔ نرم اپنوں کے لئے۔ سخت غیروں کے لئے۔ اُن کے پاس محبت بھی ہے، عداوت بھی۔ لیکن محبت پرستاران حق کے ساتھ کرتے ہیں، عداوت دشمنانِ حق کے ساتھ۔
احادیث میں اس حقیقت کی جو بے شمار تشریحات و تمثیلات ملتی ہیں وہ مشہور و معلوم ہیں اور مہاجرین و انصار اور عموم صحابہ کرام نے ان کی عملی تصویر بن کر ہمیں بتلا دیا ہے کہ اخوت دینی کے معنی کیا ہیں؟ ہر مسلمان پر اس کی نماز اور روزہ سے بھی بڑھ کر جو چیز فرض کر دی گئی وہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے محبت کرے، جہاں تک بن پڑے اُن کی بھلائی چاہے، اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے۔ اگر یہ چیز نہیں ہے

Marfat.com

تو ایمان و اسلام بھی نہیں۔ پہاڑوں جتنا بھی زہد و عبادت ہو اور سمندر جتنی بھی دولت خرچ کر ڈالی جائے لیکن اگر یہ چیز نہیں تو بالکل بیکار و عبث ہے۔

فرمایا "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" (رواہ الشیخان)

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ جو بات اپنے لیئے پسند کرے، وہی اپنے بھائی مسلمان کے لیئے بھی پسند کرے۔

اور فرمایا: "لا تدخلون الجنۃ حتی تومنوا ولا تومنون حتی تحابوا" (شیخان)

تم کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لائے اور کبھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک آپس میں محبت و پیار نہ کرو۔

اور فرمایا۔ "لا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا" (شیخان) ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، باہم کینہ اور عناد نہ رکھو، حسد کوئی نہ کرے اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔

حضرت جابر کو وصیت کی "ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد مسلم، تجھ پر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اس کی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو۔ اور شام آئے تو اس طرح آئے کہ کسی کی طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہ ہو۔

اور فرمایا: "المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ" (بخاری صفحہ ۱۰)

Marfat.com

وہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

اور فرمایا "المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ" (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ پس اپنے بھائی کے ساتھ نہ تو ظلم کرے، نہ اُسے ذلیل کرے، نہ اُس کو حقیر جانے۔

اور فرمایا "لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث" (شیخان) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے روٹھا رہے۔

اور فرمایا ملعون من ضار مومنا او مکر بہ (ترمذی) اللہ کی اس پر پھٹکار جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اُس کو دھوکا دیا۔

ایک حدیث میں یہاں تک زور دیا کہ "من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یحد النظر الی اخیہ" (رواہ الحاکم وصححہ) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اُس کو نہ چاہیئے کہ اپنے بھائی مسلمان کی طرف تیز نظروں سے گھورے۔ یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھے۔

پس جب اللہ کی شریعتِ حقہ نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی باہمی محبت و برادری پر رکھی، اسی کو ایمان کی جڑ قرار دیا، وہی اسلام کی اصلی پہچان ہوئی، اُسی پر ایمان کی تکمیل موقوف ٹھہری تو ظاہر ہے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوئے رشتے کو توڑ دے، اور اپنے اُنہی ہاتھوں سے جو مسلمانوں کی دستگیری و مددگاری کے لئے بنائے گئے تھے، مسلمانوں کی گردنیں کاٹنے لگے

Marfat.com

اس سے بڑھ کر خدا کی زمین پر اُس کی شریعت کا کون مجرم ہو سکتا ہے؟ اور اگر انسان کی برائیاں اور بدعملیاں اللہ کی لعنت کا مستحق ہو سکتی ہیں، تو اس فعل سے بڑھ کر اور کونسا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال وغیرت کو ہلا دے، اور اُس کی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں؟

جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اُس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلائے، اُسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے؟ اس سے بڑھ کر شریعتِ الٰہی کی کیا توہین ہو سکتی ہے؟ اور اُن سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کر سکتے ہیں۔ کون سا گناہ ہے جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہو سکتا ہے؟

دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے بڑھ کر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں مل جاتی؟ پس جس بدبخت کا احساسِ ایمانی یہاں تک مسخ ہو جائے کہ باوجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے، وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا۔ بلکہ اللہ کے کلمۂ توحید کو ذلیل و خوار کرتا۔ اور اس کی عزت و اجلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ کی روایت ہے کہ اُن کو آنحضرت نے

Marfat.com

بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دے کر بھیجا تھا۔ لڑائی میں اسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا۔ اسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اس کے سر پر چمکی تو وہ پکار اٹھا "لا الٰہ الا اللہ" میں نے کچھ پرواہ نہ کی اور قتل کر ڈالا لیکن کلمہ کی صدا سن کر انصاری نے تلوار روک لی۔ آنحضرتؐ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوئے اور فرمایا "اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ"؟ تو نے اُسے قتل کردیا باوجودیکہ اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا؟ میں نے عرض کیا۔ "انما کان متعوذا" وہ تو اُس نے محض میری تلوار سے بچنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا۔ "فما زال یکررھا علی حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذلک الیوم" لیکن آنحضرتؐ برابر یہی جملہ دہراتے رہے "تو نے قتل کر ڈالا باوجودیکہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا"۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا حزن و ملال اور اُس واقعہ کا تاثر دیکھ کر مجھے اس قدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا، کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ ایک روایت میں ہے "افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم" تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ہے یا نہیں۔ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُس کا احترام واجب ہوگیا۔ خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ہو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ہو۔ دل کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔

Marfat.com

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ کی روایت سے بھی مروی ہے اور اس میں بعض زیادات ہیں۔ وفیہ ان النبی صلعم قال لہٗ "فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا اتتک یوم القیامۃ؟ قال یا رسول اللہ استغفر لی۔ قال فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ؟ فجعل لا یزیدہ علی ذلک یعنی آنحضرت صلعم نے اسامہ سے کہا "قیامت کے دن جب وہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ تیرے سامنے آئے گا تو اس وقت تو کیا کرے گا؟ یعنی اس کو کیا جواب دے گا؟ اسامہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اب تو مجھ سے یہ غلطی ہو گئی، میری بخشش کے لئے دعا کیجئے۔ لیکن آنحضرتؐ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ کا جب دعوی ہوگا تو تم کیا جواب دو گے؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی۔

بخاری میں ہے کہ آپ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا "ان لقیت کافرا فقتتلنا، فضرب یدی بالسیف فقطعھا، ثم لاذ منی بشجرۃ و قال اسلمت للہ آ اقتلہ بعد ان قالھا؟" اگر ایسا ہو کہ ایک کافر سے مقابلہ کروں، اور وہ تلوار میرے ہاتھ پر اس طرح مارے کہ ہاتھ کٹ جائے۔ پھر الگ ہو کر کہے میں اللہ پر ایمان لایا، تو یہ کہنے کے بعد اسے قتل کروں یا نہ کروں؟ فرمایا "لا تقتلہ" مت قتل کر۔ قال فانہ طرح احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعھا، مقداد نے عرض کیا۔ اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اس کے

Marfat.com

بعد اسلام لانے کا اقرار کیا۔ پھر کیوں نہ میں اس سے اپنا بدلہ لوں؟ فرمایا" لا تقتلہ فان قتلتہ فانہ بمنزلتک قبل ان تقتلہ وانت بمنزلتہ قبل ان یقول کلمۃ الحق قال: جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن جب کلمۂ توحید کا اقرار کر لیا تو پھر قتل نہ کر۔ اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا اور تو مسلمان تھا لیکن اگر تو نے اقرار کے بعد اُسے قتل کر دیا تو وہ تیری جگہ ہو جائے گا اور تو اس کی جگہ۔

یہ دو روایتیں اس بارے میں نہایت ہی عبرت انگیز ہیں۔ جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی قتل ہو جانا گوارا نہ ہوا کیونکہ اس نے خوف جان سے ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا اور اس پر اس قدر رنج و افسوس فرمایا کہ عرصہ تک صدائے الم زبان مبارک سے نکلتی رہی، تو پھر عمداً کر کے جو مسلمان اُن مسلمانوں کو قتل کرے جن کی ساری زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر ہوئی ہیں۔ اور جنھوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبہ ہی نہیں، بلکہ دل کے یقین و ایمان سے لاکھوں مرتبہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار اور ورد کیا ہے۔ اس کی شقاوت و خسران کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھ کر اور کونسا فعل ہے جو ایک مسلمان کے لئے عذاب الیم کا مستوجب ہو؟

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس فعل کے لئے وہ وعید فرمائی جو کسی معصیت کے لئے نہیں فرمائی۔ یعنی فجزاءہ جہنم خالداً فیہا، وغضب اللہ علیہ ولعنہ۔ اس میں خلود فی النار، غضب، لعنت تین چیزوں کا ذکر کیا ہے، اور تمام قرآن وسنت میں یہ تینوں کلمات وعید کفار کے لئے مخصوص ہیں۔ مسلمانوں کی نسبت کہیں استعمال نہیں کئے گئے۔ اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ عام معاصی وفسوق سے اس فعل کی برائی کہیں زیادہ ہے۔ کفر صریح و قطعی کے بعد، اور عام معاصی سے اشد کوئی فعل ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے اور اسی لئے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا کہ "وقتالہ کفر" اور "لا ترجعوا بعدی کفارا" معصیت وفسوق کا لفظ اس کی ناپاکی وملعونیت ظاہر کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق ہوا کہ "سباب المسلم فسوق" تو پھر اس کو قتل کر دینا صرف فسق ہی کیوں ہو؟

ثانیاً جس طرح ایمان واسلام کی سر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اور ان میں سے ہر شاخ ایمان واسلام ہے: "الایمان بضع وسبعون شعبۃ اعلاھا لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق" (رواہ مسلم واصحاب السنن الثلاثۃ ورواہ البخاری بضع وستون) اسی طرح کفر کی بھی شاخیں ہیں اور اعلیٰ وادنیٰ مراتب ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے، اور اسی لئے صحابہ وسلف سے مروی ہے "کفر دون کفر"

ظلم دون ظلم"[1] اور پھر جس طرح ایمان و اسلام اعتقادی بھی ہے اور عملی بھی۔ یعنی اعتقادیات و معنویات میں بھی ہے، اور عملیات و ظواہر میں بھی۔ فکر میں بھی ہے اور فعل میں بھی ایمان باللہ والرسل بھی اسلام ہے۔ اور نماز بھی اسلام ہے۔ ٹھیک اسی طرح کفر اور نفاق کی بھی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی۔ ایک کفر و نفاق اعتقادیات و انکار کا ہے، ایک اعمال و افعال کا۔ شرک کفر اعتقادی ہے۔ اور ترکِ صلوٰۃ متعمداً کفر عملی۔ پس یہ جو فرمایا کہ "سباب المسلم فسوق وقتاله کفر" اور "فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا۔" اور "لا ترجعوا بعدی کفارا" اور "فلیس منا" تو ان میں اور عموم احکام کفر و اسلام میں کوئی تعارض نہیں۔ نہ لفظ "کفر" کی یہاں کوئی تاویل کرنی چاہیے، اور نہ نفی اسلام کو نفی کمال پر محمول کرنے کی ضرورت۔ شارع نے جس فعل کو کفر کہا، وہ کفر کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، اور جب تک دنیا باقی ہے وہ

---

[1] امام بخاری نے کتاب الایمان میں باب باندھا ہے "کفران العشیرۃ وکفر دون کفر" لیکن دراصل یہ خود صحابۂ کرام کے آثار سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ امام احمد نے کتاب الایمان میں عطاء بن ابی رباح وغیرہ کے طرق سے روایت کیا ہے اور امام ابوالحسن اشعری نے بھی مقالات طوائف اسلامیہ میں لکھا ہے کہ یہ قول متعدد صحابہ سے منقول ہے، اور سلف میں عام طور پر زبان زد تھا (کما نقل عنہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فی کتاب الایمان)

Marfat.com

کفر ہی ہے اور کفر ہی رہے گا۔ البتہ یہ کفر بھی مثل دیگر اعمال کفریہ کے عملی کفر ہے، نہ کہ کفرِ اعتقادی و مخرج عن الملت۔ اس کا کرنے والا ویسا ہی فعلِ کفر کا مرتکب ہوگا۔ جیسا نماز چھوڑ دینے والا مسلمان جس کے کفر پر صحابۂ کرام کو اتفاق تھا۔ "وکان اصحاب رسول اللہ صلعم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ" (ترمذی) "من الاعمال" کی قید اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عمل کی باتوں میں جو بات کفر ہو سکتی ہے وہ بات ترک صلوٰۃ سمجھی جاتی تھی لیکن بلاشبہ یہ وہ کفر نہیں ہے جو مخرج عن الملت ہے جیسا کہ ایک شخص اعتقاد کے اس دروازہ سے پلٹ نہ جائے جس دروازے سے اسلام میں داخل ہوا تھا اس وقت تک اس معنی میں کافر نہیں ہو سکتا "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء" اور حدیث صحیح میں ہے "اخرجوا من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من الایمان" (رواہ البخاری)

پس اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانا شریعت کے نزدیک ان انتہائی معاصی میں سے ہے جو عملی کفریات کا حکم رکھتی ہیں۔ اس لئے اس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر و مرتد کر دیتا ہے۔ اس کفر سے بڑھ کر عند اللہ کوئی برائی نہیں اور قریب ہے کہ اس کا مرتکب اس کفر کے حدود میں بھی داخل ہو جائے۔ کتاب و سنت میں جن جن

Marfat.com

لفظوں اور وعید و امتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے وہ عام معاصی و فسوق کے لئے کبھی اختیار نہیں کئے گئے اور وہ ایسے سخت و شدید ہیں کہ جس دل میں رائی برابر بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو اس کو لرزا دینے اور خوف الٰہی سے بدحال کر دینے کے لئے بس کرتے ہیں۔ اگر ایک مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں ہو گیا ہے تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کئے جا سکتے ہیں اُس سے سرزد ہو جا سکتے ہیں۔ مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھی دھیان بھی نہیں کر سکتا۔

قرآن میں "لعنت" اور "غضب" کا لفظ کفار و منافقین کے لئے مخصوص ہے۔ لعنت کے معنی یہ ہیں کہ رحمتِ الٰہی سے مہجوری اور ہر طرح کی کامیابیوں اور فلاح سے محرومی۔ یہودی ملعون و مغضوب ہوئے اور عزت و حکومت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ سورۂ احزاب میں منافقین پر لعنت وارد ہوئی "ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ" الخ چنانچہ وہ سب نابود و مخذول ہو گئے۔ کیونکہ ایمان و اسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد ہیں۔ وہ رحمت الٰہی کا مورد اور فلاح و مراد کا سرچشمہ ہے اس لئے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جہاں ایمان ہو وہاں لعنتِ الٰہی کا بھی ورود ہو سکے۔ احادیث میں جا بجا ایسے واقعات ملیں گے کہ سخت سے سخت معاصی و فسوق کا جن لوگوں سے

Marfat.com

ارتکاب ہو گیا تھا اُن پر بھی لعنت کرنے سے آنحضرت نے روکا۔

امام بخاری نے باب باندھا ہے "ما یکرہ من لعن شارب الخمر" یعنی جو مسلمان شراب پینے کی معصیت میں مبتلا ہو جائے اس پر لعنت کی ممانعت۔ اس میں عبداللہ ملقب بہ "الحمار" کا واقعہ بہ روایت حضرت عمر لائے ہیں۔ یہ شخص بار بار شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہو چکا تھا سزائیں پاتا تھا توبہ کرتا تھا پھر مبتلا ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ جب ماخوذ ہوا تو بعض مسلمان بول اٹھے "اللھم العنه، ما اکثر ما یؤتی به" اس پر خدا کی لعنت ہو لیکن آنحضرت نے نہایت سختی سے روکا "لا تلعنوہ" (وفی لفظ لا تلعنه) فواللہ ما علمت انه یحب اللہ ورسوله (وفی روایته۔ فانه یحب اللہ ورسوله) اس پر لعنت نہ بھیجو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ حافظ عسقلانی نے حافظ ابن عبدالبر کا قول نقل کیا ہے "انه اتی به اکثر من خمسین مرۃ" فتامل!

اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی روایت مندرجہ کتاب الدیات بخاری کہ ایک شخص اسی جرم میں ماخوذ ہوا اور اس کو پیٹنے کا حکم دیا گیا۔ کسی نے کہا۔ اخذاك اللہ "خدا تجھے رسوا کرے فرمایا "لا تقولوا ھکذا لا تعینوا علیه الشیطان"۔ اور سنن ابوداؤد میں ابن وہب کے طریق سے ہے "ولکن قولوا اللھم اغفر له۔ اللھم ارحمه" بد دعا نہ دو بلکہ یوں کہو۔

Marfat.com

خدایا اس پر رحم کر، خدایا اسے بخش دے! تلک دما اصلح فی ھٰذا المقام قول الشاعر العارف:

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباس بہار
بعذر خواہی رندان بادہ نوش آمد

لیکن صرف قتل مسلم ہی ایک ایسی معصیت ہے جس کے لیے قرآن نے "لعنت" اور "غضب" کے الفاظ استعمال کیے، اور احادیث میں بھی جا بجا لعنت و ملعون کا لفظ وارد ہوا۔ صرف اسی ایک بات سے فیصلہ کر لو۔ خواہ یہ فعل کفر قطعی و مخرج من الملت ہو یا نہ ہو، لیکن اللہ کی شریعت کے نزدیک اس کا ارتکاب کس درجہ مبغوض و ملعون ہے؟ اور جو مسلمان اس کا ارتکاب کرتا ہے، وہ اللہ کے حضور کس طرح اپنے اسلام و ایمان کی ساری رحمتیں اور برکتیں کھو دیتا ہے؟

ثالثاً اس باب میں فیصلہ کن حدیث وہ ہے جس کو ہم نے بہ اتباع تبویب بخاری، اس فصل کا عنوان قرار دیا ہے۔ اور جس کو امام موصوف اور امام مسلم نے مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے۔ یعنی "من حمل علینا السلاح فلیس منا" (رواہ ابن عمر، و سلمہ، و ابو موسیٰ الاشعری، و فی روایت سلمہ "من سل علینا السیف") جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے میں ہتیار اٹھایا۔ یعنی حملہ کیا یا لڑائی کی، وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔"

Marfat.com

• ومعنی الحدیث حمل السلاح علی المسلمین لقتالهم به بغیر حق (فتح ۱۳: ۲۰)

یہ حدیث نہایت اہم ہے، اور من جملہ قواعد و کلیات شریعت کے ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا۔ اور امام مسلم کتاب الایمان میں لائے۔ تاکہ حقیقت ایمان و کفر کی تحقیق میں اس سے مدد لیں، اور حافظ نووی نے ایک مستقل عنوان قرار دے کر باب باندھا۔

"لیس منا" کے معنی ہیں "ہم میں سے نہیں ہے" یعنی ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کے طرز تکلم و خطابات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "لیس منا" وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو ان موقعوں پر آپ استعمال فرماتے تھے۔ جہاں عمل کو قطعی کفر تو نہ کہہ کر کفر سے کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا مقصود ہوتا تھا۔ عام

له احادیث میں بعض اعمال کی نسبت "لیس منا" آیا ہے اور بعض کی نسبت "لیس منی" جیسے "النکاح من سنتی فمن رغب عنها فلیس منی" دونوں میں فرق ہے "لیس منا" میں جمع کا صیغہ ہے جس سے مقصود امت ہے۔ اور "لیس منی" میں اپنی ذات خاص کا ذکر ہے۔ جس سے مقصود ترک سنت ہے۔ پس جن احادیث میں "لیس منا" کی وعید آئی ہے ان سے مقصود خروج از ملت ہوگا جو کفر ہی کا نتیجہ ہے، اور جن میں "لیس منی" ہے ان سے مقصود صرف ترک اتباع سنت و اسوۂ نبوت ہوگا۔

Marfat.com

معاصی و فسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی جن جن احادیث میں یہ لفظ آیا ہے اُن سب پر غور کیا جائے، اور ایمان و کفر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش نظر ہو جو اوپر گزر چکی، تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔ پس کچھ ضروری نہیں ہے کہ "لیس منا" کے یہ معنی کئے جائیں کہ "لیس علی ھدینا" یا ظاہر منطوق کو چھوڑ کر کوئی اور تاویل کی جائے۔ یا نفی کو نفی کمال پر محمول کیا جائے۔

صاحب شریعت نے جن کاموں کے لئے جو احکام دئے اور جو الفاظ استعمال کئے ہمیں حق نہیں ہے کہ تاویل و توجیہہ کرکے اُن کے لغوی مفہوم کا اصلی زور و اثر گھٹانے کی کوشش کریں۔ ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں اُنہوں نے مسلمانوں کو اسلام و ایمان کی عملی زندگی سے محروم کر دیا۔ یہ جو آج تمام عالم اسلامی میں تقریباً دو تہائی مسلمان عملاً ایک قلم مرجیانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اگرچہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں، اور اسلام کی تعریف میں "عمل بالارکان" کا لفظ صرف درسی کتب عقائد کے صفحات پر رہ گیا ہے، عمل میں اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا، تو اس کے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی بدعت تاویل ہے۔ اسی بدعت کی وجہ سے اعمال کی اہمیت و مطلوبیت بالکل جاتی رہی اور اب سارا اسلام کا مدار و مدار صرف چند جزئیات عقائد کے تحفظ

Marfat.com

ونزاع پیدا ہو گیا۔ یہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا ہی فاسق وفاجر ہو، لیکن اگر چند نزاعی عقائد میں ہمارا ہم داستان ہوتا ہے تو ہم اُس کو دنیا کی سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے ہیں؟ اور ایک شخص کتنا ہی صاحب عمل وصلاح ہو، لیکن اگر چند اخلاقی جزئیات عقائد میں ہم سے متفق نہیں، تو پھر اُس سے زیادہ شر البریہ ہماری نظروں میں اور کوئی نہیں ہوتا؟ وہی عملی مرجیت وجہمیت اگرچہ زبان سے ادعاء اتباع سنت وسلف!

یہی وجہ ہے کہ ائمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا، اور اُن تمام راہوں سے بچتے رہے جو رائے اور تعمق کی بدعتوں تک لے جانے والی تھیں۔ اسی حدیث کی نسبت امام نواوی اور حافظ عسقلانی وغیرہما لکھتے ہیں" وکان سفیان بن عیینہ یکرہ قول من یفسرہ بلیس منا بلیس علیٰ ھدینا، ویقول بئس ھذا القول۔ یعنی بل یمسك عن تاویلہ" (شرح مسلم مطبوعہ احمدی: ۶۹ وفتح الباری ۳: ۲۰۰)

یعنی سفیان بن عیینہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ "لیس منا" کی تفسیر یوں کی جائے کہ "لیس علی ھدینا"۔ وہ اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے کہ کیا ہی بُرا قول ہے۔ مقصود اُن کا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرنی چاہیئے۔

اسی طرح شیخ عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں امام سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے:-

Marfat.com

"ومن الادب اجراء الاحاديث التی خرجت مخرج الزجر والتنفیر علی ظاهرها من غیر تاویل، فانها اذا اولت خرجت من مراد الشارع، کحدیث: من غشنا فلیس منّا۔ ولیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعی بدعوۃ الجاهلیه فان العالم اذا اولها بان المراد لیس منا فی تلك الخصلۃ فقط ای وهو منا فی غیرها هان علی الفاسق الوقوع فیها، وقال مثل المخالفۃ فی خصلۃ واحدۃ امر سهل"۔

"لیس منا" کے صاف معنی یہ ہیں کہ "وہ ہم میں سے نہیں" یعنی مسلمانوں میں سے نہیں اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی کسی جماعت پر بطور جنگ و قتال کے ہتھیار اٹھانا ایک ایسا فعل ہے جس کے کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں رہتا۔

اقسام ثلاثۂ قتل مسلم وحمل سلاح

البتہ واضح رہے کہ قتل مسلم وحمل سلاح کی متعدد صورتیں ہیں، اور ہر صورت کا حکم شرعی دوسرے سے مختلف ہے؛

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے، لیکن اس فعل کو جائز نہ سمجھے۔ اس کی حرمت کا معترف ہو، اور اس کے ارتکاب پر شرمندہ و متاسف،

Marfat.com

تو اس کا حکم وہی ہے جو گزشتہ فصل میں گزر چکا یعنی وہ عملی کفر ہے مگر اس کا کرنے والا ملت سے خارج نہیں ہو جائے گا۔ دنیا میں اسلام کے قومی احکام و معاملات اس پر جاری ہوں گے۔ عاقبت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ قاتل مسلم کی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں خود صحابہ سلف سے اختلاف منقول ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی کہ سورۂ فرقان میں ہے: والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ۔ پھر فرمایا الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام معاصی کی طرح قتل نفس کے مرتکب کی توبہ بھی مقبول ہو سکتی ہے لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس سے بخاری و مسلم وغیرہما میں مروی ہے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل کرے اس کی توبہ مقبول نہیں۔ وہ فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا الخ کے یہی معنی کرتے ہیں کہ "لا توبۃ لہ" اور صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباس سے "الا من تاب" الخ کی نسبت پوچھا گیا تو کہا "ھذہ مکیۃ نسخھا آیۃ مدنیۃ التی فی النساء" یعنی اس آیت کو سورۂ نسا کی آیت "من یقتل مومنا" نے منسوخ کر دیا۔ پس قبولیت توبہ پر اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ مسلم کی روایت زیادہ مفصل ہے: لما انزلت التی فی الفرقان قال مشرکو

Marfat.com

مکہ قد قتلنا النفس ودعونا مع اللہ الہا اخر واتینا الفواحش فنزلت الا من تاب وامن الخ ۔ قال فہذہ لاولئک، واما التی فی النساء، فہو الذی قد عرف الاسلام ثم قتل مومنا متعمداً، فجزاءہ جہنم لا توبۃ لہ "یعنی جب سورۂ فرقان کی آیت والذین لا یدعون مع اللہ الہا اخر ولا یقتلون النفس اُتری تو مشرکین مکہ نے کہا ہم تو یہ سب کام کر چکے ہیں۔ اب مسلمان ہوئے بھی تو نجات کب ملے گی؟ اس پر یہ آیت اُتری کہ" الا من تاب وامن "یعنی ہاں۔ لیکن جس شخص نے توبہ کی، ایمان لایا، اچھے کام کئے، تو اللہ اُس کی برائیوں کو محو کر دے گا۔ لیکن" من یقتل مومناً "والی آیت مشرکین کے لئے نہیں ہے مسلمانوں کے لئے اُتری ہے۔ یعنی جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مسلمان کو قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے اور اس کے لئے توبہ نہیں۔ انتہٰی۔

اور امام احمد وطبرانی نے سالم بن ابی الجعد سے بطریق یحیی الجابر، اور نسائی وابن ماجہ نے بطریق عمار ذہبی روایت کی ہے۔ ایک شخص نے ابن عباس سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا" لقد نزلت فی اخر ما نزل وما نسخہا شئ حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما نزل وحی بعد رسول اللہ ؐ"، اس پر سائل نے کہا" أفرأیت ان تاب وامن وعمل عملا صالحاً ثم اہتدی؟ "کہا" وانی لہ التوبۃ والہدی؟ "یہ لفظ یحیی الجابر کا ہے

نسائی و ابن ماجہ کے الفاظ بھی قریب قریب ایسے ہی ہیں۔ حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباس سورۂ فرقان کی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اور اس بارے میں آخر تنزیل سورۂ نساء کی آیت "فجزاءھم جہنم خالداً فیھا" ہے۔ اور اس لئے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کے لیے توبہ نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابن عباس کا مذہب کئی پہلوؤں سے قوی نظر آتا ہے۔

اوّل تو اس بنا پر کہ سورۂ نساء کی آیت کا منطوق عدم قبولیت کے لئے ظاہر و نص ہے خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور منطوق مفہوم پر مقدم ہے جب تک اس کے خلاف کوئی سبب قوی موجود نہ ہو۔ کما تقرر فی الاصول۔

ثانیاً یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کی آیت نے اس کو منسوخ کر دیا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آیۂ فرقان مکی ہے اور آیۂ نساء مدنی۔ خود ترجمان القرآن اور حبر الامت یعنی ابن عباس شہادت دے رہے ہیں کہ "نزلت فی آخر ما نزل وما نسخھا شیٔ" اور معلوم ہے کہ ناسخ کیلئے تقدم زمانی ہونا ضروری ہے۔

ثالثاً دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں ہے کہ متاخرین کا مصطلحہ نسخ مانا جا سکے دونوں کا مورد الگ الگ ہے پس اگر نسخ ہو سکتا ہے تو سلف کی اصطلاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا۔ یعنی عام و خاص کا نسخ، بسورۂ فرقان

Marfat.com

کی آیت میں ذکر کفار کا ہے اور حکم بھی جو دیا گیا ہے وہ انہی کفار کی نسبت ہے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں۔ اور چونکہ "الایمان یہدم ما قبلہ" ہے۔ یعنی اسلام تمام پچھلی برائیوں کو نابود کر دیتا ہے، اس لئے جب شرک سے توبہ ہو سکتی ہے تو قتل نفس سے کیوں نہ ہو؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، ان میں کون تھا جس نے خود مسلمانوں سے قتال نہیں کیا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ "الا من تاب" کے بعد "وامن" کا لفظ بھی موجود ہے۔ یعنی توبہ کی اور ایمان لایا۔ جس سے واضح ہو گیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ ہے، نہ کہ ایک مومن کی توبہ معصیت بعد از اسلام۔ سورۂ فرقان کا آخری رکوع "وعباد الرحمٰن" سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل و مورد واضح ہو جائے گا۔ وہاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی و ایمانی اوصاف کا ہے۔ انہی میں ان اوصاف کو بھی داخل کیا ہے کہ "نہ تو شرک کرتے ہیں، نہ کسی نفس کو قتل کرتے ہیں، نہ زنا کا ان سے ارتکاب ہوتا ہے"۔ پھر بتایا ہے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے ہیں، یہ وہ برائیاں ہیں جن کا نتیجہ عذاب جہنم ہے۔ اس کے بعد فرمایا "الا من تاب وامن"۔ ہاں، لیکن جو لوگ مسلمان ہو جائیں، تو انھوں نے کفر کی حالت میں اس طرح کے جس قدر افعال کئے ان کا مواخذہ نہ ہو گا۔ اسلام ان کی برائیوں سے آلودہ زندگی کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دیگا۔

Marfat.com

پس اس آیت میں توبہ کفر کی قبولیت کا ویسا ہی ایک حکم ہے جیسا صدقہ مؤمنات میں وارد ہے۔ اس کو مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب حمل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق؟ اور اگر اس کا ذکر کسی دوسری آیت میں آیا ہے تو کیوں ناسخ و منسوخ ہونے کی ضرورت پیش آتی؟ دونوں صورتیں بالکل مختلف ہیں۔

لیکن سورہ نسا میں قتل نفس کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے یعنی اگر ایک مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کر ڈالے تو اس کا کیا حکم؟ فرمایا جزاء جہنم خالدا فیھا چنانچہ اس آیت سے پہلے ہے۔ وما کان لمؤمن ان یقتل مومنا الا خطاء الخ پس زیادہ سے زیادہ دونوں آیتوں میں عام و خاص کا تعلق ہے۔ یعنی اس آیت نے آیت فرقان کی تخصیص کر دی اسی لئے حضرت ابن عباس نے کہا "نسختہا ایۃ من سنۃ فی النساء" کیونکہ سلف کی اصطلاح "نسخ" کا اطلاق ہر طرح کی تخصیص و تقیید پر ہوتا تھا۔ وہ معنی نہ تھے جو بعد کو اصولیوں نے قرار دیئے۔ اور اسی اختلاف حالت و حکم کو واضح کرنے کے لئے انھوں نے کہا "فہذہ لاولئک" یعنی آیت فرقان میں حکم کفار کے لئے ہے۔ اور امام بخاری کی روایت ابن جبیر بطریق شعبہ مندرجہ کتاب التفسیر میں کہا کانت ھذہ فی الجاھلیۃ" یہ حکم مشرکین جاہلیت کے لئے تھا نہ کہ مسلمانوں کے لئے۔

اور یہ جو انھوں نے کہا کہ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا

Marfat.com

یقتلون النفس الخ کے نزول پر مشرکین مایوس ہو گئے تھے، اس لئے "الا من تاب" اُتری، تو اس کی تائید مفسرین کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "نزلت فی قوم یئیسوا من التوبۃ" یعنی اُن لوگوں کے حق میں اُتری جو زمانۂ کفر کی بدعملیوں کی بخشش سے مایوس ہو گئے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نسا کی ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء اور سورۂ زمر کی آیۂ رحمت: یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ الخ وحشی قاتل حمزہ کے بارے میں اُتریں۔ وہ کہتا تھا کہ شرک میں ساری عمر کٹی، پیغمبر کے چچا کو قتل کیا۔ فواحش میں ہمیشہ مبتلا رہا۔ انہی تین بُرائیوں سے اجتناب کا خاص طور آیت فرقان میں ذکر ہے۔ اب اگر میں مسلمان بھی ہو گیا تو کیا فائدہ؟ مجھے تو نجات مل ہی نہیں سکتی۔ اس پر "الا من تاب وامن" اُتری اور پھر مزید بشارتِ اُمید کے لئے سورۂ نساء اور سورۂ زمر کی آیات نازل ہوئیں۔ تعجب ہے کہ بعض شارحین حدیث کو مذہب ابنِ عباس کی شرح و تطبیق میں مشکلات کیوں پیش آئیں؟ ان کا بیان تو بالکل صاف اور واضح ہے۔

رابعاً، احادیث سے بھی اس مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً امام احمد و نسائی کی روایت معاویہ بطریق ادریس خولانی مرفوعاً "کل ذنب عسی اللہ

ان یغفرہٗ الا الرجل یموت کافراً، او الرجل یقتل مومنا متعمداً"
یعنی تمام گناہ اللہ بخش دے سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو حالت کفر میں مرے، یا
وہ جس نے جان بوجھ کر مومن کو قتل کر ڈالا۔

باقی رہیں وہ احادیث جن میں وسعت رحمت، وعموم عفو و بخشش وعدم جواز
یاس وقنوط وغیرہ کا ذکر ہے، تو اس مذہب کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی
مثل تمام عمومات قرآن کے ہیں، جن کی تخصیص آیۂ نسا اور اس کی موید ات
فی السنت نے کر دی۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ قبل از اسلام معاصی کی
بخشش تو مسلم ہی ہے بحث بعد از اسلام ارتکاب قتل میں ہے۔ اسی طرح
اگر حدیث اسرائیلی "الذی قتل تسعۃ وتسعین نفساً ثم اتی تمام لمائۃ
ثم تاب" پیش کی جائے تو جواب یہ ہوگا کہ اس کا محل بھی توبہ اسلام ہے نہ کہ
توبہ مسلم اور وہ بھی مثل عمومات بشارات رحمت و بخشش کے ہے مخصصات
پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

غرضکہ اس مذہب کی قوت میں کوئی شبہ نہیں لیکن عام طور پر علما نے دوسرے
مذہب کو اختیار کیا یعنی قبولیت توبہ کو۔ اور خوارج و معتزلہ کے غلو کی وجہ سے
اہل سنت کا رجحان اسی کی طرف بڑھتا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا معاملہ
بڑا ہی سخت ہے۔ لیکن توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ چاہے
بخش دے چاہے نہ بخشے۔ اس میں شک نہیں کہ احتیاط حکم امید ہی میں ہے

Marfat.com

نہ کہ پیام یاس و قنوط ہیں۔ ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرك بہ و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء کے حکم کا عموم بڑا ہی اُمید افزا ہے۔ اور اگر اس پر نظر ڈالی جائے، تو کچھ شک نہیں کہ دوسرا مذہب ہی محتاط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل کو حلال سمجھے۔ اور اس پر نادم و متاسف نہ ہو۔ مثلاً کوئی مسلمان فوج ہو۔ وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا تو ہمارا کام ہی ہے۔ مسلمان سامنے ہوں گے تو انہی سے لڑیں گے۔ یعنی مسلمانوں پر تلوار اُٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ یا یوں سمجھیں کہ ہمارے مالکوں کا یہی حکم ہے ہم نے ان کا نمک کھایا ہے، اس لئے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیئے یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلا کر حکم دے کہ مسلمانوں کو قتل کر دو۔ تو قتل کرتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں۔ تو اس صورت میں تمام اُمت کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً و حتماً کافر ہے یعنی اُس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ اس کا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے۔ دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے اور اس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ یہ حکم خاص اس مسئلہ ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہر محلل حرام غیر ماول کے لئے یہی حکم ہے۔

(۳) تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھ ہو کر اُن کی فتح و نصرت کے لئے مسلمانوں سے لڑے، یا لڑائی میں اُن

Marfat.com

کی اعانت کرے۔ اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو تو وہ غیر مسلموں کا ساتھ دے۔ یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے، اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہو جانے کی ایک ایسی اشد حالت جس سے کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے وہ سارے گناہ، ساری معصیتیں، ساری ناپاکیاں، ہر طرح اور ہر قسم کی نافرمانیاں، جو ایک مسلمان جسم و دنیا میں کر سکتا ہے، یا ان کا تصور دھیان میں آسکتا ہے، سب اس کے آگے ہیچ ہیں۔ جو مسلمان اس کا مرتکب ہو وہ قطعاً کافر ہے اور بدترین قسم کا کافر۔ اس کی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔ اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے، بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنانِ حق کی اعانت و نصرت کی ہے۔ اور یہ بالاتفاق و بالاجماع کفر صریح و قطعی مرتدانہ عمل ہے۔ جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی، تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہ سکتا ہے؟

واقعۂ امام حسین علیہ السلام

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر سلطانِ اسلام کو خلیفہ مان لینا

Marfat.com

چاہیئے گو نا اہل ہو، تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید بن معاویہ کی حکومت کے خلاف کیوں خروج کیا؟ اور کیوں اُن کو برسرِ حق اور شہید ظلم و جور تسلیم کیا جاتا ہے؟

پس گو بحث کے اس حصے کا طول بقیہ مطالب کی تشریح میں مخل ہوگا، لیکن چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے، اس لئے صاف کر دینا ضروری ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت امام حسینؓ اس حالت میں لڑے، جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالبِ خلافت تھے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں اُنھوں نے واقعۂ کربلا کا دقتِ نظر کے ساتھ مطالعہ نہیں کیا۔ حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہو جانا عجیب نہیں۔ حضرت امام جب مدینہ سے چلے، تو ان کی حیثیت دوسری تھی۔ جب کربلا میں حق پرستانہ لڑ کر شہید ہوئے، تو اُن کی حیثیت دوسری تھی۔ دونوں حالتیں مختلف ہیں، اس لئے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف۔

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی، نہ اہم مقامات و مراکز نے اُس کو خلیفہ تسلیم کیا تھا، نہ اہلِ حل و عقد کا اس پر اجماع ہوا تھا۔ ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہلِ مدینہ کی رہی ہے، پھر حضرت علی کے زمانہ میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخلافہ

Marfat.com

بنا۔ اہل مدینہ اس وقت تک متفق نہیں ہوئے تھے کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یک قلم مخالف تھی اور حضرت امام حسین سے بیعت کرنے کے لئے پیہم اصرار و الحاح کر رہی تھی۔ انھوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی، بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمران سے خالی ہو چکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، ایک بہت بڑی مرکزی و مؤثر آبادی (یعنی کوفہ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کر لیا۔ البتہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نا اہل کی حکومت سے اُمت کو بچایا جائے۔

اگر کہا جائے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعاً اولاد کی ولی عہدی کوئی شئے نہیں ہے۔ اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے۔ یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا ہو لیکن جب تک اس کی خلافت بالفعل قائم نہ ہو جاتی صرف یہ بات کوئی حجت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا "لا ابایع لامیرین" میں دو امیروں سے یک وقت بیعت نہ کروں گا۔ یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لئے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جس کی شرعاً کوئی اصل نہیں (رواہ ابن حبان و نقلہ

Marfat.com

فی الفتح ؎

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے تمام اہلِ کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کر چکے ہیں، اور سرزمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرت امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہو چکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ معاملہ خلافت سے دستبردار ہو گئے، اور فیصلہ کر لیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں۔ لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کر لیا۔ اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا۔ وہ اس پر بھی آمادہ ہو گئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہِ راست یزید سے اپنے معاملہ کا فیصلہ کرا لیں، مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا۔

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں۔ یا اپنے تئیں مع اہل و عیال، قید کرا دیں یا مردانہ وار لڑ کر شہید ہوں۔ شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھ اپنے تئیں قید کرا دے۔ پس انھوں نے دوسری راہ کمال عزیمت دعوت کی اختیار کی اور خود فروشانہ لڑ کر حالتِ مظلومی و مجبوری میں شہید ہوئے۔

پس جس وقت کربلا میں میدانِ کارزار گرم ہوا ہے، اُس وقت حضرت امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے۔ نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے۔ اُن کی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جس کو ظالموں کی فوج

Marfat.com

ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو زندہ گرفتار کرا دینا پسند نہیں کرتا۔ اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سروسامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلا دے۔ تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے جس کو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنتہ جلد ۲ کا مطالعہ کرے۔

شرطِ قرشیت

مندرجہ بالا فصول سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انتخاب خلیفہ و امام کیلئے متعدد شرطیں ہیں۔ از انجملہ ایک عرصہ تک علما کی رائے رہی کہ خلیفہ کو خاندان قریش میں سے ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر امت کے لئے انتخاب کا موقعہ باقی نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کر لینے کے لئے بجز اسلام اور انعقاد حکومت (یعنی حکومت کے جما ؤ اور جگہ پکڑ لینے) کے اور کوئی شرط نہیں ہے۔ خلفائے راشدین کے بعد جامع الشروط سلسلہ خلافت کوئی بھی قائم نہ ہوا۔ بنو امیہ و عباسیہ میں اگر ایک شرط قرشیت کی پائی جاتی تھی تو اور بہت سی اہم شرطیں مفقود تھیں۔ مثلاً پہلی شرط یہ ہے کہ حکومت تلوار کے زور سے نہ منوائی جائے بلکہ امت کے انتخاب و اجماع سے ہو۔ سو یہ شرط کسی کی خلافت میں بھی نہ تھی۔ پھر خلیفہ کو عادل و منصف ہونا چاہیئے۔ حکومت نظام شوریٰ کے

Marfat.com

ساتھ کرنی چاہیئے۔ سنتِ رسول اور سنتِ خلفاؓ راشدین پہ عامل ہونا چاہیئے بجز عمر بن عبد العزیزؒ کے کوئی بھی ان سب کا جامع نہ تھا۔ عباسیہ کے بعد حکومت عجمیوں کے ہاتھ آئی۔ پھر مصر کے عباسی خلفاؓ کے بعد ترکوں کا خاندان عثمانیہ خلافت پہ قابض ہوا۔ آخری مصری خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ہاتھ پہ بیعت کی۔ یہ خلافت بلا نزاع آج تک قائم اور تمام عالمِ اسلامی کے لئے شرع و امت کا مرکزی اقتدار ہے۔ اگر بنو امیہ و عباسیہ میں پانچ شرطیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ تو اُن میں سات نہ سہی۔ یعنی یہ عرب بھی نہیں اور قریشی بھی نہیں۔ لیکن چونکہ سوال خلیفہ کے انتخاب کا نہیں ہے بلکہ ایک قائم و نافذ خلافت کے ماننے کا، اس لئے شرائط کی بحث کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

منجملہ شروطِ خلافت کے ایک متفق علیہ شرط حریت کی ہے یعنی خلیفہ آزاد ہو غلام نہ ہو۔ مصلحت و ضرورت بھی اس کی ظاہر ہے، مگر معلوم ہے کہ تمام دُنیا کی تاریخ میں صرف مسلمانوں ہی کی تاریخ اس کی نظیر پیش کر سکتی ہے کہ غلاموں نے امامت کی ہے، بادشاہت کی ہے، اور تمام سادات و قریش اور شرفاء عرب و عجم نے ان کے آگے اطاعت کا سر جھکایا ہے۔ خود حدیث میں وارد ہے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبہ" اور روایت ابوذر عند مسلم کہ " وان کان عبد الجدع الاطراف" اور روایت ابن حصین کہ " ولو استعمل

Marfat.com

علیکم عبد یقود کم بکتاب اللہ، اسمعوا لہ واطیعوا۔ یعنی اگر ایک ذلیل سے ذلیل حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو جائے تو اُس کی سنو اور اطاعت کرو۔ حافظ نواوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:" والمراد اخس العبید۔ ای اسمع واطیعوا ان کان دنی النسب، حتی لو کان عبد اسود مقطوع الاطراف، فطاعتہ واجبۃ، ویتصور امامۃ العبد اذا ولاہ بعض الائمۃ، او یغلب علی البلاد بشوکتہ واتباعہ، ولا یجوز ابتداء عقد الولایۃ لہ مع الاختیار، بل شرطہا الحریۃ۔" (جلد ۲: ۱۲۵) یعنی یہ جو فرمایا کہ اگرچہ حبشی غلام ہو تو مقصود اس سے یہ ہے کہ اگرچہ امیر نہایت ذلیل نسب و خاندان کا ہو، لیکن اگر خلیفہ ہو گیا ہے تو اطاعت کرو، اور اسی بنا پر غلام امیر ہو سکتا ہے اگر کسی امام نے مقرر کر دیا ہو۔ یا خود وہ شہروں پر غالب آکر مسلط ہو گیا ہو۔ البتہ جائز نہیں کہ ابتدا میں کسی غلام کو امیر منتخب کیا جائے کیونکہ آزاد ہونا شرائط امامت میں سے ہے۔" اور فتح الباری میں ہے " لو تغلب حقیقۃ بطریق الشوکۃ فان طاعتہ تجب اخماد اللفتنۃ " (۱۳: ۱۰۹)

جب غلبہ و تسلط کی صورت میں خود حافظ نواوی (جو شرط قرشیت کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ہیں) نص حدیث کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ایک دنی النسب خسیس الحال حبشی غلام امیر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ آزاد ہونا شرط ابتدائی ہے، تو پھر ظاہر ہے کہ ایک غالب و مسلط خلیفہ کی خلافت

Marfat.com

کے لئے شرطِ قرشیت کا موجود نہ ہونا کیوں مخل ہو۔ اگرچہ قرشیت ایک شرطِ ابتدائی مان لی جائے؟

پس یہ مان لینے کے بعد بھی کہ قرشی ہونا شرائط شرعیہ میں سے ہے، ترکانِ عثمانی کی خلافت مسلمہ و منعقدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور شرائط کی پوری بحث موجودہ مسئلہ سے یک قلم غیر متعلق ہے تاہم تحقیق مقام کے خیال سے بہتر ہوگا کہ اس شرط کی حقیقت پر بھی ایک فیصلہ کن نظر ڈالی جائے۔

الائمۃ من قریش
تحقیق امارتِ قریش و شرطِ قرشیت

جہاں تک قرآن و سنت، آثارِ صحابہ، اور تمام دلائل شرعیہ و عقلیہ کا تعلق ہے، کوئی نص قطعی موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملۂ خلافت و امامت صرف خاندان قریش کے لئے شرعاً مخصوص کر دیا ہے۔ احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں، سب صحیح ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر نے مجمع صحابہ میں اس کو پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا یہ بھی درست ہے کہ صحابہ میں ہمیشہ اس بات کی شہرت رہی اور یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک خاندانِ عباسیہ باقی رہا، لوگ اس کو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے۔ بایں ہمہ ان ساری باتوں کی حقیقت وہ نہیں ہے جو اب سمجھی جاتی

Marfat.com

ہے۔ ان ساری باتوں کے سچ ہونے کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے، نہ کسی خاندان میں۔ اسلام جو اس طرح کی تمام قومی و نسلی امتیازات مٹانے اور ہمیشہ کے لئے صرف انسانیت کی بے قید و عام عظمت کو قائم کر دینے، اور "عمل" کے قانونِ الٰہی کے آخری اعلان کے لئے آیا تھا، اُس کے نام سے ساری باتیں مان لی جا سکتی ہیں لیکن اس کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اُس نے خاندان و نسل کا کوئی امتیاز تسلیم کیا ہو۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا ہو، اُسی کے ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سرِ نو ایک نیا بت خانہ قائم کر جائے؟

تفصیل و دلائل کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ہر اُس شخص پر جو اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، روشن ہے کہ ہر طرح کی نسلی و خاندانی امتیازات کے مٹانے میں اسلامی احکام و اعمال کا کیا حال رہا ہے؟ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا جن کے غرورِ قوم و نسب کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک چرواہا اپنے نسبی و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسریٰ کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتا تھا۔ عرب کے علاوہ بقیہ دنیا بھی طرح طرح کے قومی و وطنی امتیازات کی پرستش کر رہی تھی۔ اسلام نے اپنی دعوت کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی غرورِ نسل و قوم کے بت پر لگائی، اور اللہ کے اس قانونِ فطرت کی

Marfat.com

عام منادی بلند کی کہ: یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ، وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۴۹ : ۱۳) یعنی بنیاد ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی صرف عمل ہے، اور کوئی شے نہیں قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اس لیے ہے کہ باہم دگر پہچان اور تمیز کا ذریعہ ہو۔ اس لئے نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلائے۔ سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اور فرمایا: لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ، وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ — (۵۳ : ۴۰) ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے، اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اس کی کوشش اور اس کا عمل ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زندگی بھر قول و فعل یہ رہا کہ "لیس منا من دعیٰ الی عصبیۃ" اور "لیس منا من قاتل علیٰ عصبیۃ" اور "لیس منا من مات علیٰ عصبیۃ" یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب کی طرف لوگوں کو بلائے وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے جائے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر لوگوں سے جنگ کرے! دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام اُمت کو سنایا، اس میں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی۔ یعنی نوعِ انسانی کی عام مساوات کا اعلان: لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی

Marfat.com

کلکم ابناء آدم " (شیخان) اور فرمایا " لیس لاحد فضل علی احد الا بدین وتقویٰ۔ الناس کلھم بنو آدم، و آدم من تراب " (رواہ الجماعہ) یعنی اسلام کا ظہور و قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہمدگر برابری کا اعلان ہے۔ اب نہ کسی عرب کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عرب پر ملک و قوم کی وجہ سے فضیلت مل سکتی ہے۔ سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور وہی سب سے بڑا ہے جو عمل میں بڑا ہوا

معمورۂ دیے اگر ت ہمت باز گوئے

کیں جا سخن بہ ملک فرید دل سے رود

عملاً یہ حال تھا کہ آپ نے اپنی زندگی میں سب سے آخری فوجی مہم جو بھیجی، اس کی سرداری اسامہ کو دی جن کے والد زید آپ کے غلام تھے بعض ظاہر بینوں پر یہ بات گراں گزری تو فرمایا " نقد طعنتم فی امارۃ ابیہ زید کان لہا اھلاً، وان اسامہ لہا اھل " تم لوگ پہلے زید کی سرداری پر بھی طعن کر چکے ہو، حالانکہ وہ اس کام کا اہل تھا اور اب اسامہ سردار بنایا گیا ہے اور وہ اس کام کا اہل ہے" اہل " کے لفظ پر زور دیا۔ یعنی طعن بیکار ہے۔ کیونکہ بنیاد معاملۂ امارت و سرداری کی صرف اہلیت و قابلیت ہے۔ اور کچھ نہیں۔ حضرت عائشہ کا قول مشہور ہے " لو کان زید حیاً، ما استخلف رسول اللہ غیرہ " اگر آنحضرت کے غلام زید زندہ رہتے تو آپ ان کے سوا اور کسی کو اپنا جانشین نہ بناتے۔ اسامہ کو جس لشکر کی سرداری دی

Marfat.com

گئی تھی اجلانتے ہو اس میں کیسے کیسے لوگ شریک تھے ؟ بڑے بڑے

؎ (حاشیہ صفحہ ۱۴۹) اللہ اللہ! اس بارے میں اسلام و پیروان اسلام کے معاملات کیسے عجیب و غریب رہ چکے ہیں؟ آج مسلمانوں کو جو طرح طرح کے خاندانی امتیازات و تفریقات کی بت پرستانہ پرستش کر رہے ہیں، کیونکر یاد دلایا جائے کہ کسی زمانے میں اللہ اور اس کے رسول کے رشتہ کے سوا نہ کوئی رشتہ مقبول تھا، نہ عمل کی بزرگی کے سوا کوئی بندگی تسلیم کی جاتی تھی۔ حضرت عمر کا ایک واقعہ انہی اسامہ کی نسبت ناقابلِ فراموش ہے۔ اُن کے لڑکے عبداللہ نے ایک بار شکایت کی کہ تقسیم اموال میں اسامہ بن زید سے مجھے کم درجہ پر کیوں رکھا جاتا ہے؟ حضرت عمر نے کہا: کان ابوہ احب الی رسول اللہ من ابیک وکان احب الی رسول اللہ منک" اس لئے کہ تیرے باپ سے زیادہ اُس کا باپ اللہ کے رسول کو پیارا تھا۔ اور اس لئے کہ وہ خود بھی تجھ سے زیادہ رسول اللہ کے نزدیک محبوب تھا یعنی بنائے استحقاق ہماری آپس کی رشتہ داریاں نہیں ہو سکتیں۔ اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک جو محبوب ہو وہی سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اور اسی کو ہر طرح کی بڑائی پہنچتی ہے۔ ویسے صدہا واقعات اُن عہدوں میں گذر چکے ہیں۔ اسلام نے یہ انقلاب اُس ملک میں پیدا کر دیا تھا جہاں کا بچہ بچہ غرور نسل و خاندان کے نشہ میں بدمست رہتا تھا۔ جو مغرور قریش کل تک قبائل یثرب کے شرفا کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں اُن سے مقابل ہوں وہ اب غلاموں اور غلام زادوں کی سرداری بھی مان لینے کے لئے بلا چون و چرا طیار ہیں۔ سلطانِ اسلام کے لڑکے کے استحقاق پر ایک غلام زادہ کو ترجیح دی جا رہی ہے، وہ گردن جھکا دیتا ہے اور تسلیم کر لیتا ہے!

Marfat.com

مہاجرین و قریش اور سادات عرب جن میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق کا نام نظر آتا ہے۔ وہی ابوبکرؓ جو چند دنوں کے بعد رسول اللہ کے جانشین اور تمام امت کے امیر ہونے والے ہیں!

بندۂ عشق شدی، ترک نسب کن جامی
کیں دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست!

بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی (رض) کا جو حال تھا، معلوم ہے۔ بلال کو عمر فاروق جیسے قرشی نے "ہمارا آقا و سردار" کہا۔ اور صہیب کو دیکھتے تو کہتے "نعم العبد صہیب! لو لم یخف اللہ لم یعصہ" صہیب اللہ کا کیا نیک بندہ ہے اگر خوفِ عذاب نہ ہوتا جب بھی اس کی فطرت بدی پر مائل نہ ہوتی! مرنے کے وقت وصیت کی کہ نماز جنازہ وہی پڑھائیں۔ سلمان کا یہ حال تھا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے "سلمان منا اھل البیت" سلمان تو ہم اہل بیت نبوت میں سے ہے! اسی چیز کا نتیجہ تھا کہ ایک صدی کے اندر ہی اندر عرب کی نسلی عصبیت کا نام و نشان باقی نہ رہا، اور وہ زمانہ آگیا۔ جب بندگی و فضیلت کے ہر میدان میں سرداری و ریاست عجمیوں اور غلام زادوں کے ہاتھ میں تھی۔ عرب اُن کے علم و عمل کے آگے اسی طرح جھک گئے تھے۔ جس طرح ایک قرشی و ہاشمی کے آگے جھک سکتے تھے۔ حتیٰ کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کو امام زہری سے کہنا پڑا۔ "واللہ لیسودن الموالی العرب ویخطب لھم علی

Marfat.com

المنابر دالعرب تحتھم ا* (عقد الفرید)

پھر کیا ایسی حالت میں ایک لمحہ کے لئے بھی باور کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا داعی تمام دنیا کو تو قومی و نسلی امتیازات کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہو اور مساواتِ عامہ کی طرف بلا رہا ہو، لیکن (نعوذ باللہ) خود اس درجہ خود غرض ہو کہ قیامت تک کے لئے پادشاہی و خلافت صرف اپنے ہی خاندان کے لئے مخصوص کر دے؟ وہ تمام نوع انسانی سے کہے کہ تمہارے سارے بنائے ہوئے حق جھوٹے ہیں۔ سچا حق صرف عمل اور اہلیت کا ہے لیکن خود اپنے لئے یہ کر جائے کہ نہ تو عمل اور نہ اہلیت، بلکہ صرف ملک، صرف قوم، صرف نسل، اور صرف خاندان؟

کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی عجیب بات ہو سکتی ہے؟

خیر یہ بات کتنی ہی عجیب ہوتی، لیکن ہم بلا تامل باور کر لیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ٹھیک ثابت ہوتی۔ ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت ہو۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ ہماری نارسا سمجھ اس کا احاطہ و ادراک بھی کر سکے لیکن استعجاب کی ساری بنیاد ہمارا عقلی و قیاسی استبعاد نہیں ہے۔ یہی ہے کہ کسی نص سے ایسا ثابت نہیں اور چونکہ ثابت نہیں، اس لئے ہم کو یقین ہے کہ اسلام کے لئے کوئی ایسی بات ثابت بھی نہیں

Marfat.com

ہونی چاہئے۔

شارع کے بیانات، انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع ہوئے ہیں۔ از انجملہ ایک صورت احکام و اوامر اور تشریع کی ہے یعنی بحیثیت شرع و دین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا۔ دوسری صورت اخبار و اطلاعات کی ہے۔ یہ دوسری صورت مجرد بیان واقعہ و حال ہے، اور اگر آئندہ کی نسبت ہے تو پیشین گوئی ہے۔ حکم اور تشریع نہیں ہے۔ یعنی صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہئے

قریش کی خلافت کی نسبت جس قدر روایات موجود ہیں، سب دوسری قسم میں داخل ہیں نہ کہ پہلی قسم میں۔ اور جب اس حدیث کے تمام طریقوں اور لفظوں کو جمع کر کے دیکھا جائے، تو بلا کسی اضطراب کے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔

(۱) یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، ابو برزہ، کثیر بن مرہ، جابر بن عبداللہ جابر بن سمرہ معاویہ بن سفیان، وغیرہم، مختلف صحابہ سے مروی ہے، اور عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاری و مسلم نے اختیار کئے ہیں۔ لیکن کسی طریق و روایت میں بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ مقصود پیشین گوئی نہ تھا۔ تشریع و امر تھا۔

عن ابی ھریرۃ "الناس تبع لقریش فی ھذا الشان - مسلمھم لمسلمھم

Marfat.com

وکافرھم لکافرھم (مسلم) دوسرے طریق میں زیادہ وضاحت ہے "مسلمھم تبع لمسلمھم وکافرھم تبع لکافرھم" (مسلم) جابر کی روایت میں "الناس تبع لقریش فی الخیر والشر" ہے۔ امام نوادی اس کی شرح میں لکھتے ہیں معناً فی الاسلام والجاھلیۃ۔ لانھم کانوا فی الجاھلیۃ رؤساء العرب واصحاب حرم اللہ واھل الحج، وکانت العرب تنتظر اسلامھم، فلمّا اسلموا وفتحت مکہ، تبعھم الناس، وجاءت وفود العرب من کل جھۃ ودخل الناس فی دین اللہ افواجا" (جلد ۲: ۱۹) پس معلوم ہوا کہ اس حدیث کو مسئلۂ خلافت کے اختصاص و شرائط سے کوئی تعلق نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ عرب میں خاندانِ قریش حج کے اہتمام اور بیت اللہ کی ہمسائگی کی وجہ سے تمام قبائل کی بڑائی رکھتا تھا، اور ہر کام میں سب کی نظریں اُسی پر اُٹھتی تھیں۔ جب تک مکہ فتح نہ ہُوا اور قریش مسلمان نہ ہوئے، تمام عرب کے قدم رُکے رہے جونہی قریش مسلمان ہوئے، سب نے اُن کی پیروی کی، اور اپنے اپنے وفد بھیجنا شروع کر دئے۔ حتیٰ کہ تمام عرب مسلمان ہو گیا۔ پس فرمایا۔ "الناس تبع لقریش" لوگ جاہلیت اور اسلام، دونوں حالتوں میں قریش کے تابع ہوئے۔ وہ بگڑے رہے تو سارا عرب بگڑا رہا، وہ سنورے تو سب سنور گئے۔ اور یہ بالکل حق و معلوم ہے۔ ہمیشہ اور ہر ملک میں سردار جماعتوں اور بڑے لوگوں کا ایسا ہی اثر ملک و قوم پر ہوتا ہے۔ اچھی بری ہر طرح

Marfat.com

کی باتوں میں لوگ اُنہی کی پیروی کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی روایت سے یہی حدیث مسند امام احمد میں یوں مروی ہے "برالناس تبع لبرھم، و فاجرھم تبع لفاجرھم" اور بیہقی نے حضرت علی سے روایت کیا "کان ھذا الامر فی حمیر فنزعہ اللہ منھم وجعلہ فی قریش" لیکن اس سے یہ بات کیونکر ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کا خلیفہ بجز اُن کے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا؟ اسلام صرف عرب ہی کا اسلام نہ تھا جس کے سردار قریش تھے۔ اسلام تمام عالم کے لئے اسلام ہے۔ جس کی ریاست و سرداری صرف علم و عمل حق ہی کو مل سکتی ہے اور یہ سرداری اسلام ہی نے دلائی ہے!

(۲) امام بخاری نے جابر بن سمرہ سے بطریق شعبہ ایک اور حدیث روایت کی ہے "سمعت النبی صلعم یقول یکون اثنا عشر امیراً۔ فقال کلمۃ لم اسمعھا۔ فقال ابی انہ قال کلھم من قریش" یہ حدیث مختلف طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ہے صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے "لایزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلا۔ ثم تکلم النبی بکلمۃ خفیت علی۔ فسئلت ابی ماذا قال؟ فقال کلھم من قریش" اور حصین بن عمران کے طریق سے "ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشرۃ خلیفۃ" اور سماک بن حرب سے "لایزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفۃ" مروی ہے۔ شعبی

Marfat.com

کے طریق عند ابی داؤد میں ہے۔ "فکبر الناس وضجوا" اور اسماعیل بن ابی خالد من ابیہ سے اُسی میں ہے۔ "لا یزال ھذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ کلھم یجتمع الامۃ علیہ" طبرانی نے اسود بن سعید کے طریق سے اس پر زیادت کی "لا تضرھم عداوۃ من عاداھم" بعض طریق میں ہے "لا یزال ھذا الامر صالحاً" اور "ماضیاً" (رواھما احمد) اور بزار و طبرانی نے ابو جحیفہ سے روایت کی ہے۔ "لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش" یہی روایت ابوداؤد میں اس اضافہ کے ساتھ ہے فلما رجع الی منزلہ اتتہ قریش فقالوا ثم یکون ماذا؟ قال ثم یکون الھرج" حاصل تمام روایتوں کا یہ ہے کہ آپ آئندہ کی نسبت خبر دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ضرور ہے کہ بارہ خلیفہ ہوں۔ سب قریش سے ہوں گے۔ کسی دشمن کی دشمنی اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ جب تک یہ بارہ خلیفہ حکمران ہیں گے اسلام باعزت رہے گا، اور لوگ خوشحال۔

اس طرز بیان کی وضاحت نے ظاہر کر دیا کہ اس بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے، اس سے صرف آئندہ کی نسبت اطلاع دینا مقصود ہے۔ حکم و تشریع نہیں ہے۔ ہم نے تمام روایات و طریق نقل کر دئے کسی روایت اور طریق سے بھی ایسا لفظ ثابت نہیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے۔

(۳) ان سب کے بعد وہ حدیث آتی ہے جس کو امام بخاری نے

Marfat.com

باب الامراء من قریش" کی بنیاد قرار دیا ہے۔ تمام روایات کے ساتھ یہ حدیث سامنے رکھی جائے تو پوری طرح اصلیت روشن ہو جائے گی۔ امیر معاویہ کی مجلس میں ایک مرتبہ ذکر آیا کہ عبداللہ بن عمرو کہا کرتے ہیں:۔

"سیکون ملك من قحطان" قحطان میں سے ایک بادشاہ ہوگا۔ امیر معاویہ یہ سُن کر غضبناک ہوئے اور خطبہ دیا: بلغنی ان رجالاً منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ ولا تؤثر عن رسول اللہ" الخ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں کچھ لوگ ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں کہ نہ تو قرآن میں ہیں نہ رسول سے ثابت ہیں! "انی سمعت رسول اللہ یقول ان ھٰذا الامر فی قریش، لا یعادیھم احد، الا کبہ اللہ علی وجھہ ما اقاموا الدین" میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ یہ بات (یعنی حکومت) قریش ہی میں رہے گی جب تک وہ دین قائم رکھیں گے۔ جو اُن کی مخالفت کرے گا اُلٹا رسوا ہوگا یعنی کامیاب نہ ہوگا۔

اس روایت نے سارا معاملہ حل کر دیا۔ معلوم ہو گیا کہ ایک خاص وقت تک کے لئے یہ پیشین گوئی تھی، اور حرف بحرف پوری ہوئی۔ یعنی آپ نے بتلا دیا تھا کہ قریش میں جب تک دین قائم رکھنے کی قابلیت رہے گی حکومت اُنہی کے قبضے میں رہے گی۔ جو اُن کے خلاف اُٹھے گا ناکام رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہی اسلامی

Marfat.com

خلافت کے وہی مالک رہے۔ جب اس کے اہل نہ رہے، عجم و ترک نے یہ بار اٹھالیا۔ بحکم ان یشاء یذھبکم ویات بخلق جدید، وما ذلک علی اللہ بعزیز (۳۰ : ۱۶) اور یستبدل قوما غیرکم الخ باقی رہا امیر معاویہ کا ابن عمرو پر انکار تو یہ بھی صحیح نہ تھا، وہ صرف یہ بات سن کر گھبرا اٹھے کہ دوسری بادشاہت بننے والی ہے، اصلیت پر غور نہیں کیا۔ قحطانی والی حدیث بطریق رفع ثابت ہے، اور قریش والی حدیث میں "ما اقاموا الدین" کی قید موجود ہے، پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اسی بنا پر ائمہ حدیث نے حدیث قحطانی اور حدیث قریش میں تطبیق دیتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ امارت قریش والی روایت تشریع نہیں ہے محض خبر ہے۔ اور وہ بھی "ما اقاموا الدین" کے ساتھ مقید۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں "ھذا انکار من معاویہ بلا تامل، والا فقد جاء حدیث القحطانی مرفوعا، وما ذکر فی المعارضہ، فھو حجۃ لما فیہ من التقیید بقولہ : ما اقاموا الدین" اور حافظ عسقلانی نے فتح میں ابن التین کا قول نقل کیا ہے "الذی انکرہ معاویہ فی حدیث ما یقویہ لقولہ ما اقاموا الدین فربما کان فیھم من لا یقیمہ فیتسلط القحطانی علیہ و ھو کلام مستقیم" (۱۳ : ۱۰۲) یعنی امیر معاویہ کا انکار کر دینا ان کی بے خودی کا نتیجہ تھا۔ ورنہ قحطانی والی بات ثابت ہے۔ امیر معاویہ نے جو حدیث معارضہ میں پیش کی، اس کا آخری ٹکڑا خود انہی پر حجت ہے اور ابن عمرو کی

Marfat.com

تصدیق کر رہا ہے یعنی اس میں "ما اقاموا الدین" کی قید موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب قریش میں ایسے لوگ نہ رہیں گے جو دین قائم رکھ سکیں تو پھر کوئی غیر قرشی مسلط ہو جائے گا۔

(۴) صحیح بخاری کے ترجمۂ باب سے واضح ہوتا ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ انہوں نے باب باندھا ہے "الامراء من قریش" قریش میں امارت اور امراء۔ اس مضمون کا باب نہیں باندھا کہ امارت ہمیشہ قریش ہی میں ہونی چاہیے۔

(۵) امام بخاری نے ایک دوسری روایت ابن عمر کی درج کی ہے جو مسلم وغیرہ میں بھی ہے: "لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان" یعنی یہ چیز قریش ہی میں رہے گی جب تک دو آدمی بھی ان میں باقی رہیں گے۔

اس روایت سے ہمارے بیان کی اور مزید تصدیق ہو گئی۔ حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئی کا ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب قرار دیا جائے کہ جب تک دو انسان بھی خاندان قریش میں باقی رہیں گے، خلافت انہی کے قبضہ میں رہے گی، تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ دو کی جگہ ہزارہا قرشی انسان موجود رہے اور خلافت قریش سے نکل گئی۔ پس ضرور ہے کہ "ما بقی منھم اثنان" کے منطوق پر مفہوم کو ترجیح دی جائے۔ اور وہ یہی ہے کہ اگر قریش میں دو آدمی بھی ایسے باقی رہیں گے، جو خلافت کے اہل ہوں گے

Marfat.com

تو کبھی خلافت کے شرف سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا۔ مگر جب انقلاب حال سے ایسا وقت آجائے کہ دو آدمی بھی اہل نہ رہیں تو مشیتِ الٰہی اپنے قانونِ انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرما دے گی، اور قریش خلافت سے محروم ہو جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ معتصم کے بعد سے عباسیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا آخر میں یہاں تک پہنچ گیا کہ حکومت دوسروں کی تھی۔ عباسی خلیفہ صرف اپنے عشرت کدوں کے لئے رہ گیا تھا۔ تاہم اقتدارِ خلافت اُنہی کا رہا کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ خلافت کا دعوے کر سکے۔ کیسی کیسی طاقتور اور باجبروت عجمی و سلجوقی حکومتیں قائم ہوئیں؛ لیکن سب اپنا بڑا سے بڑا شرف یہی سمجھتے رہے کہ مقام خلافت سے اُنہیں خدمت دربار ی خلافت کا کوئی لقب مل جائے، اور بس۔ اگر ایک قرشی، فاطمی، عباسی، تن تنہا کسی ہنگامہ وقتال سے بچ کر نکل جاتا، تو جس گوشۂ عالم میں پہنچ جاتا ایک عالم اُس کے ساتھ ہو جاتا اور اپنی حکومت قائم کر لیتا۔ گویا ہر قرشی کے وجود میں ایک خلافت پنہاں تھی۔ ایک اموی شہزادہ شام کے قتلِ عام سے بچ کر نکلا اور افریقہ ہو کر یورپ جا پہنچا۔ وہاں پانچ صدیوں تک کے لئے اسپین کی عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم ہو گئی۔ لیکن جب عرب و قریش کے تنزل اور ادبار کا وہ آخری وقت آگیا کہ وہ قرشی بھی دُنیا میں حکمرانی کے اہل

Marfat.com

ولائق باقی نہ رہے، تو تاریخ خلافت نے معاً صفحہ الٹ دیا، اور یک قلم غیر عربی و غیر قریشی خلافت کا دور شروع ہو گیا۔ وکان وعداً مفعولاً!

(۶) اشتباہ و اضطراب کے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں جب ترمذی کی وہ روایت سامنے آجاتی ہے جس میں امارت قریش کے ساتھ دو اور باتوں کا بھی ذکر ایک ہی سلسلے اور ایک ہی اسلوب میں کیا گیا ہے، اور گویا روایت امارت کے متن کا وہ ایک متمم و مکمل ٹکڑا ہے جو بقیہ طرق میں رہ گیا تھا، اس طرق میں مل جاتا ہے تاکہ اس کو جوڑ کر مضمونِ حدیث کامل کر لیا جائے۔ قریش والی حدیث اگرچہ مختلف راویوں سے مروی ہے، لیکن سب سے زیادہ اور مشہور طرق ابو ہریرہ، جابر بن سمرہ، اور ابن عمر پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ اور امام مسلم، احمد، ابو داؤد طیالسی، بزار، طبرانی کے تمام طرق تو حضرت ابو ہریرہ ہی کی روایت سے نکلے ہیں۔ انہی ابو ہریرہ سے بطریق ابو مریم انصاری ترمذی نے روایت کیا ہے: الملك فى قريش، والقضاء فى الانصار والاذان فى الحبشة" (اسنادہ صحیح) اور امام احمد کثیر بن مرہ سے یوں روایت کرتے ہیں: "الخلافة فى قريش والحكم فى الانصار، والدعوة فى الحبشة" (رجاله موثقون۔ و ایضاً رواه الطبرانی والبزار من وجہ آخر)

اس روایت میں ایک ساتھ تین باتوں کا ذکر ہے۔ خلافت قریش میں قضا و حکم انصار میں اذان و دعوۃ اہل حبش میں۔ پس جو معنی ایک بات کے ہوں گے،

Marfat.com

وہی بقیہ دو کے ہوں گے۔ اور جو مطلب دو باتوں کا ہوگا، وہی پہلی بات کا بھی ہوگا۔ اگر پہلی بات (یعنی قریش کی حکومت) بیانِ حال اور پیشین گوئی نہیں ہے۔ امرو تشریع ہے۔ تو بقیہ دو جملوں کو بھی امرو تشریع قرار دینا پڑے گا یعنی ماننا پڑے گا کہ قاضی ہمیشہ انصاری ہی ہونا چاہئے، اور مؤذن بجز حبشی کے دوسرا ہو نہیں سکتا۔ لیکن معلوم ہے کہ آج تک نہ کسی نے ایسا کہا، نہ یہ مطلب سمجھا، نہ قضاء و اذان کے لئے کوئی شرعی اشتراط ملک و نسل کا تسلیم کیا گیا ہے۔

پس جو مطلب اُن دو باتوں کا ہے، وہی خلافتِ قریش کا بھی ہے۔ یا تو یہ بیان حال ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا ہوا کہ آپ خود قرشی تھے۔ اور مسلمانوں کے امیر و رئیس کل قضاء پر اکثر انصار مامور ہوئے۔ اور اذان حضرت بلال دیتے تھے۔ پس "الملک فی قریش، والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشۃ" کی تقسیم ہو گئی تھی۔ یا آئندہ کی نسبت خبر ہے کہ حکومت قرشیوں کے ہاتھ میں رہے گی۔ قضا پر انصاری مامور ہوں گے۔ اور اکثر ایسا ہوگا کہ مؤذن حبشی ہوں۔ کوئی خاص آنے والا عہد پیش نظر ہوگا۔ اسی کی نسبت یہ خبر آپ کی زبانِ مبارک پر طاری ہو گئی۔

(۷) اس حدیث کے جو متون و اسناد صحیحین نے اختیار کئے ہیں۔ اُن کے بعد سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جس کو ابو داؤد طیالسی، امام احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی وغیرہم نے حضرت ابو برزہ اور انس سے روایت کیا ہے،

Marfat.com

"الائمۃ من قریش ما حکموا فعدلوا ووعدوا فوفوا واسترحموا" اور طبرانی نے حضرت علی سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ "الا ان الامراء من قریش ما اقاموا ثلاثاً" الخ اسی متن کو امام بخاری نے تاریخ میں اور طیالسی و بزار نے مسند میں حضرت انس سے یوں بھی روایت کیا ہے" الائمۃ من قریش ما اذا حکموا فعدلوا" نسائی و حاکم نے بھی ایک دوسرے طریق سے یہ روایت لی ہے۔ حاصل ان سب کا یہ ہے کہ فرمایا۔ امراء اور ائمہ قریش ہی سے ہیں۔ جب تک ان میں عدل گستری، ایفاء عہد اور رحم و شفقت کے اوصاف باقی رہیں گے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہو گیا کہ قریش کی خلافت اہلیت و صلاحیت کے ساتھ مشروط تھی یعنی پہلے ہی سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب تک صفات حسنہ ان میں باقی رہیں گے، خلافت انہی کے قبضہ میں رہے گی۔ یہ بات نہ تھی کہ تشریعاً ہر حال میں خلافت کو انہی کا حق بتلایا ہو۔

(۸) اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بعض روایات میں قریش کی نسبت بصورت ظلم و جور و عدم اتباع شریعت، سخت کلمات وعید بھی آئے ہیں حتیٰ کہ کلمۂ لعن بھی آیا ہے۔ یہ بھی صاف صاف موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی سنت عادلہ کے مطابق ایسے لوگوں کو ان پر مسلط کر دے گا جن کا تسلط ان کے لئے سخت اذیت و عقوبت کا موجب ہو گا۔ چنانچہ طبرانی کی سابق الذکر روایت

Marfat.com

"ما اقاموا ثلاثا" الخ میں یہ بھی ہے "فمن لم یفعل ذلك فعلیه لعنة الله" یعنی تین وصف عدالت، ایفاء عہد اور رحم و شفقت کے بیان کر کے فرمایا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ کی پھٹکار۔ اور احمد و ابو یعلیٰ نے حضرت ابنِ مسعود سے مرفوعاً روایت کیا "یا معشر قریش! انکم اهل هذا الامر مالم تحدثوا، فاذا غیرتم بعث الله علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب" (رجاله ثقات الا انه من روایة عبید الله بن عبد الله بن عتبه بن مسعود، عن عم ابیه عبد الله ابن مسعود، ولم یدرکه وایضاً اخرجه احمد عن ابی مسعود الانصاری من طریق عبید الله، و فی سماعه نظر، وله شاهد من مرسل عطا بن یسار۔ اخرجه الشافعی والبیهقی بسند صحیح) یعنی اے جماعتِ قریش! جب تک تم کوئی نئی روش اختیار نہ کرو، تم ہی اس بات کے اہل ہو لیکن اگر تم نے اپنی حالت بدل دی تو یاد رکھو۔ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم کو چھڑی کی طرح موڑ دینگے

پس ان روایات سے دونوں باتوں کی مزید تصدیق ہو گئی۔ اوّل یہ کہ خلافتِ قریش کے تمام بیانات محض خبر ہیں۔ تشریع و امر نہیں۔ ثانیاً پہلے سے خبر دے دی گئی ہے کہ ہمیشہ خلافت انہی میں نہیں رہے گی۔ چنانچہ حرف بحرف یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، اور قریش پر یکے بعد دیگرے ایسے لوگ مسلط ہوئے، جنہوں نے ان کا سارا زور توڑ دیا۔ حتیٰ کہ حکومتِ قریش

Marfat.com

کا دنیا میں نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ فصلی اللہ علی الصادق المصدق الذی لا یخبر عن شیئ، الا وجاء مثل فلق الصبح!

(۹) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے خلافت کو قریش میں مخصوص ثابت کرنا چاہا۔ ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ان تمام روایات کا منطوق خبر کا ہے نہ کہ امر کا۔ اور کوئی حدیث ایسی قوی ظاہر الدلالت موجود نہیں جس سے ان کا مدعا ثابت ہو سکے۔ وہ مجبور ہوئے ہیں کہ انہی احادیث کو تاویل و توجیہ کر کے امر پر محمول کریں۔ حافظ ابن حجر نے قرطبی کی نسبت لکھا ہے "کانہ جنح الی انہ خبر بمعنی الامر" (۱۳: ۱۰۵) اور ابن منیر نے کہا "والحدیث وان کان بلفظ الخبر فھو بمعنی الامر کانہ قال ائتموا بقریش خاصۃ" (ایضاً) پس اس پر سب متفق ہیں۔ کہ الفاظ حدیث میں صورت خبر کی ہے۔ امر کی نہیں۔ اور جب کوئی دلیل قوی و ظاہر موجود نہیں۔ نہ قرآن میں، نہ سنت میں، نہ اقوال صحابہ میں تو پھر کیا مجبوری پیش آئی ہے کہ تاویلات اختیار کی جائیں اور نص کو بلا وجہ ظاہر و منطوق سے مصروف کیا جائے؟

(۱۰) اس حدیث کی تمام روایات و طرق پر ہم نے نظر ڈال لی۔ اب صرف دو روایتیں اور رہ گئیں جو مناقب قریش میں آئی ہیں، اور جن سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے۔ بیہقی و طبرانی نے جبیر بن مطعم اور ابن صائب سے روایت کیا "قدموا قریشا ولا تقدموھا" یعنی قریش کو مقدم رکھو

Marfat.com

یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ قریش کو ہر بات میں آگے رکھو۔ خود پیچھے رہو لیکن قطع نظر قوت و ضعف روایت کے، اس سے بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ قریش کے سوا دوسرے کی خلافت جائز نہیں۔ قریش کو عرب میں ہر طرح تقدیم و ریاست حاصل تھی۔ لوگ اُن کی ریاست سے متاثر تھے۔ پس فرمایا کہ اس بات کا لحاظ رکھا کرو۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہُوا کہ امامت و خلافت کے حقدار ہمیشہ قریش ہی ہیں؟

دوسری روایت امام احمد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا "قریش قادۃ الناس" قریش لوگوں کے سردار ہیں لیکن اس کو بھی اختصاصِ خلافت کے سوال سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ سردارِ قوم تھے۔ لیکن اس کا حکم کہاں ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف اُنہی میں سے ہو سکتا ہے؟ کیا ایک ایسے اہم مسئلہ کے لئے اس طرح کی باتیں "نص" کا کام دے سکتی ہیں؟

(۱۱) باقی رہی حدیث "الائمۃ من قریش" اور یہ استدلال کہ حضرت ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع میں برخلاف انصار پیش کی اور سب نے تسلیم کر لیا۔ تو اس سے بھی شرعاً اختصاص قریش کے دعوے کو کوئی مدد نہیں مل سکتی۔

اولاً یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریقِ اتصال ثابت

Marfat.com

ہی نہیں۔ فتح الباری میں ہے" الائمۃ من قریش۔ رجالہ رجال الصحیح لکن فی سندہ انقطاع"۔ (۱۳: ۱۰۱)

ثانیاً، اس سے بھی یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا شرعاً حق بجز قریش کے اور کسی مسلمان کو نہیں؟ یہ بھی آئندہ کی نسبت خبر ہے، اور اُنہی حدیثوں کا ایک ٹکڑہ ہے جو دوسرے طریقوں سے صریح پیشین گوئی کے لفظوں میں پڑھ چکے ہو۔ حضرت ابوبکر نے یہ بات اس لئے پیش کی تھی۔ کہ پیشتر سے ہونے والے واقعات کی خبر دے دی گئی ہے پس ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ اس کے خلاف بات نہ اُٹھاؤ۔ یہ سن کر انصار مایوس ہوگئے اور تسلیم کرلیا۔

ثالثاً، الناس تبع لقریش" والی روایت سے مدد لی جائے تو بالکل کھل جاتا ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کا استدلال صرف قریش کی بزرگی و عظمت اور عرب میں اُن کی ریاست و سرداری سے تھا نہ کہ شرعاً شرائط امامت سے۔ وہ بتلانا چاہتے تھے کہ خود آنحضرتؐ نے فرمادیا ہے جاہلیت اور اسلام، دونوں میں لوگ قدرتی طور پر قریش کی سرداری سے متاثر ہیں اور رہیں گے اس لئے یہ معاملہ بھی اُنہی کے قبضہ میں رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کا یہ مشہور جملہ اس مطلب کو پوری طرح کھول دیتا ہے جو سقیفہ میں کہا تھا" ان العرب لا تعرف ھذا الامر لغیر ھذا الحی" یعنی

Marfat.com

اہلِ عرب قریش کے سوا اور کسی قبیلہ کی سرداری سے آشنا نہیں۔ پس یہاں سرے سے شرائط شرعیہ کا سوال ہی نہ تھا۔ صرف ملکی و وقتی مصالح کی بنا پر استدلال تھا کہ کس قبیلہ و خاندان سے امام ہونا چاہیے جس کی سرداری عرب کے تمام قبائل بلا چون و چرا تسلیم کریں؟

رابعاً یہی روایت بعض دیگر طرق سے صاف صاف خبر کی صورت میں آئی ہے۔ امر و تشریع کی اس میں گنجائش ہی نہیں۔ ابن اسحاق نے کتاب الکبیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ کے مجمع میں فرمایا "ان ھذا الامر فی قریش ما اطاعوا اللہ واستقاموا علی امرہ" (فتح ۱۳: ۱۰۳) یعنی یہ بات قریش میں رہے گی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کریں گے اور اس میں مستقیم رہیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ امام احمد والی روایت میں راوی نے بقیہ ٹکڑہ چھوڑ دیا ہے۔ صرف "الائمۃ من قریش" لے لیا۔ ورنہ حضرت ابوبکر نے وہی بات فرمائی تھی۔ جو دیگر احادیث مرفوعہ میں بطور خبر کے ثابت ہو چکی ہے۔ علی الخصوص بخاری کی روایت معاویہ میں۔

دعوئے اجماع

اب صرف ایک بات رہ گئی۔ یعنی علماء اسلام کا شرط قرشیت پر زور دینا اور قاضی عیاض وغیرہ کا دعوئے اجماع، تو اس بارے میں چند

Marfat.com

امور قابلِ غور و نظر ہیں:

اولاً اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش ہی کو یقین کرتے تھے، بلکہ اس کے خلاف شواہد موجود ہیں۔ امام احمد نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے۔ اگر معاذ بن جبل میری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد اُنہی کو خلیفہ بناؤں گا۔ یہ ظاہر ہے کہ معاذ قرشی نہ تھے۔ انصار مدینہ میں سے تھے۔ اگر خلافت کے لئے قرشیت شرط ہوتی تو حضرت عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیونکر اُن کی خلافت کا تصور بھی کر سکتا تھا؟ مسند امام احمد میں حضرت عمر کا ایک اور قول بھی ابو رافع کی روایت سے موجود ہے" لو ادرکنی احد رجلین ثم جعلت ھذا الامر الیہ، لوثقت بہ سالم مولی حذیفہ و ابو عبیدۃ الجراح" اگر سالم مولی حذیفہ اور ابو عبیدۃ الجراح میں سے کوئی ایک میری وفات تک زندہ رہتا اور خلافت اُس کے سپرد کر دیتا، تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد ہوتا۔ اگر حضرت عمر صدہا صحابہ و مہاجرین قریش کی موجودگی میں سالم مولی حذیفہ کو خلافت سپرد کر دینے کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ تو پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ شرعاً خلافت غیر قرشی کو نہیں مل سکتی اور صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا؟

چنانچہ اس بات کا خود ائمہ متاخرین کو اعتراف کرنا پڑا۔ حافظ ابن حجر قاضی عیاض کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں" قلت ویحتاج من نقل الاجماع

Marfat.com

الی تاویل ماجاء عن عمر من ذلک - فقد اخرج امام احمد عن عمر بسند رجالہ ثقات ان ادرکنی اجلی الخ " الی ان قال" فیحتمل ان یقال لعل الاجماع انعقد بعد عمر علی اشتراط ان یکون الخلیفۃ قرشیاً، او تغیر اجتہاد عمر فی ذلک - واللہ اعلم" (۱۳ : ۱۰۶) یعنی یہ جو قاضی عیاض نے کہا کہ خلافت کے مخصوص بہ قریش ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، تو اجماع ماننے کی صورت میں حضرت عمر کے قول کی تاویل کرنی پڑے گی جو امام احمد نے بسند صحیح معاذ بن جبل کے استخلاف کی نسبت روایت کیا ہے - پھر کہتے ہیں کہ اس کی یوں تاویل کی جا سکتی ہے کہ شاید یہ اجماع حضرت عمر کے بعد ہوا ہو - یا یوں کہا جائے کہ حضرت عمر کا اجتہاد اس بارے میں بدل گیا -

لیکن یہ تاویلیں جس قدر ناقابلِ التفات ہیں، اہل نظر سے مخفی نہیں - اول تو جب اختصاص قرشیت کے لئے کوئی نص شرعی موجود نہیں تو تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ثانیاً کہاں تو یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کے وقت سقیفہ کے مجمع ہی میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہو گیا - اور تمام صحابہ نے اجماع کر لیا کہ خلافت کے حقدار صرف قریش ہی ہیں اور کہاں اب یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کا پورا زمانۂ خلافت گزر گیا اور اجماع نہ ہوا - حضرت عمر کی زمانۂ خلافت کے دس برس گزر گئے - اور صحابہ اس حکم سے بے خبر رہے - لیکن اس کے بعد یکایک اس پر اجماع ہو گیا؟ پھر اگر اجماع ہوا تو کب؟ اور کونسی دلیل اس

Marfat.com

بارے میں موجود ہے؟

اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں اجماع نہیں ہوا، نہ خلافتِ صدیقی کے ڈھائی سال میں یہ مسئلہ چھڑا، اور نہ عہد فاروقی کے بہترین دس سالوں میں صاف ہوا جو فقہ و علوم کی تنظیم و تحقیق کا اصلی عہد تھا، تو پھر کیا یہ اجماع اس وقت منعقد ہوا جب حضرت عثمان کی شہادت کا ہنگامہ ہوا تھا، یا اس وقت جب جمل و صفین کے میدان کارزار گرم ہوئے تھے؟

اصل یہ ہے کہ واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا ہو گیا۔ یعنی چونکہ ابتدا سے خلافت پر قریش ہی کا قبضہ ہوا، اور یکے بعد دیگرے تمام سلاسل حکومتِ قریشی ہی ہوئے اس لئے لوگوں نے سمجھ لیا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے۔ اور اس پر اجماع ہو گیا ہے ورنہ اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اور نہ عرصہ تک کسی خاص خاندان میں حکومت کا رہ جانا دلیل تشریع و انعقاد اجماع ہو سکتا ہے۔ خود خلفاء عباسیہ کے عہد میں متعدد غیر قرشی مدعی اٹھے، اور بعضوں کا ساتھ ہزاروں مسلمانوں نے دیا۔ وہ نہ خوارج میں سے تھے۔ نہ معتزلہ میں۔ مگر یقین کرتے تھے کہ غیر قرشی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ حجاج کے زمانہ میں ابن الاشعث نے خروج کیا۔ اور امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ حالانکہ قرشی نہ تھا۔ اندلس اور افریقہ میں عبدالمومن صاحب ابن تومرت نے خلافت کے دعوے کے ساتھ حکومت

Marfat.com

قائم کی اور اُس کی نسل میں عرصہ تک قائم رہی۔ ابن تومرت کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ معتزلی تھا؟ وہ امام غزالی کا شاگرد اور پکا اشعری تھا۔ عقائدِ اشاعرہ میں اس کا ایک رسالہ موجود ہے۔ مراکشی نے تاریخ مراکش میں تصریح کی ہے کہ بلادِ مغرب میں اشعریت اُسی کے ذریعہ پہونچی اور اسی لیے خاندانِ عبدالمومن کا سرکاری مذہب ہمیشہ اشعری رہا۔ لیکن یہ لوگ بھی قرشی نہ تھے۔ علاوہ بریں خود ائمۂ اشاعرہ میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی کی نسبت ابن خلدون نے تصریح کی ہے۔ پس غور کرنا چاہیئے کہ جس اجماع کی نسبت دعوے کیا جا رہا ہے، اور جو کبھی حضرت ابوبکر کی بیعت سے پہلے مجلس سقیفہ میں رونما ہوتا ہے۔ کبھی وہاں سے روپوش ہوکر ساڑھے گیارہ برس تک مفقود ہو جاتا ہے اور حضرت عمر غیر قرشی کے استخلاف کا ارادہ کرنے لگتے ہیں۔ پھر اُن کے بعد یکایک نمایاں ہونا چاہتا ہے لیکن پھر بھی اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حتیٰ کہ غیر قرشیوں کو ہزاروں مسلمان خلیفہ مان لیتے ہیں اور ائمہ عقائد و کلام مختلف فیہ نظر آتے ہیں، فی الحقیقت اُس کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے۔

ثانیاً، یہ ظاہر ہے کہ قریش میں خلافت ہونے کی نسبت جو کچھ فرمایا گیا، وہ محض آیندہ کی پیشتر سے اطلاع تھی۔ یعنی پیشین گوئی تھی اور پیشین گوئیوں کا

Marfat.com

یہ حال ہے کہ جب تک اُن کا ظہور کامل طور پر نہ ہو جائے، اُن کے معانی و مطالب کی نسبت کسی قطعی بات کا اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اجتہاد و قیاس کے لئے کسی چیز میں اتنی وسعت نہیں جس قدر پیشین گوئیوں میں ہوتی ہے۔ علی الخصوص جبکہ عموماً پیشین گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان ہوتا ہے، اور نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ محض اشارات کیئے جاتے ہیں۔ جب تک ان کا ظہور نہ ہو جائے اشارات کی تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کی لغزشیں پیش آ جا سکتی ہیں۔

ظہور دجال کی پیشین گوئی اس معاملہ کے لئے ایک واضح مثال ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولی اوصاف بیان کر دیئے تھے با ایں ہمہ خود صحابۂ کرام میں اختلاف ہوا اور اپنے عہد کے مختلف اشخاص کو بعض اوصاف کے اشتراک کی وجہ سے دجال سمجھتے رہے۔ آنحضرتؐ کے زمانے ہی میں ابن صیاد کی نسبت حضرت عمر کو خیال ہوا تھا حتیٰ کہ اس کو قتل کرنا چاہا جیسا کہ امام بخاری کی روایت ابن عمر مندرجہ کتاب الجنائز میں موجود ہے اور ایک دوسری روایت مندرجہ کتاب الاعتصام بالسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو اس پر اس درجہ یقین تھا کہ قسم کھا کر کہتے تھے یہی دجال ہے۔ اور اسی لئے ابن جابر کو بھی اس پر پورا یقین تھا۔ "رأیت جابر بن عبد اللہ یحلف باللہ ان ابن الصیاد الدجال"۔ اسی طرح ابو داؤد کی روایت نافع میں

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمر کی نسبت مروی ہے کہ قسم کھا کر کہتے تھے "واللہ ما اشک ان المسیح الدجال ھو ابن صیاد" لیکن دیگر صحابہ کو اس سے اختلاف تھا۔ ابوسعید خدری سے جب ابن صیاد کی صحبت ہوئی تو اُن کا شک دور ہو گیا۔ حتیٰ کہ معذرت کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے (کمافی المسلم) اور مسلم میں قصہ تمیم داری موجود ہے جس کی بنا پر لوگوں کو ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار تھا۔

پس چونکہ یہ پیشین گوئی تھی۔ اس لئے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوری پوری طرح ظاہر نہ ہو جائیں، اُن کا ٹھیک ٹھیک مطلب متعین کیا جا سکے۔ خلافت کا یہ حال رہا کہ گو ابتدا سے بہت مدعی اُٹھے، مگر فی الجملہ نویں صدی ہجری تک قریش ہی میں رہی، اور اسی بات کی احادیث میں خبر بھی دی گئی تھی۔ جن علماء کی رائے پیش کی جاتی ہے، وہ سب وہی ہیں جن کا ظہور ساتویں صدی اور اُس سے پیشتر یعنی عہد خلافت قریش میں ہوا۔ پس ضرور تھا کہ معاملہ خلافت کو ابتدا سے قریش ہی میں محدود دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ خلافت اسی خاندان سے شرعاً بھی مخصوص ہے، اور یہی مطلب تمام احادیث کا ہے اگر وہ بعد کا حال دیکھتے تو معلوم کر جاتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا۔ محض خبر دی گئی تھی۔ وہ ان حدیثوں کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کی روشنی ہی میں دیکھ رہے تھے اور اس کے لئے مجبور و معذور تھے۔

Marfat.com

حافظ نوادی شرح مسلم میں لکھتے ہیں "وقد ظهر ما قاله صلعم فمن زمنه الی الآن الخلافة فی قریش من غیر مزاحمة لهم فیها و تبقی کذلک ما بقی منهم اثنان" (جلد ۲ : ۱۲۹) یعنی جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ آنحضرت صلعم کے زمانے سے اب تک خلافت بغیر کسی رکاوٹ کے قریش ہی میں رہی اور آئندہ بھی ہمیشہ انہی میں رہے گی جب تک وہ قرشی بھی دنیا میں باقی رہیں گے۔

حافظ نوادی کا سال وفات ۶۷۶ھ ہے اور سال پیدائش ۶۳۱ھ یا اس سے بھی پہلے۔ آخری خلیفہ بغداد مستعصم کو ہلاکو نے ۶۵۶ھ میں قتل کیا پس گو ان کی وفات فتنہ تاتار کے بعد ہوئی لیکن تصنیف و تالیف کا زمانہ مستعصم کی خلافت ہی کا زمانہ ہے اگر شرح مسلم وغیرہ بالکل آخری عمر کی تصنیف ثابت ہو جائے تو پھر خلفائے عباسیہ مصر کا زمانہ فی الجملہ قریش کی خلافت قائم تھی پس وہ اپنے زمانے تک خلافت کو صرف قریش ہی میں قائم دیکھ کر احادیث باب کے اسی مطلب پر قانع اور جمے ہوئے ہیں اور اسی لئے "ما بقی منهم اثنان" کا بھی یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ جب تک خاندان قریش کے دو انسان بھی دنیا میں باقی رہیں گے، خلافت انہی میں رہے گی۔ لیکن اگر ان کو اپنے بعد کا حال معلوم ہوتا تو کیا ایسا دعوے کر سکتے تھے؟ کیا اس صورت میں اپنی تمام رائے پر نظر ثانی نہ کرتے؟ وہ کیا جانتے تھے کہ عنقریب صفحہ الٹنے والا ہے، اور خلافت نہ صرف قریش سے، بلکہ عرب

Marfat.com

ہی سے رخصت ہو جانے والی ہے۔

اس سے بھی زیادہ بہتر مثال حافظ سیوطی کی ہے۔ حافظ موصوف عباسیۂ مصر کے آخری عہد میں تاریخ الخلفاء اور حسن المحاضرہ لکھ رہے ہیں۔ یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں۔ چونکہ اس وقت تک مصر میں عباسی خاندان منصب خلافت پر ممتاز تھا، اور گو عالم اسلامی بہت سی نئی عجمی حکومتوں میں بٹ چکا تھا، تاہم لقب خلافت بجز عباسیۂ مصر کے اور کسی کے قبضہ میں نہ تھا، اس لئے انہوں نے تاریخ الخلفا کے ابتدا میں ایک باب باندھا ہے "احادیث المبشرۃ بخلافت بنی عباس" اس میں وہ تمام روایتیں جمع کی ہیں جن میں عباسیہ کو خلافت پانے کی بشارت دی ہے اور کہا ہے کہ تمہاری خلافت حضرت عیسٰی کے نزول تک رہے گی۔ چنانچہ ابونعیم کی روایت میں ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس پیدا ہوئے تو آنحضرت نے فرمایا "ھو ابو الخلفاء حتّٰی یکون منھم السفاح حتّٰی یکون منھم المھدی، حتّٰی یکون منھم من یصلی بعیسٰی بن مریم" یعنی آپ نے فرمایا عبداللہ بن عباس خلفاء کا باپ ہے یہاں تک کہ انہی خلفاء میں سے سفاح ہو گا، اور انہی میں سے مہدی ہو گا، اور انہی میں وہ ہو گا جو حضرت عیسٰی کے ساتھ نماز پڑھے گا۔

اگرچہ یہ تمام روایتیں قطعاً جھوٹی ہیں۔ ابو مسلم خراسانی وغیرہ عباسی داعیوں کی بنائی ہوئی ہیں، اور تمام ائمہ حدیث و نظر نے ان کے خرافات و منعی

Marfat.com

ہونے پر اتفاق کیا۔ لیکن چونکہ اُس وقت تک عباسیوں میں خلافت کا انتساب باقی تھا، اور واقعات کی بنا پر اس پیشینگوئی کی تکذیب نہیں ہوسکتی تھی۔ نیز عباسی خلافت کا حاکمانہ اثر ان روایات کی مقبولیت کا باعث ہو رہا تھا اس لئے حافظ سیوطی ان کے لئے ایک خاص باب قائم کرتے ہیں، اور اگر کسی روایت کو سنبھالنے کا ذرا سا بھی موقعہ مل جاتا ہے تو نہیں چوکتے۔ چنانچہ ابونعیم اور دیلمی کی روایات سے کچھ تعرض نہیں کیا ہے، حالانکہ حافظ مزیؒ ابن دقیق العید، ابن کثیر وغیرہم نے سخت انکار کیا ہے، اور ابن جوزی کتاب الموضوعات میں لائے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دیباچہ میں بنو عبید کی خلافت پر بحث کرتے ہوئے ان احادیث سے یقین کے لہجہ میں استدلال کرتے ہیں۔

"ان الحدیث ورد بان ھذا الامر اذا وصل الی بنی العباس لا یخرج عنھم حتی یسلمون الی عیسی بن مریم او المھدی" (تاریخ الخلفاء ۸۰) یعنی یہ بات حدیث میں آچکی ہے کہ جب خلافت آلِ عباس تک پہنچے گی تو پھر انہی کے قبضہ میں رہے گی۔ یہاں تک کہ وہ حضرت عیسٰی یا امام مہدی کے سپرد کردیں۔

لیکن اگر حافظ سیوطی پچیس برس اور زندہ رہتے اور وہ دیکھ لیتے کہ خلافت و حکومت کا نام و نشان تک عباسیہ میں باقی نہ رہا تو پھر اُن کو پورا پورا یقین ہو جاتا کہ عباسیہ کو آخر عہد تک خلافت و پادشاہت کی کوئی بشارت نہیں دی گئی ہے، اور یقیناً یہ تمام حدیثیں وضعی ہیں جیسا کہ ائمہ اثر فیصلہ

Marfat.com

کر چکے ہیں۔

چنانچہ یہ بات صاف صاف تتبع ونظر سے واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت عباسیہ بغداد کے تنزل اور عجمی حکومت کے ظہور وعروج کے ساتھ ہی علماء کی آرا میں بھی تدریجی تغیر شروع ہو گیا تھا، اور اشتراط قرشیت میں وہ زور باقی نہ رہا تھا، جو قاضی عیاض وغیرہ کی مصنفات میں پایا جاتا ہے، اکثر علماءٔ نے جب دیکھا کہ "ما اقاموا الدین" کی شرط کا ظہور شروع ہو گیا ہے اور حکومت قریش کے قبضہ سے نکل گئی ہے، تو ان کی رائے بدل گئی، اور قاضی عیاض والے اجماع کے دعوے میں تامل کرنے لگے۔ علامہ ابن خلدون (المتوفی سنہ ۸۰۸ھ) مقدمہ تاریخ میں شرط قرشیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لما ضعف امر قریش، وتلاشت عصبیتهم بما نالهم من الترف والنعم وبما انفقتهم الدولت فی سائر اقطار الارض، عجزوا عن حمل الخلافۃ، وتغلبت علیهم الاعاجم وصار الحل والعقد لهم فاشتبه ذلك علی کثیر من المحققین، حتی ذهبوا الی نفی اشتراط القرشیۃ وعولوا علی ظواهر فی ذلك مثل قوله صلعم: اسمعوا واطیعوا وان امر علیکم عبد حبشی ما اقام فیکم کتاب اللہ" یعنی جب قریش کی قوت کمزور ہو گئی۔ عیش پرستیوں میں پڑ کر اپنی عصبیت مٹا دی۔ خلافت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہو گئے تو عجمیوں نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا، اور خلافت

Marfat.com

کا فیصلہ اُنہی کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ یہ انقلاب دیکھ کر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیت کی شرط مشتبہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کر دیا۔ انتہا۔

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ قرشیت کی شرط ضروری نہیں۔ یہی ابن خلدون لکھتے ہیں۔ "ومن القائلین بنفی اشتراط القرشیۃ القاضی ابوبکر الباقلانی"

عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس لئے اس عہد کے علماء مصر نے (مثلاً حافظ ابن حجر، قاضی عینی، جلال الدین سیوطی وغیرہم) قرشی خلافت کو فی الجملہ قائم پایا۔ لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا اور وہ زمانہ آیا جس کی خبر دے دی گئی تھی۔ کہ "بعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب" تو جو اہل نظر اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے، انہوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ اشتراط قرشیت کا کوئی ثبوت نہیں، اور نہ خلافتِ قریش کا وہ مطلب ہے جو اب تک سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ تیرھویں صدی کے مشہور مجدد فقہ و حدیث امام شوکانی یمنی وبل الغمام میں شرط قرشیت کے دلائل نقل کر کے لکھتے ہیں۔ "لاریب ان فی بعض ھٰذہ الالفاظ ما یدل علی الحصر ولکن قد خصص مفہوم الحصر احادیث وجوب الطاعۃ لغیر القرشی الیٰ ان قال" والاخبار منہ صلعم

Marfat.com

بان الائمة من قریش هو کالاخبار منه بان الاذان فی الحبشه والقضاء فی الازد وما هو الجواب عن هذا، فهو الجواب عن ذلک ۔ و تخصیص کون الائمة من قریش ببعض بطونهم لایتم الا بدلیل، والاخذ بما وقع علیه الاجماع لاشک انه احوط واما انه یتحتم المصیر الیه، فلیس بواضح، ولو صح ذلک لزم بطلان اکثر ما دونوه من المسائل والمقام والمراکز، وما احقه بان لا یکون کذلک" یعنی اگرچہ امامت قریش کی روایات میں ایسے الفاظ ہیں جن سے قریش کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے لیکن وجوب طاعت امام کے عام احکام کتاب وسنت میں موجود ہیں ۔ وہ دلالت کرتے ہیں کہ غیر قرشی کی بھی اطاعت امت پر قرشی ہی کی طرح واجب ہے ۔ باقی رہی یہ بات کہ آنحضرتؐ نے قریش میں امامت کی خبر دی، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کے سوا کوئی دوسرا امام ہو ہی نہیں سکتا یہ ویسی ہی خبر ہے جیسی اس بارے میں خبر دی کہ اذان کا کام اہل حبش میں ہے اور قضا ازدیوں میں جس طرح ان روایتوں سے یہ بات نہیں نکلتی کہ مؤذن اور قاضی صرف حبشی اور ازدی ہی ہونے چاہئیں، اسی طرح یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ امام صرف قرشی ہی ہو سکتا ہے ۔ جو جواب اُن کا دیا جائے گا وہی اس کا ہو گا ۔

یہ واضح رہے کہ جن جن علماء حدیث و کلام کے اقوال سے یہ اجماع ثابت کیا جاتا ہے، وہ سب کے سب اسی عہد کے ہیں جبکہ خلافت عباسی

Marfat.com

قائم تھی۔ بعد والوں نے جو کچھ لیا ہے اُنہی سے لیا ہے۔ سب سے زیادہ اعتماد اس بارے میں قاضی عیاض کے بیان پر کیا جاتا ہے۔ جن کا قول نوادی نے شرح مسلم اور منہاج میں نقل کیا ہے۔ ان کا سال وفات ۵۴۴ھ ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اجماع کے دعوے نے عام طور پر جو وسعت اختیار کر لی ہے، اور جس طرح بتدریج اس لفظ کا استعمال اپنے لغوی و اصولی معنی سے ہٹ کر مختلف مصطلحہ معنوں میں ہونے لگا ہے، اُس کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ علی الخصوص فقہاء مذاہب کے استعمالات متکلمین اور اربابِ اصول کے مصطلحہ اجماع سے بالکل مختلف ہیں۔ ہر مذہب کے فقہا بلا تامل اپنے مسلک کو "جمہور" اور "اجماع" کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اس میں کسی کا مطلب کچھ ہوتا ہے کسی کا کچھ۔ صاحب ہدایہ وغیرہ کے نزدیک عدم وجوب قرأت فاتحہ خلف امام اور افضلیتِ اصفار جمہور کا قول ہے۔ بعضوں نے اجماع تک کہہ دیا۔ لیکن شوافع و محدثین کہتے ہیں کہ قرأت فاتحہ ہی جمہور کا مذہب ہے اور اسی پر جماہیر علماء کا اتفاق ہے۔ انہی حافظ نوادی کی (جو اشتراط قرشیت کو جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں) شرح مسلم دیکھ لی جائے۔ کس طرح شافعیہ کا ہر مذہب ان کے نزدیک "جمہور" کا مذہب ہے، اور مخالف کا ہر قول شاذ۔ شافعیہ اور حنفیہ کی خلافیات میں تقریباً دو تہائی مسائل تو ضرور ایسے ہوں گے جن کی نسبت ہر جگہ شرح مسلم میں پاؤ گے:

Marfat.com

"ھذا مذھب الشافعی والجماھیر، وخالف فیہ ابوحنیفہ" یعنی امام شافعی اور جمہور کا مذہب یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ نے اس کے خلاف کیا۔ اگر ہمارے علماء احناف حافظ نوادی کی ان تمام جمہوریات و اجماعیات کو تسلیم کر لینے کے لئے تیار ہیں، تو خیر، اشتراطِ قرشیت کا ایک اجماع اور سہی لیکن یاد رہے کہ یہ وہی بات ہو گئی کہ:

گوشتِ خاک ما ہم برباد رفتہ باشد!

ثانیاً ہمارا خیال ہے کہ یہ بات بھی اور بے شمار باتوں کی طرح وقت کے سیاسی اثرات کا نتیجہ تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ معاملۂ خلافت ابتداء سے سخت کشمکش و تزاحم میں رہا۔ جو خاندان قابض ہوا اُس کو رقیبوں اور دعویداروں کی طرف سے ہمیشہ کھٹکا لگا رہا۔ پس جبکہ خلافت اہل عرب کے ہاتھ میں تھی، تو وہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ عجمیوں کے ولولوں کی اس بارے میں جرأت افزائی کی جائے؟ اور عرب میں سے بھی جب خاص خاندان قریش میں تھی جو ہر طرح سیادت و بزرگی رکھتا تھا، تو وہ کیونکر پسند کر سکتے تھے کہ غیر قرشی خلافت کا وجود تسلیم کر کے غیر قرشیوں کو ہمتیں دلائی جائیں اور مادی طاقت کے ساتھ شریعت کی حمایت کا سہارا بھی انہیں حاصل ہو جائے؟ بخاری کی روایت میں پڑھ چکے ہو کہ امیر معاویہ نے قحطانی پادشاہ کے ظہور کی روایت سُنی، تو کس درجہ مضطرب اور غضبناک ہوئے؟ اور کس طرح فوراً قریش

Marfat.com

والی روایت کا اعلان کردیا تاکہ پہلے ہی سے سدّباب ہو جائے؟ جن علماء کے اقوال پر متاخرین فقہاء و متکلمین کا اعتماد ہے، وہ سب کے سب وہی ہیں جن کا ظہور آخر عہد عباسیہ میں ہوا ہے جب قریشی خلافت قائم تھی۔ مثلاً قاضی عیاض و امام نواوی وغیرہم۔ پس وقت کی حکومت کا جو پولیٹیکل اثر سب پر پڑ رہا تھا، وہ بھی یہی تھا کہ خلافت کو حکمران خاندان کی قوم اور خاندان سے مخصوص سمجھا جائے اور تمام ایسی باتوں میں جس میں اجتہاد و رائے کو دخل ہو، فکر و قیاس کا میلان قدرتی طور پر اُسی جانب ہو جائے علی الخصوص جبکہ اس کے لئے کسی غلط بیانی یا تحریفِ احکام کی ضرورت نہ تھی۔ واقعی احادیث موجود تھیں۔ صرف مفہوم کی تعیین میں اجتہاد کو کام کرنا تھا۔ اس مسئلہ پر موقوف نہیں، وقت کے پولیٹیکل اثرات بے شمار چیزوں میں اندر ہی اندر کام کر چکے ہیں، اور آج اُن کا پتہ لگانا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں جب خلافتِ بغداد کا خاتمہ ہو گیا تو آہستہ آہستہ اس اثر سے افکار خالی ہونے لگے، اور تدریج بحث و نظر کی صورت دوسری ہو گئی۔ حافظ عسقلانی اور قاضی عینی جو آٹھویں صدی میں یا نویں کے اوائل میں بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں۔ اُن کے مباحث پڑھو تو قاضی عیاض اور نواوی سے اُن کا رنگ مختلف نظر آئے گا:-

Marfat.com

قاضی عینی بخاری کی حدیث معاویہ "ما اقاموا الدین" کی شرح میں لکھتے ہیں: "ای مدت اقامتھم امور الدین - قیل یحتمل ان یکون مفھومہ فاذا لم یقیموہ لا یسمع لھم" یعنی یہ جو حدیث میں ہے کہ "جب تک دین قائم رکھیں گے" تو اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ وقت آ جائے کہ قریش اقامتِ دین نہ کریں تو ان کی بات نہیں سنی جائے گی۔ حافظ عسقلانی گو اشتراط قرشیت سے صاف صاف انکار نہیں کرتے۔ لیکن طرز بحث و نظر کے اضطراب و ضعف نے خود بخود مسئلہ کا مخالف پہلو قوی کر دیا ہے اور بہ یک نظر واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی مضبوط رائے نہیں رکھتے اور اگر مائل ہیں تو انکار کی طرف۔ اشتراطِ قرشیت کے مؤیدین کے جس قدر دلائل ہیں ان میں سے کوئی دلیل ایسی نہیں جس پر انہوں نے سنگین اعتراضات نہ کئے ہوں۔ اور وہ مجروح ہو کر نہ رہ گئی ہو۔ جو صاحب مزید بصیرت حاصل کرنی چاہیں، فتح الباری جلد ۳۔ کتاب الاحکام کے ابواب "الامراء من قریش" اور "السمع والطاعۃ للامام" ملاحظہ فرمائیں۔

غرض کہ جہاں تک تمام احادیث و دلائل پر نظر ڈالی جاتی ہے، اشتراطِ قرشیت کے لئے کوئی نص موجود نہیں اگرچہ بصورتِ اشتراط بھی موجودہ مسئلہ خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ موجودہ مسئلہ انتخابِ امام کا نہیں ہے۔ امام قائم و نافذ کی امامت و اطاعت کا ہے۔

Marfat.com

خلافتِ آلِ عثمان

چند لمحاتِ تاریخیہ

اب بہتر ہو گا کہ تھوڑی دیر کے لئے ہم آگے بڑھنے سے رُک جائیں اور گذشتہ تیرہ صدیوں کی طرف مُڑ کے دیکھیں کہ خلافت اسلامیہ کے مختلف دوروں کا کیا حال رہا ہے؟

"الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ" (میرے بعد خلافت خاصہ تیس برس تک رہے گی) کی خبر کے مطابق خلفاء راشدین کا دور تیس برس تک رہا۔ ۱۱ھ سے شروع ہوا اور ٹھیک ۴۱ھ تک باقی رہا۔ اسی سنہ سے بنو امیہ کی خلافت کا دور شروع ہوتا ہے۔ اور ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک قائم رہتا ہے۔ اس کے بعد خلافت نے ایک نیا ورق اُلٹا، اور خاندان عباسیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ خلافت کا سب سے بڑا سلسلہ یہی ہے جو ۱۳۲ھ سے ۶۵۲ھ تک قائم رہا۔ چونکہ کامل پانچ صدیوں تک حکمرانی ایک ہی گھرانے میں رہی، اس لئے وہ تمام ذہنی و جسمانی اور اجتماعی و مدنی فسادات کمال درجہ تک پیدا ہو گئے، جو ہمیشہ امتداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمی نتائج رہے ہیں۔ قریش کی نسبت فرمایا تھا: "ما اقاموا الدین" جب

Marfat.com

تک وہ دین قائم رکھیں گے حکومت انہی میں رہے گی سواب ٹھیک ٹھیک وہ وقت آگیا تھا۔ قریش وعرب میں دین قائم رکھنے کی صلاحیت مفقود ہو گئی تھی۔ قیام دین کا کام دوسری قومیں اور طاقتیں انجام دے رہی تھیں پس وہی ہوا جو تاریخ عالم کے ہر ایسے دور میں ہوتا آیا ہے، ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں تاتاری نے بغداد پر حملہ کیا اور آخری خلیفہ عباسی المستعصم باللہ کے خون نے بہہ کر ہمیشہ کے لیئے عربی و قرشی حکومت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ مستعصم کا قتل فی الحقیقت عربی خلافت کا قتل تھا[1]

[1] فتنۂ تاتار کا ظہور مسلمانوں کے لیئے وہی معاملہ تھا جو بنی اسرائیل کے لیئے بخت نصر کے ظہور میں تھا۔ ثم بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار وکان وعداً مفعولا (۱۷: ۶) بحکم "یاتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذ وا لنعل بالنعل" (صحیحین) اس اُمت پر بھی وہ سب کچھ گزرنے والا ہے جو بنی اسرائیل پر گزر چکا، بنی اسرائیل پر غفلت وضلالت کے دو سب سے بڑے دور آئے۔ اس لیئے دو ہی مرتبہ عام بربادی بھی چھائی اور اُن کی تعذیب کے لیئے دو جابر وقاہر قومیں مسلط ہوئیں: وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علواً کبیراً (۱۷: ۵) پہلی بربادی بخت نصر کے ہاتھوں ہوئی۔ عباداً لنا اولی باس شدید اور دوسری ٹیٹس قیصر روم کے ہاتھوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح اس امت پر بھی طغیان وعصیان کے دو بڑے وقت آنے والے تھے اور ان کے نتائج وہ معذب

Marfat.com

وما کان قیس هلکه هلک واحد

ولکنه بنیان قوم تهدما!

یہ سب ہو چکا، مگر ابھی پیشین گوئی کی ایک آخری سطر باقی تھی۔ یعنی "مابقی منھم اثنان" قریش سے حکومت نکل جائے گی۔ پر نکل جانے پر بھی اُن کی عظمت رفتہ کا یہ اثر باقی رہے گا کہ اگر دو قرشی بھی کسی گوشہ میں نکل آئیں گے تو لوگ خلافت کا اُنہی کو مستحق مانیں گے۔ بغداد میں قرشی خلافت مٹی، لیکن مٹتے مٹتے بھی ایک آخری نقش چھوڑ گئی۔ وہ بغداد کی خون آلود خاک سے اُکھڑا اور تین سو برس تک کے لئے مصر میں جا کر جم گیا۔ البتہ یہ جماؤ قرشی حکومت کا جماؤ نہ تھا۔ محض اس کے نقش قدم کا تھا:

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیکن اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے

عباسی خاندان کے دو چار آدمی بغداد کے قتل عام سے بچ کر نکل

(بقیہ نوٹ ص۱۸۶) قوموں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ قوم تاتار اور اقوام یورپ۔ بنی اسرائیل کی پہلی بربادی خود ایشیا ہی کی ایک قوم کے ہاتھوں ہوئی۔ یعنی اہل بابل کے ہاتھوں۔ اور دوسری کا ظہور یورپ سے ہوا۔ یعنی روم سے۔ ٹھیک اسی طرح اس اُمت کے لئے بھی پہلا فتنہ ایشیا کا تھا اور دوسرا یورپ کا۔ پہلا ہو چکا۔ دوسرا ہو رہا ہے۔

Marfat.com

گئے تھے۔ اُن ہی میں مستعصم کا چچا احمد بن ظاہر عباسی بھی تھا۔ وہ ۶۶۰ھ میں مصر پہنچا۔ وہاں ایوبی خاندان کے ممالیک کی حکومت قائم تھی اور ملک ظاہر بیبرس حکمران تھا۔ اُس کو احمد کے خاندان کا حال معلوم ہوا تو منصب خلافت کا حقدار تسلیم کر لیا اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

احمد بن ظاہر نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا اور بیبرس کی معیت و اعانت حاصل کر کے کوشش کی کہ دار الخلافت بغداد کو تاتاریوں کے تسلط سے نجات دلائے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی اور لڑائی میں شہید ہوا۔

اب پھر وہ وقت آ گیا تھا کہ قریش سے خلافت کا انتساب بالکل معدوم ہو جائے، لیکن "مابقی منھم اثنان" کی پیشین گوئی آخر تک اپنے عجائب دکھلانے والی تھی۔ قتل عام بغداد سے ایک اور عباسی شہزادہ ابو العباس احمد بن علی بچ کر نکل گیا تھا اور حلب میں مخفی تھا۔ اُس کا حال بیبرس کو معلوم ہوا تو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لایا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حاکم بامر اللہ کے لقب سے وہ مشہور ہوا۔ اسی کی نسل میں مصر کی عباسی خلافت ۲۹۱ برس تک قائم رہی۔ یعنی ۶۶۰ھ سے ۹۲۳ھ تک۔

اس عرصہ میں عالم اسلامی دو صدیوں تک طرح طرح کے انقلابات و حوادث سے تہ و بالا ہو کر بالآخر ایک نئے دور میں منتقل ہو چکا تھا۔ عثمانی ترکوں کی حکومت قسطنطنیہ میں قائم ہو کر یورپ و ایشیا کے اندر ہر طرف

Marfat.com

پھیل رہی تھی۔ سنہ ۹۲۳ھ (۱۵۰۷ مسیحی) میں سلطان سلیم خاں اوّل نے مصر و شام پر قبضہ کیا، اور آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے تمام حقوق و امتیازات خلافت سپرد کر دئیے۔ حقوق خلافت کے علاوہ جو چیزیں اس سلسلہ میں سلطان سلیم کو دی گئیں، اُن میں سب سے بڑی چیز مقاماتِ مقدسہ و حرمین کی کنجیاں تھیں اور بعض آثار نبویہ۔ مثلاً آنحضرت صلعم کی تلوار، جھنڈا، ایک چادر۔ یہ آثار اس وقت تک قسطنطنیہ میں بطور سند خلافت کے موجود ہیں۔ اسی تاریخ سے عثمانی سلاطین نمایاں طور پر "خلیفہ" کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے، اور حجاز اور مصر و شام کے منبروں پر اُن کا ذکر بہ حیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا۔ حج کی امارت بھی اُنہی کے قبضہ میں آگئی جو شرعاً خلافت کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔

سلسلۂ خلافت کی یہ ایک مجمل تاریخ ہے۔ بالفرض خلیفہ متوکل عباسی نے سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہوتی، جب بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات کا قدرتی نتیجہ یہی تھا کہ تمام عالم اسلامی کی خلافت کا منصب عثمانی سلاطین ہی کے قبضہ میں آجائے۔ وقت کی جو اسلامی سلطنت سب سے بڑی اور سب سے زیادہ شرع و ملّت کی حفاظت کی طاقت رکھتی ہو، وہی شرعاً خلافت کا منصب رکھ سکتی ہے۔ گزشتہ چار صدیوں کے اندر اسلامی حکومتوں کے انقلابات کا جو حال رہا ہے اُن کو دیکھتے

Marfat.com

ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حق بجز اس سلطنت کے اور کسی سلطنت کو مل سکتا تھا؟ خود ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کی حکومت قائم تھی۔ وہ ہندوستان کے اندر اپنے ہی کو امام سمجھتے تھے، لیکن عالم اسلامی کی خلافتِ عظمیٰ کا دعویٰ کبھی اُن کے وہم و خیال میں بھی نہیں گزرا، اور اگر گزرتا تو دنیا ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ ابتدا سے لے کر آخر تک مقامِ خلافت کی جو اہم و مشترک خصوصیات رہی ہیں اور جن کو تمام دنیا کے مسلمانوں نے عملاً بطورِ اسنادِ خلافت کے تسلیم کر لیا ہے، وہ خلفاء عباسیہ کے بعد صرف عثمانی سلاطین ہی کو حاصل ہوئیں۔ کوئی دوسری اسلامی حکومت اس عام اقتدار و اختیارات کے ساتھ قائم نہ ہو سکی۔

خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ

اس عارضی وقفہ کے بعد اب ہم پھر آگے بڑھتے ہیں۔ سلطان سلیم خان اوّل کے عہد سے لے کر آج تک بلا نزاع سلاطینِ عثمانیہ ترک تمام مسلمانانِ عالم کے خلیفہ و امام ہیں۔ ان چار صدیوں کے اندر ایک مدعی خلافت بھی اُن کے مقابلہ میں نہیں اُٹھا۔ بنو امیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں بے شمار رقیبوں اور دعویداروں کی کشمکش نظر آتی ہے، لیکن سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی پوری تاریخ میں کسی ایک مدعی خلافت کا نام بھی ڈھونڈھ کر

Marfat.com

نہیں نکالا جا سکتا۔ حکومت کے دعویدار سیکڑوں اُٹھے ہوں۔ مگر اسلام کی مرکزی خلافت کا دعویٰ کوئی نہ کر سکا۔

صدیوں سے اسلام و بلادِ اسلام کی حفاظت کی تلوار صرف اُنہی کے ہاتھوں میں ہے۔ صدیوں سے صرف انہی کا سینہ اسلام کی راہ میں زخمی ہے۔ صرف انہی کی لاشیں اسلام کے لیئے خاک و خون میں تڑپتی ہیں۔ اور صرف انہی کی ذمہ داری پر تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں نے اسلام کی مرکزی حفاظت کا کاروبار چھوڑ رکھا ہے۔ دنیا کے خواہ کسی گوشہ میں کوئی مسلمان ہو اگر وہ بحیثیت ایک مسلمان کے اسلام کا چوتھا رکن حج ادا کرنے کے لیئے نکلتا ہے، تو عرفات کے میدان میں کھڑے ہو کر اس کو عثمانی امامت کی دینی ریاست قبول کرنی پڑتی ہے اور حج کا فریضہ عثمانی خلیفہ ہی کے بھیجے ہوئے نائب کے ماتحت انجام دیتا ہے۔ شریف حسین نے غیر مسلم محاربین کا ساتھ دیکر اگر بغاوت کی اور حجاز کو قسطنطنیہ کے اقتدار حکومت سے الگ کر لیا، تو یہ فساد و عدوان کی ایک عارضی حالت ہے جو شرعاً معتبر نہیں۔ حجاز حکماً اب بھی خلیفۂ قسطنطنیہ کی حکومت ہی کا ایک جزء ہے۔ اور تمام مسلمانانِ عالم کا شرعاً فرض ہے کہ حرمین کو باغیوں کے تصرف سے نکال لینے کی کوشش کریں، اور اس وقت تک کرتے رہیں جب تک بغاوت اور باغیوں کا بالکل استیصال نہ ہو جائے۔ اگر ایسا

Marfat.com

نہ کریں گے تو ہر مسلمان اس کے لئے عنداللہ جواب دہ ہوگا۔

تمام کرۂ ارضی کے مسلمان آرام و عیش کے دن بسر کرنے اور فارغ البالی کے بستر پر سونے کے لئے ہیں، لیکن صرف وہی ایک ہیں جو سارے مسلمانوں کی عزت و زندگی کے بچاؤ کے لئے صدیوں سے تلواروں کے سائے تلے زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ اور چاروں طرف سے دشمنوں کی زد میں ہیں۔ کامل پانچ صدیوں سے یورپ اور ایشیا کا سب سے بڑا رقبہ ان کے خون سے رنگین ہو رہا ہے۔ ایک چوتھائی صدی بھی آج تک ایسی نہیں گزری کہ دشمنوں کی تلواروں نے انہیں مہلت دی ہو۔ اُن کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں کہ جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئی نہ رہا۔ ساری تلواریں ٹوٹ گئیں۔ سارے بازو شل ہو گئے تو پانچ صدیوں سے وہ کیوں اسلام کے بچاؤ کے لئے باقی ہیں؟ اور کیوں وہ وقت آنے نہیں دیتے۔ جب اسلام کی پولیٹکل طاقت کا بالکل خاتمہ ہو جائے؟

بدوستیِ تو خصمند عالمے با من
ہزار دشمن و یک دوست مشکل افتاد است

پس تیرہ سو برس کے متفقہ عقیدہ و عمل کے مطابق وہی آج تمام مسلمانانِ عالم کے خلیفہ و امام اور "اولوالامر" ہیں۔ اُن کی اطاعت و حمایت

Marfat.com

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و حمایت ہے اُن سے پھرنا اور اُن کو اپنے جان و مال سے مدد نہ دینا اللہ اور اُس کے رسول سے پھرنا ہے اور اللہ اور اُس کے رسول کو اپنی جان و مال کی طرف سے صاف جواب دے دینا ہے جو ان کی اطاعت سے باہر ہوا، اگرچہ صرف بالشت بھر باہر ہوا ہو اور اسی حالت میں مر گیا اس کی موت اسلامی زندگی کی موت نہ ہو گی جاہلیت کی موت ہو گی۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو، اگرچہ روزہ رکھتا ہو اگرچہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو جس نے ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی وہ مسلمانوں میں سے نہیں، اگرچہ دنیا اُس کو مسلمانوں میں سے سمجھتی ہو۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی شہادت اس کی شریعت کی ان گنت اور بے شمار دلیلیں، ایک ہزار تین سو برس سے مانا ہوا اسلام کا حکم و عقیدہ اسلام کی سیکڑوں نسلوں اور لاتعداد گھرانوں کا تعامل و اجماع اور سورج کی کرنوں کی طرح یقینی اور قطعی حقیقت، یہی بتا رہی ہے اور ہر مسلمان کے دل پر نقش ہے۔ ایک مسلمان کے لئے بشرطیکہ وہ ساری باتوں سے مقدم اپنے اسلامی تعلق کو سمجھتا ہو اور دنیا سے ایک مومن اعتقاد و عمل ساتھ لے جانا چاہتا ہو، اس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جاہل سے لے کر عالم تک۔ مزدور سے لے کر نظام دکن تک، کوئی نہیں، جس کا دل اس اعتقاد سے خالی ہو۔ زندگی کا عشق اور نفس کی پرستش جس انسان سے چوری کرا لیتی ہے۔ ڈاکے ڈلواتی ہے، قتل کراتی ہے

Marfat.com

اُس انسان سے کیا بعید ہے کہ آج کسی طمع یا خوف سے عثمانی خلافت کا انکار کردے، یا عثمانی خلیفہ کی اطاعت وحمایت کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے؟ دنیا کی پوری تاریخ انسانی کمزوریوں کی دردانگیز مثالوں سے لبریز ہے۔ پس یہ کوئی عجیب واقعہ نہ ہوگا۔ اگر آج چند نئی مثالوں کا مزید اضافہ ہوجائے لیکن حقیقت ہرحال میں حقیقت ہے۔ اُس سے انکار کیا جا سکتا ہے، لیکن اُس کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ اُس سے اغماض کیا جاسکتا ہے، لیکن اُس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اُس سے آنکھیں بند کرلی جاسکتی ہیں لیکن اُس کی زبان بند نہیں کی جاسکتی!

ہم یہاں قصداً ترکوں کی سیاسی وتمدنی کارگزاریوں کی بحث نہیں چھیڑیں گے۔ ہم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی تمام حکمران جماعتوں میں ترکوں ہی کی جماعت وہ بدقسمت جماعت ہے جس کے لئے کوئی یورپین دماغ مصنف نہیں ہوسکتا۔ یورپ کا پچھلا مورّخ ہو، خواہ موجودہ عہد کا مدبر، وہ گزشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کی مدح وتوصیف کرسکتا ہے جو اب موجود نہیں ہیں، لیکن اُن ترکوں کی نہیں کرسکتا جن کی تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل وجگر میں پیوست ہونے کے لئے چمکتی رہی ہیں۔ وہ خلافتِ بنوامیہ کی ایک بہتر تاریخ لکھ سکتا ہے۔ عباسیہ کے دورِ علم وتمدن کی مدحت سرائی کرسکتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی تک کو ایک بت کی طرح

Marfat.com

پوچھ لے سکتا ہے۔ لیکن وہ اُن ترکوں کے لئے کیونکر انصاف کرسکتا ہے جو نہ عرب پر قانع ہوئے نہ ایران و عراق پر۔ نہ شام و فلسطین کی حکومت اُن کو خوش کرسکی، نہ وسط ایشیا کی بلکہ تمام مشرق سے بے پروا ہو کر یورپ کی طرف بڑھے، اُس کے عین قلب (قسطنطنیہ) کو مسخر کرلیا اور اُس کی اندرونی آبادیوں تک میں سمندر کی موجوں کی طرح در آئے۔ حتیٰ کہ دارالحکومت آسٹریا کی دیواریں اُن کے جولانِ قدم کی ترکتازیوں سے بارہا گرتے گرتے بچ گئیں!

ترکوں کا یہ وہ جرم ہے جو یورپ کبھی معاف نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں کا کوئی موجودہ حکمران خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں ان کا شریک نہیں ہے۔ اس لئے ہر حکمران مسلمان اچھا تھا جو یورپ کی طرف متوجہ نہ ہوسکا۔ مگر ہر ترک وحشی و خونخوار ہے اس لئے کہ یورپ کا طلسم سطوت اُس کی شمشیر بے پناہ سے ٹوٹ گیا۔

ترکوں نے پانچ صدیوں تک جس آزادی و فیاضی کے ساتھ حکومت کی ہے، اُس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ چار صدیوں کی متصل حکمرانی کے بعد بھی محکوم عیسائیوں کی مذہبی و قومی عصبیت ویسی ہی زندہ و توانا رہی جیسی کسی متعصب سے متعصب مسیحی حکومت کے ماتحت رہ سکتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ ترکوں کی کمزوری کے ساتھ ہی آزاد و خودمختار ہوگئے۔

Marfat.com

اور آج ایک حریف و مقابل کی طرح لڑ رہے ہیں۔

ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے پورے تسلط کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں ہوئے۔ اتنے ہی عرصہ کی حکومت نے قومی عظمت و عصبیت کے جذبات ان لوگوں کے دلوں سے بھی کھینچ لئے ہیں جن کے آباؤ اجداد ساٹھ ستر برس پہلے اسی سرزمین میں حکمراں تھے۔ صرف یہی ایک چیز یورپ کے طرز حکومت اور ترکوں کے طرز حکومت کا فرق واضح کر دینے کے لئے کافی ہے۔

ترکوں کے وہم و خیال میں بھی ظلم و خونخواری کی وہ ہیبت ناک صورتیں اور قومی تعصب و نفرت کی وہ وحشت ناک ہلاکیاں نہیں آسکتیں، جو یورپ کے تمدن و تہذیب کا مغرور بت عین انیسویں اور بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں ایشیا و افریقہ کے اندر کر چکا ہے۔ ان دو صدیوں کے اندر جنگل کے درندے آرام کی نیند سوئے اور سانپوں کو ان کی غاروں سے باہر نہیں نکالا گیا لیکن ایشیا و افریقہ میں یورپ کے ہاتھوں زمین کا ایک ٹکڑہ بھی ایسا نہ بچ سکا جس کو وہاں کی بدبخت مخلوق اپنی زمین کہہ سکے، اور جہاں ایک مالک و مختار کی طرح امن و عزت کی زندگی بسر کر سکے۔

خود اسی آخری جنگ میں یورپ کے ہر درندہ نے دوسرے درندے کو جس طرح پھاڑا، اور ہر سفید بھیڑیے نے دوسرے سفید بھیڑیے پر جس پنجہ

Marfat.com

مارا نہ صرف ترکوں کی تاریخ میں بلکہ تمام ایشیا کی خونریزیوں کی مجموعی تاریخ میں اُس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

بایں ہمہ ترک خونخوار اور وحشی ہیں، اور یورپ تہذیب و تمدن اور امن و رحم کا پیغمبر ہے! علی الخصوص برطانیہ کے مقدس جزیرہ میں تو جس قدر فرشتے بستے ہیں، وہ صرف انسانی آزادی کی حفاظت اور چھوٹی قوموں کی حمایت ہی کے لئے آسمان سے اُتارے گئے ہیں!

یہ کرۂ ارضی کی تاریخ میں حق و باطل کا سب سے بڑا مقابلہ ہے۔ آج اس کی فتح و شکست کا اصلی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ زمین فوجوں کے بوجھ سے دبی ہوئی ہے۔ فضا ہوائی جہازوں کی قطاروں سے بھری ہوئی۔ اس کا فیصلہ کل ہوگا جب خدا کا دائمی قانون نتائج و عواقب کی زبان میں حقیقت کا اعلان کرے گا اور مورخ کا قلم لکھے گا کہ یہ طاقت اور گھمنڈ کا سب سے بڑا چیلنج تھا جو سچائی کو دیا جا سکتا ہے۔ تاہم سچائی ہی سب سے بڑی طاقت ہے اور بالآخر فیصلہ اُسی کا فیصلہ ہے۔ سنت اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳: ۶۲)۔

بہرحال ہماری صحبت سے یہ موضوع باہر ہے۔ ترکوں کی حکمرانی جیسی کچھ بھی رہی ہو۔ بدتر ترک سلطان حجاج بن یوسف اور خالد قسری جیسے اشرار بنو امیہ سے بھی بدتر کیوں نہ رہا ہو۔ لیکن مسلمانوں کو اپنے

Marfat.com

مسلمان حاکموں کی اطاعت کا ہر حال میں حکم دیا گیا ہے۔ اور اُن کا از روئے شرع یہی عقیدہ ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام ہیں۔ اس میں کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق نہیں؛

نمی دانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را؟
دل از من، دیدہ از من، آستین از من، کنار از من!

لہ (نوٹ صفحہ ۱۹۷) آج ترکوں کی وحشت و تمدّن کا فیصلہ علم و تحقیق کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ حریف حکومتوں کے اُن مغرور وزراء کے قبضہ میں ہے جو میدان جنگ سے واپس آکر اپنے ایک جنگی دشمن کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں۔ پس امید نہیں کہ ڈریپر (DRAPER) جیسے زمانۂ حال کے مورخوں کی شہادت اس بارے میں سُنی جائے۔ یہ امریکن مصنف اپنی مشہور کتاب (HISTORY OF THE CONFLICT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE) میں لکھتا ہے کہ انصاف و عدالت اور مذہبی بے تعصبی میں اپنے عہد کی تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے۔ جو چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو تنزل یافتہ بزنطائن پر حاصل تھی۔ ایڈورڈ کریسی نے تاریخ روم میں ترکوں کو تہذیب و تمدّن اور علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے پندرھویں اور سولھویں صدی کے تمام یورپ میں سب سے برتر قوم تسلیم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا کی قسم کی کتابیں لکھنے کا ترکوں ہی کی تقلید سے یورپ میں رواج ہوا۔ یورپ کی زبانوں میں سب سے پہلی انسائیکلوپیڈیا ڈالا مبرٹ

Marfat.com

مسلمانانِ ہند اور خلافت سلاطینِ عثمانیہ

جب تک بغداد کی خلافت باقی رہی ہندوستان کے تمام حکمران خاندان اُسی کے زیرِ اثر اور فرمانبردار رہے۔ عباسیۂ بغداد کی خلافت جب مٹ گئی اور ۶۶۰ھ میں مصر کی عباسی خلافت کا سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ یہ عباسیہ کے کاردانِ رفتہ کا محض ایک نمود غبار تھا۔ تاہم تمام سلاطین ہند اس کی حلقہ بگوشی و غلامی کو اپنے لئے موجب فخر و امتیاز سمجھتے رہے، اور مرکزی خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا کہ اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوا دینے کے لئے مقام خلافت سے پروانۂ نیابت حاصل کرتے رہیں۔ سلطان محمد بن تغلق شاہ

(بقیہ نوٹ ص ۱۹۸) (D'ALAMBERT) نے لکھی لیکن اس کو ایک ترک مصنف کلبی بے کی ناموس العلوم ہی کے مطالعہ سے رہنمائی ملی تھی۔ کمسرٹ، رسد رسانی اور فوجی شفاخانوں کا باقاعدہ انتظام ترکوں ہی سے یورپ نے سیکھا۔ قلعہ کی تعمیرات میں تمام یورپ ترکوں کا شاگرد رہا ہے۔ فوجی باجا تمام یورپ نے ترکوں سے حاصل کیا۔ چیچک کے ٹیکے کا اصلی موجد ایک ترک تھا۔ یہ ڈریپر، کریسی، لنگڈم، کاھفوڈ وغیرہ مورخوں کی تحقیق ہے جنہوں نے اپنے کتب خانوں میں بیٹھ کر ترکوں کے اعمال پر نظر ڈالی تھی۔ تلافی طور پر سر ایڈورڈ گرے اور مسٹر لائیڈ جارج کی رائے اس سے مختلف ہونی چاہیئے جو ابھی ابھی گیلی پولی اور عمارہ میں ترکوں کی تلوار کا کاری زخم کھا کر نکلے ہیں اور کتب خانوں کی جگہ نظارت خانوں کے اندر فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں!

Marfat.com

کے غرور حکومت کا یہ حال تھا کہ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی اس کو "ہمتِ فرعونی و نمرودی" سے تعبیر کرنا چاہتا ہے۔ تاہم اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ غرور جو وہ کر سکا یہی تھا کہ اپنے تئیں خلیفۂ مصر کا سب سے بڑا فرمانبردار غلام اور چاکر ظاہر کرے، اور رعایا کو یقین دلائے کہ بلا اس کے حکم کے میں تم پر حکومت نہیں کرتا۔ تاریخ برنی میں ہے:-

"امیر المومنین خلیفہ را بندہ ترین ہمہ بندگان بود و بے امر و بے فرمان او دست در امور اولوالامری نہ زد" (مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۴۶۰)

برنی نے سلطان فیروز شاہ کے فضائل و سوانح کے لئے گیارہ مقدمے ترتیب دیئے ہیں، اُن میں نواں مقدمہ یہ ہے:

"مقدمۂ نہم در آنکہ دو کرت از حضرت امیر المومنین خلعت اولوالامری و منشور اذن و لواء شاہی بر سلطان عصر فیروز شاہ رسیدہ، و بادشاہی و اولوالامری خداوند عالم بداں استحکام گرفتہ۔"

پھر اسی مقدمہ میں لکھتا ہے:

"در مدت شش سال دو کرت از امیر المومنین منشور اولوالامری و خلعت شاہی و لواء سلطنت بدو رسید، و حق جل و علی پادشاہ دین پرور مارا در عزت داشت منشور و خلعت و فرستادگان توفیق بخشید، و شرائط حرمت مراسم امیر المومنین بالغاً ما بلغ بجا آورد، و ہم چنیں دانست کہ منشور و خلعت

Marfat.com

امیرالمومنین از آسمان منزل شده، واز درگاہ مصطفیٰ صلعم رسیدہ عرضداشتے باتحفۂ وہدایاء درنہایت تواضع بندگی امیرالمومنین رواں کرد" الخ (صفحہ ۵۹۸)

یعنی سلطان فیروز شاہ کے فضائل و مفاخر میں سے ایک بڑی بات یہ سمجھی گئی کہ خلیفۂ مصر نے اجازتِ حکومت کا پروانہ امداد لوا اور خلعت بھیجا اور بادشاہ کو اس کی اطاعت و حرمت کی توفیق ملی۔ فیروز شاہ نے اس بات کی اس درجہ قدر کی۔ گویا آسمان سے یہ عزت نازل ہوئی ہے۔ اور خود بارگاہ حضرت محمد الرسول اللہ صلعم سے اس کو قبولیت کی سند مل گئی ہے!

شمس الدین سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جب خلیفہ کے سفراء شہر کے قریب پہنچے تو فیروز شاہ خود استقبال کے لئے پیدل نکلا۔ فرمانِ خلافت کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ پھر بوسہ دے کر سر پر رکھا اور اسی طرح سر پر دھرے ہوئے دربار حکومت تک واپس آیا۔

غور کرو! مقام خلافت کی عظمت و جبروت کا اثر کس درجہ عالمگیر رہا ہے؟ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی خلافت کی صرف برائے نام نسبت اس درجہ ہیبت و جبروت رکھتی تھی کہ ہندوستان جیسے بعید گوشہ میں ایک عظیم الشان فرمانروائے اقلیم، اذنِ اجازت حاصل ہو جانے پر فخر کرتا ہے۔ اور مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اس

Marfat.com

طرح چھائی ہوئی ہے کہ وہاں کا فرمان آسمانی فرمان اور وہاں کا حکم بارگاہ نبوت کا حکم سمجھا جاتا ہے!

مغلیہ سلطنت خلفاء مصر کے آخری عہد میں قائم ہوئی ہندوستان میں بابر شاہ کی قسمت آزمائیوں کا زمانہ تھا جب سلطان سلیم خاں کے ہاتھ پر خلیفہ متوکل عباسی نے بیعت کی اور حجاز و شام میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعلان ہوا۔ شاہان مغلیہ اگرچہ ہندوستان میں خود اپنے ہی کو امام سمجھتے تھے، اور باعتبار حکومت کے یہ حق انہیں حاصل بھی تھا تاہم عام اسلامی خلافت کا انہوں نے کبھی دعویٰ نہ کیا۔ ہمیشہ عرب و شام کے مسلمہ خلفاء ہی کو خلیفہ تسلیم کرتے رہے شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بھی اگر حج کے لئے جاتے، تو اُن کو قسطنطنیہ کے خلیفہ ہی کی امارت میں حج ادا کرنا پڑتا۔ میدانِ عرفات میں وہ خود خطیب نہ ہوتے۔ قسطنطنیہ کا نائب السلطان خطبہ دیتا۔ وہ کھڑے ہو کر اُسی طرح سنتے جس طرح ایک عام مسلمان اُن کے بغل میں کھڑا سن رہا ہوتا۔ شرعاً و عقلاً تسلیم خلافت کے لئے اس سے زیادہ اور کونسی بات ہو سکتی ہے؟

بعض یورپین اخبارات کے مشرقی نامہ نگاروں نے بار بار یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ترکی حکومت سے باہر ترکی خلافت کا اعتقاد زیادہ تر سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کی سعی سے پیدا ہوا اور ان کا مقصود اس سے یہ تھا کہ

Marfat.com

نام نہاد "پان اسلامزم" تحریک کو تمام مسلمانانِ عالم میں پھیلایا جائے۔
یہاں ہم یورپ کے متخیلہ و متوہمہ "پان اسلامزم" کی حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔ "پان اسلامزم" سے اگر مقصود مسلمانوں کی بلا امتیاز وطن و قومیت باہمی برادری ہے، تو اس کی تاریخ سلطان عبدالحمید کے زمانے سے نہیں بلکہ نزول قرآن و ظہور اسلام سے شروع ہوتی ہے لیکن عثمانی خلافت کے عالمگیر اسلامی اعتقاد کو سلطان عبدالحمید سے منسوب کرنا ایک ایسی بات ہے جو یا تو حد درجہ جہل کا نتیجہ ہے یا حد درجہ دروغ گوئی کا اور ہم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس چیز کو محققین یورپ کے لئے پسند کریں؟ سنہ ۹۲۳ھ میں جب بعہد سلطان سلیم خاں سلاطین عثمانیہ خلیفۃ المسلمین تسلیم کئے گئے، تو اس وقت عالم اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایران میں سلاطین صفویہ کی حکومت تھی۔ ہندوستان میں مغلیہ کی اندرون یمن میں ائمۂ زیدیہ کی، اور اندرون عرب میں خود مختار قبائل اور بعض شیوخ کی۔ پس جہاں جہاں اسلامی حکومتیں موجود تھیں، وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و انقیاد کا محل و مرکز خود مقامی اسلامی حکومت ہوگئی تھی، اور احکام شرعیہ کے نفاذ و اجزاء کے لئے بھی وہ کسی بیرونی حکومت کے محتاج نہ تھے۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ ان ممالک میں مرکزی خلافت کا تعلق کسی نمایاں شکل میں یکایک ظاہر نہیں ہوسکتا تھا بسلطنت

Marfat.com

کے رقیبانہ جذبات بھی اپنی انتہائی حالت میں سب پر چھائے ہوئے تھے، صدیوں پہلے سے تفرقہ و انتشار کی عالمگیر مصیبت تمام عالمِ اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکی تھی۔ لیکن ان ممالک کے علاوہ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اور اپنی مقامی اسلامی حکومت نہیں رکھتے تھے، وہ اگرچہ ترکی حکومت سے کتنے ہی دور دراز گوشوں میں واقع ہوں، لیکن عثمانی سلاطین ہی کو اسلام کی مرکزی خلافتِ عظمیٰ پر قابض و متصرف تسلیم کرتے تھے، اور اسی لئے جمعہ و عیدین کے خطبوں میں ان کے لئے خاص طور پر دعا مانگنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ خود ہندوستان کے قرب و جوار اور بحرچین کے جزائر میں مسلمانوں کا ایک ایک فرد خلیفۂ قسطنطنیہ کی اس حیثیت دینی کا پورا پورا اعتقاد رکھتا تھا۔

جزائر سیلون ہندوستان ہی کا ایک بحری گوشہ ہے۔ ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۱ء) میں دکن کے مشہور عالم سید قمرالدین اورنگ آبادی حج سے واپسی میں کولمبو پہنچے اور وہاں کی سیر کی۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی اُن کے معاصر ہیں اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں اُن کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ساحلی مقامات میں ڈچوں کی حکومت ہے۔ اندرونی جزائر میں ہندو راجہ ہے کولمبو میں مسلمانوں کے دو محلے ہیں۔ جمعہ کی نماز تین مرتبہ سید موصوف نے وہاں پڑھی۔ خطبہ میں امام نے پادشاہِ ہند اور سلطانِ روم کے لئے

Marfat.com

دعا مانگی تھی "لکونہ خادما الحرمین الشریفین" یعنی اس لئے کہ وہ خادم حرمین ہیں (سبحۃ المرجان مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳)

یہ اب سے ڈیڑھ سو برس پیشتر کا واقعہ ہے۔ سیلون کے جزیروں میں اگر مسلمان ایک غیر مسلم حاکم کے ماتحت رہ کر شاہ ہند کا ذکر کرتے تھے، تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ ہندوستان اُن سے بالکل متصل تھا۔ لیکن قسطنطنیہ کے سلطان کے لیئے دعا مانگنا جو بحر ہند سے اس قدر بعید فاصلہ پر واقع ہے، کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا اس کے سوا کوئی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمام عالم اسلامی میں وہی خلیفۃ المسلمین ہے اور اس لئے گو اور بھی بہت سی اسلامی حکومتیں موجود ہوں، مگر ہر گوشۂ عالم کے مسلمانوں کے دلی تعلق و اطاعت کا اصلی مرکز صرف وہی ہو سکتا ہے؟

صاحب تحفۃ العالم چین کو چک کے ایک سیاح سے اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں جس نے عجیب عجیب جزیروں اور وہاں کے رسم و رواج کا مشاہدہ کیا تھا۔ "چین کوچک" سے مقصود بحر چین کے جزائر سماٹرا، ملایا، جاوا وغیرہ ہیں۔ سیاح مذکور کہتا ہے کہ اکثر جزائر میں مسلمان آباد ہیں اور مسجدیں معمور ہیں۔ جمعہ کے خطبوں میں سلطان روم کے لئے دعا مانگتے ہیں اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ یہ واقعہ بھی بارھویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے۔

Marfat.com

باقی رہا یہ خیال کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعتقاد حال کی پیداوار ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک خود ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی، کسی بیرونی اسلامی حکومت سے مسلمانوں کو بلاواسطہ تعلق رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ البتہ سلطنت مغلیہ کے انقراض کے بعد وہ مجبور ہو گئے کہ بلاواسطہ خلافت قسطنطنیہ سے اپنا رشتۂ انقیاد و عقیدت قائم کرلیں۔ تاہم اسلام کی مرکزی خلافت پر سلاطین عثمانیہ کا قابض ہونا ایک ایسی مسلم و معروف بات ہے جو ہمیشہ علماء ہند کے علم و اعتقاد میں رہی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا سال وفات ۱۱۷۶ھ ہے۔ ان کا زمانہ احمد شاہ ابدالی کی آمد و رفت کا زمانہ تھا اور ہندوستان میں اسلامی حکومت ابھی قائم تھی۔ انہوں نے تفہیمات الٰہیہ میں دو جگہ سلاطین روم کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"از زمان سلطان سلیم خاں کہ در اوائل سنہ الف بود، اکثر بلاد عرب و مصر و شام تحت تصرفِ سلاطین روم اند، و خدمت حرمین الشریفین زادھما اللہ شرفاً و کرامۃً، و امارت موسم و ریاست حجاج، و اہتمام محامل و قوافل بر ایشاں استقرار یافت۔ و بہمیں جہت بر منابر عرب و شام خصوصاً حرمین شریفین ہر یکے از ایشاں بہ لقب امیر المومنیں مذکور ست۔"

یمن میں اگرچہ ائمۂ زیدیہ سلاطین عثمانیہ کے رقیب و حریف

Marfat.com

تھے، اور انہوں نے اندرون ملک میں کبھی اُن کی حکومت جمنے نہ دی۔

بااین ہمہ گیارھویں سے تیرھویں صدی تک کے علماء یمن کی مصنفات کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، اُن سے پوشیدہ نہیں کہ اکثروں نے سلاطین عثمانیہ کی مرکزی حیثیت تسلیم کی ہے جس کے معنی بجز خلافت اسلامیہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ علامہ صالح مقبلی صاحب العلم الشامخ المتولد ۱۰۴۷ھ علامہ فلانی صاحب ایقاظ الہمم، شیخ عبدالخالق زبیدی صاحب صفوۃ الاخبار وغیرہم اپنی کتابوں میں جابجا ترکی گورنروں کے جبر و ستم کی شکایتیں کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی سلاطین عثمانیہ کا ذکر ایسے پیرایہ میں کرتے ہیں جس سے اُن کی اسلامی خلافت و امامت کا مسلّمہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سلطان کو مخاطب کر کے یہ کہنا کہ جو شخص آج روئے زمین پر تمام مسلمانوں کا خلیفہ و امام کہلائے، اس کے گورنر اس طرح رعایا کے ساتھ سلوک کریں؟ جس کے صاف معنی یہی ہیں کہ سلاطین عثمانیہ، تمام مسلمانانِ عالم کے خلیفہ و امام تسلیم کئے جاتے تھے۔

یہ موقعہ مزید اطناب و تفصیل کا نہیں ہے۔ سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا زمانہ ہزار صدی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ پس اگر اس کا ذکر مل سکتا ہے تو پچھلی تین صدیوں کی مصنفات میں۔ چونکہ ان عہدوں کی تصنیفات عام طور پر علماء ہند کے مطالعہ میں نہیں آئی ہیں، اس لئے

Marfat.com

مسئلہ کے تاریخی شواہد سے عموماً لوگ بے خبر ہیں۔ تلاش کیا جائے تو ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہو جا سکتا ہے۔

خود یورپین حکومتیں علی الخصوص برٹش گورنمنٹ سلطان عثمانی کی اس دینی حیثیت کا ہمیشہ اقرار کرتی آئی ہے، اور جب کبھی ضرورت ہوئی ہے قسطنطنیہ کی طاقت سے بہ حیثیت خلیفۂ اسلام کے کام لیا گیا ہے۔ غدر ۵۷ء کے موقعہ پر سلطان عبد المجید سے جو فرمان مسلمانانِ ہند کے نام حاصل کیا گیا تھا اور جس میں اُن کو انگریزی حکومت کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی ہدایت کی تھی، اس کی بناء بھی یہی تھی کہ سلطان قسطنطنیہ کو بہ حیثیت خلیفۂ اسلام مسلمانانِ ہند کی ارشاد و ہدایت کا حق حاصل ہے۔ کوئین وکٹوریا کے عہد میں بارہا حج اور حاجیوں کی مشکلات کا سوال گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اُٹھایا گیا، اور پھر امپیریل گورنمنٹ نے باب عالی کو اس احتجاج کے ساتھ توجہ دلائی کہ بہ حیثیت خلیفۂ اسلام ہونے کے حجاج کی تکالیف دور کرنا اُن کا مذہبی فرض ہے۔ فرانس اور روس کی جانب سے بھی سلطان عبد الحمید خاں کے زمانے میں متعدد مرتبہ ایسے اظہارات و اعترافات ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

قرونِ متوسطہ و اخیرہ میں مرکزی حکمرانی

ہم جا بجا "اسلام کی مرکزی حکمرانی" اور "خلافت عظمیٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام کا محور و اساس مسئلہ "توحید" ہے۔ "توحید" کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہونا۔ صرف اللہ کی ذات و صفات ہی لیں یہ حقیقت محدود نہ تھی جیسا کہ بدقسمتی سے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ عقائد و اعمال کی ہر شاخ اور ہر شکل میں اسلام کا اصل الاصول توحید ہی ہے۔ وہ مسلمانوں کی تمام اُن باتوں میں جو فرد و اجتماع سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک کامل توحیدی حالت پیدا کر دینی چاہتا ہے جس طرح خدا کی ذات کی طرح اُس کی خلقت اور قوانینِ خلقت میں بھی ہر چیز پر اور ہر جگہ یگانگی و یک عملی اور وحدت و احدیت کارفرما ہے۔

"ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت۔ فارجع البصر هل تریٰ من فطور" (ملک)

اس بنا پر اسلام نے جس طرح مسلمانوں کی ساری باتیں ایک قرار دی تھیں۔ اُن کی شریعت، اُن کا قانون، اُن کی کتاب احکام، اُن کی زبان، اُن کی قومیت، اُن کا قبلہ، اُن کا کعبہ، اُن کا مرکزِ اجتماع، مرکزِ ارض، اسی طرح اُن کی حکومت بھی ایک ہی قرار دی تھی، یعنی تمام روئے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانروا و خلیفہ ہو۔ لیکن جہاں ساری باتوں میں انحراف

Marfat.com

اور تفرقہ و انتشار ہوا، وہاں یہ بات بھی جاتی رہی۔ خلفاء راشدین کے بعد صرف بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک وحدت حکومت نظر آتی ہے۔ اس کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جب تمام عالم اسلامی کی حکومت کسی ایک طاقت میں جمع رہی ہو۔ مختلف گوشوں میں مختلف دعویدار اُٹھے، اور جس کا قدم جہاں جم گیا، خود مختارانہ فرمانروائی کرنے لگا۔

با ایں ہمہ ایک خاص مرکزی اقتدار ہر زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور مورخ کی بصیرت محسوس کر لیتی ہے کہ اس تفرقہ و انتشار کی عام سطح میں ایک مرکزی قوت اُبھری ہوئی ہے۔ اسلامی حکومتیں ہر گوشۂ عالم میں قائم ہو گئی تھیں، مگر ہمیشہ ایک خاص مقام ایسا ضرور رہا جہاں کی حکمرانی دنیا کی تمام اسلامی حکمرانیوں میں ایک مرکزی اقتدار کی حیثیت رکھتی تھی۔ دوسرے مقامات کے فرمانروا اپنے دائرۂ حکومت سے باہر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے۔ لیکن وہاں کا حکمران تمام دُنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک خاص کشش و دعوت اپنے اندر رکھتا تھا۔ یہ بلاد شام و عراق اور عرب و حجاز کی حکومت تھی۔ عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ و مبدا ہے۔ حجاز اسلامی قومیت کا دائمی مرکز اور اسلام کے رُکن حج کا ٹھکانا ہے۔ شریعت نے عرب ہی کو یہ شرعی خصوصیت دی ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے اثر سے محفوظ رکھی جائے۔ شریعت کے اس حکم کی تعمیل بغیر

Marfat.com

حکومت کے ممکن نہیں۔ جو حکومت اس پر قابض ہوگی، وہی اس شرعی حکم کی تعمیل و نفاذ کی ذمہ دار اور اقامتِ حج کی بھی کفیل ہوگی پس قدرتی طور پر یہ بات ہوئی کہ یہاں کی حکومت کو تمام اسلامی حکومتوں میں مرکزی اقتدار اور تمام مسلمانانِ عالم کے قلوب کے لئے ایک انجذابی اثر حاصل ہو جائے۔ اسلام کے ازمنۂ متوسطہ واخیرہ میں یہی مرکزی اقتدار خلافتِ عظمیٰ کا قائم مقام تھا۔ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی ان مقامات کی حکومت خلفاء مصر ہی کے قبضہ میں رہی۔

"مرکزی حکومت" سے مقصود یہی مرکزی اقتدار ہے۔ خلفاء مصر کے بعد جب سلاطینِ عثمانیہ تمام بلاد عرب و حجاز اور مصر و شام پر قابض ہو گئے تو اسلامی خلافتِ عظمیٰ کا مرکزی اقتدار بلا نزاع اُنہی کو حاصل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار صدی کے بعد سے تیرھویں صدی کے اوائل تک اگرچہ بڑی بڑی اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم رہیں۔ لیکن خلافتِ عظمیٰ کے اعتقاد کے ساتھ جب کبھی کسی مسلمان کی نظر اُٹھتی تو وہ صرف قسطنطنیہ ہی کی طرف دیکھ سکتا تھا۔

ترکانِ عثمانی اور عالم اسلامی!

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پوری تاریخ سے قطع نظر کریں۔ صرف

Marfat.com

اس اعتبار سے مسئلہ پر ایک آخری نظر ڈالیں کہ احکام شرعیہ کی بنا پر سلاطینِ عثمانیہ کے اعمال خلافت کا کیا حال رہا ہے بحث کا یہ سب سے زیادہ قطعی اور سب سے زیادہ سہل فیصلہ ہوگا۔

اسلام نے خلیفہ کے نصب و تقرر کے خاص مقاصد قرار دیئے ہیں پچھلی پانچ صدیوں کے اندر متعدد اسلامی حکومتیں دنیا میں موجود تھیں اور بعض اب تک موجود ہیں۔ قوم و جماعت کے اعتبار سے متعدد مسلمان قوموں میں حکومت رہی اور بعض حکمران قومیں اب بھی باقی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان تمام حکمران جماعتوں میں کونسی حکومت ایسی ہے جس نے شریعت کے ٹھہرائے ہوئے مقاصد خلافت انجام دئے؟ اور جو غرض شرعی خلیفہ کے قیام اور بحکم" الذین ان مکناھم فی الارض" الخ تمکین فی الارض سے تھی، وہ اُن کے ہاتھوں پوری ہوئی؟ جس حکومت اور جس حکمران قوم نے ایسا کیا ہو، صرف وہی حکومت اور قوم تمام مسلمانانِ عالم کی خلافت و امامت کا دعویٰ کرسکتی ہے۔

اس اہم سوال کا فیصلہ چند سطروں میں ہو جا سکتا ہے"۔ خلافتِ اسلامیہ" کا مقصد شرعی پچھلی صحبتوں میں صاف ہو چکا ہے۔ سب سے پہلا مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو جو دشمنوں کے حملوں سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔ اسلام و ملت کے دشمنوں کا

Marfat.com

استیصال و انسداد ہو۔ کلمۂ حق دنیا میں بلند اور دور دور تک جاری و نافذ ہو جائے۔ کلمۂ کفر و فساد کو خسران و ناکامی نصیب ہو۔ یہی مقصد پہلا مقصد ہے۔ باقی سب فروع و توابع ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تمام کتب عقائد و اصول میں خلافت کی تعریف کرتے ہوئے "اقامۃ الدین باقامۃ ارکان الاسلام، والقیام بالجہاد وحفظ حدود الاسلام وما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلۃ کے جملے سب سے پہلے ملتے ہیں۔ یعنی وہ مسلمانوں کی ایسی حکومت ہے جو ارکان اسلام کو قائم رکھے، جہاد کا سلسلہ و نظام درست کرے، اسلامی ملکوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچائے اور ان کاموں کے لئے فوجی قوت کی ترتیب اور لڑائی کا سامان وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو، اس کا انتظام کرے مختصر یہ کہ اسلام کا خلیفہ وہ حکمران ہو سکتا ہے جو اسلام وملت کے لئے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دے سکے۔ ساری باتیں ان دو لفظوں میں آگئیں۔

اب فیصلہ کر لو کہ گذشتہ چار صدیوں کے اندر کس حکومت اور کس قوم نے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دی ہے؟

اسلام کا جب ظہور ہوا تو دشمنوں کی پہلی جماعت قریش مکہ کی جماعت تھی۔ اُن کے مٹ جانے کے بعد اس پوری تیرہ صدیوں میں صرف عیسائی

Marfat.com

قومیں ہی مسلمانوں کی دائمی حریف رہی ہیں۔ دوسری غیر مسلم قوموں میں سے کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا داعیہ ہو۔ ایران کی مجوسی قوت کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہو گیا تھا۔ یہودیوں کی کوئی پولیٹیکل قوت نہ تھی۔ ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھ مذہب کے پیرووں نے ہندوستان سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی داعیانہ قوت تھی۔ چین کے تاتاری اُٹھے اور بلاشبہ سب سے بڑی ہلاکت کا باعث ہوئے۔ لیکن بالآخر خود اسلام کے محکوم ہو گئے۔ یعنی ایک صدی کے اندر ہی اندر مسلمان ہو گئے۔

پس تمام روئے زمین پر بجز مسیحی اقوام کے اور کوئی حملہ آور حریف اسلام کا نہ تھا۔ نہ ہے مشرقی عیسائیوں کی قوت ابتدا ہی میں شکست ہو گئی تھی۔ صرف یورپ کی حکومتیں اور قومیں تھیں جن کو خواہ مسیحیت کے نام سے موسوم کرد خواہ یورپ کے نام سے۔ یہی آخری چار صدیاں ہیں۔ جن میں بتدریج یورپ کی طاقت ترقی کرتی گئی، اور اُس کی ترقی کا دوسرا رُخ یہ تھا کہ اسلام کی پولیٹیکل طاقت کو روز افزوں تنزل ہُوا۔

تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں میں سے کون سی قوم ہے جس نے ان چار صدیوں کے اندر یورپ کا مقابلہ کیا ہے، اور دفاع و جہاد جاری رکھ کر اسلام اور مسلمانوں کی اُس کے سب بڑے حریف کے مقابلے میں

Marfat.com

حفاظت کی ہے؟ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی اُن تمام طاقتوں نے جو مشرقی ممالک کے دروازوں سے قریب تھیں، بتدریج قدم بڑھانا شروع کردیا تھا۔ اگر کوئی طاقتور اور متقادم روک موجود نہ ہوتی تو اب سے دو صدی پیشتر ہی تمام وسط ایشیا، شام، عرب، اور اسلامی افریقہ یورپ کے استیلا سے پامال ہوچکا تھا۔

پھر وہ کونسی ناقابلِ تسخیر فوجی قوت تھی جس نے پہلے تو اپنے پے درپے حملوں سے تمام یورپ کو اس طرح پامال کردیا کہ پوری دو صدیوں تک سنبھلنے اور قدم اُٹھانے کی مہلت ہی نہ دی اور پھر تمام ایشیا وبلادِ اسلامی کے عین دروازہ پر مغربی مدافعت کی ایک آہنی دیوار قائم کردی، اور اس طرح حکم جہاد کے دونوں فرض بہ یک وقت تن تنہا انجام دئیے۔ ہجوم بھی۔ اور دفاع بھی؟

کیا ہندوستان کی سلطنتِ مغلیہ نے جس نے اپنی پوری تاریخ میں ایک بار بھی ہندوستان سے قدم باہر نہ نکالا؟ اور جس کی تلوار پانچ صدیوں کے اندر ایک مرتبہ بھی کسی حریفِ ملت کے خون سے رنگین نہ ہوئی؟ عین اکبر اعظم کے زمانے میں ہندوستان کے حاجیوں کو پرتگالیوں اور ڈچوں کے جرگے ساحلِ ہند کے سامنے لوٹ رہے تھے اور وہ ان کے انسداد سے عاجز تھا!

Marfat.com

کیا ایران کے سلاطین نے، جن کے عقبی حملوں نے ہمیشہ سلاطین عثمانیہ کو مجبور کیا کہ یورپ کا فتح مندانہ اقدام ترک کر کے ایشیا کی طرف متوجہ ہو جائیں جس کی وجہ سے یکایک یورپ کو ترکی تلواروں سے مہلت مل گئی اور تمام وسطی یورپ فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔

کیا یمن کے خود مختار قبائل اور عرب ائمہ نے، جن کو اسلام کے اس سب سے بڑے حریف کا شاید حال بھی معلوم نہ تھا؟

ہر انسان جو دو اور دو کو صرف چار ہی کہنا چاہتا ہو، اس کا اقرار کرے گا کہ بجز سلاطینِ عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کی کوئی حکومت اور قوم نہیں ہے جس نے قرونِ اخیرہ میں حفظِ اسلام و ملّت کی یہ خدمت انجام دی ہو اور جو فرض تمام مسلمانانِ عالم کے ذمے عائد ہوتا تھا، اُس کو سب کی طرف سے تن تنہا اُٹھا لیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی نظیر قرونِ اولیٰ کے بعد مسلمانوں کی کسی حکمران قوم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ صرف صلاح الدین ایوبی کی دعوت اس سے مستثنیٰ ہے جس نے تمام یورپ کے متحدہ مسیحی جہاد کو شکست دی۔ تاہم وہ بھی ایک محدود زمانے کا دفاع تھا۔ مسلسل تین چار صدیوں تک صرف ترکوں ہی کی اسلامی مدافعت قائم رہی ہے۔ ان پوری چار صدیوں میں تمام روئے زمین کے مسلمان

Marfat.com

اپنے سب سے بڑے قومی فرض سے غافل رہے۔ کسی قوم نے ایک زخم بھی اس مقدس راہ میں نہیں کھایا۔ کسی بادشاہ نے ایک قدم بھی اس کے لئے نہیں اُٹھایا۔ صرف تن تنہا ترک ہی دنیا بھر کے مسلمانوں کی جانب سے یہ پورا کام انجام دیتے رہے۔ اُنھوں نے تمام مسلمانانِ عالم کو عیش و راحت کے بستروں پر چھوڑ دیا۔ خود اپنے لئے خاک و خون کی دائمی زندگی پسند کی۔ اِن قرونِ اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش و سرباز جماعت تنِ تنہا اس فرض کو نہ سنبھال لیتی، تو نہیں معلوم آج جغرافیۂ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا؟ اور جو مصیبت اس وقت درپیش ہے۔ وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسانِ عظیم ہے کہ اگر اس کے معاوضہ میں مسلمانانِ عالم اپنا سب کچھ اُن پر سے قربان کردیں، جب بھی ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اگر گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے بادشاہتیں کی ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت اور اگر آج بادشاہتیں کھو کر بھی کچھ نہ کچھ عزت کی پونجی اپنے ساتھ رکھتے ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت، مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو، چین میں ہو یا افریقہ کے بعید گوشوں میں، لیکن صدیوں سے اُس کی قومی زندگی، قومی عزت، قومی عیش و آرام اور وہ سب کچھ جو ایک قوم کے لئے ہے اور ہو سکتا ہے، صرف ترکوں

Marfat.com

ہی کے طفیل ہے اور اُنہی کا بخشا ہُوا۔

یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہُوا کہ ترکوں کی مدد کریں۔ لیکن ترکوں کے لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ وہ ہندوستان یا افریقہ میں بانٹنے کے لئے روپیہ بھیجتے رہیں۔ وہ چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں۔ جس کے تصور سے بھی ہم مسلمانانِ ہند کے دل کانپ اُٹھتے اور جس کے وہم ہی سے ہم پر موت طاری ہو جاتی ہے یعنی اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کونسا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کے بعد کیا رہ گیا جس کی طلب اور سوال ہو؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصّے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں۔ لیکن نماز کے قیام کی راہ میں اُن سے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا۔ بہت ممکن ہے کہ عرب اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے اُن سے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو، لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس سے زخم صرف انہی کے سینے کھا رہے ہیں، اگر اللہ کی شریعت حق ہے، اگر قرآن و سنت کا فیصلہ باطل نہیں، تو ہمیں یقین کرنا چاہیئے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد و زاہد مسلمانوں سے جن کے دلوں میں کبھی جہاد فی سبیل اللہ کا خطرہ بھی نہیں گزرتا، ترکوں

Marfat.com

کا ایک گنہگار و معصیت آلود فرد بھی اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضیلت و محبوبیت رکھتا ہے، ہماری مدت العمر کی عبادتیں بھی اُن کے سینے کے ایک خونچکاں زخم اور اس سے بہنے والی ایک قطرۂ خون کی عظمت نہیں پاسکتیں۔ حدیث ہے کہ "حرس لیلة فی سبیل اللّٰہ افضل من الف لیلة یقام لیلها ویصام نهارها" (۱) جہاد فی سبیل اللہ کی ایک رات ہزار دنوں کے روزوں اور ہزار راتوں کی عبادت سے بھی افضل ہے! حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت فضیل بن عیاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھ کر بھیجے تھے:۔

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا	لعلمت انك فی العبادة تلعب
من كان یخضب خدہ بدموعه	فنحورنا بدمائنا تتخضب!
ریح العبیر لكم، ونحن عبیرنا	وهج السنابك والغبار الاطیب[1]

(۱) اخرجہ الامام احمد عن مصعب بن زبیر۔

[1] حافظ ابن عساکر نے امام موصوف کے ترجمہ میں یہ اشعار نقل کئے ہیں۔ امام موصوف ایک سال درس حدیث دیتے، ایک سال تجارت کرتے۔ ایک سال جہاد میں شرکت فرماتے۔ حضرت فضیل اُس عہد کے مشہور عباد و زہاد میں سے ہیں۔

حاصل ان اشعار کا یہ ہے " اے حرمین کے گوشہ نشین عابد! اگر تو نے ہمارا حال دیکھا ہوتا تو معلوم کر لیتا کہ جس زہد و عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ تو ایک طرح

Marfat.com

جو مسلمان یورپ کے مسیحی و سیاسی اثر سے مختل ہو کر ترکوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں، اُن کو چاہیئے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ صدیوں سے اُن کی منافقانہ غفلت و اغراض کا کیا حال رہا ہے؛ علے الخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کو (جو تعداد میں ہر جگہ کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں) غور کرنا چاہیئے کہ جس اولین فرض دینی کے لیئے ترک چار سو برس سے اپنا خون بہا رہے ہیں۔ انہوں نے اس کے لیئے کیا کیا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کبھی کبھار چند لاکھ سکے ترک زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیئے بھیجدیئے جو ایک ترک بیوہ کی مصیبت اور ایک ترک یتیم کے آنسوؤں کی قیمت بھی نہیں ہو سکتے؟ کیا ایسے لوگوں کو جو اپنی راتیں فارغ البالی کے بستروں پر اور دن آرام و بے فکری کی چھتوں کے نیچے بسر کرتے ہوں، یہ حق پہنچتا ہے کہ اُن لوگوں پر زبان طعن کھولیں جو چار سو برس سے اپنی لاشیں خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں؟

(بقیہ نوٹ ص ۲۱۹) کا کھیل ہے۔ جو شخص اپنے رخسار آنسوؤں سے (عبادت میں) تر کرتا ہے، اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری عبادت وہ ہے جس میں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگین ہوا کرتی ہیں؟! حضرت فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو اُن کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا " صدق ابو عبدالرحمٰن" عبداللہ بن مبارک نے سچ کہا!

Marfat.com

بہرحال منصب خلافت کا پہلا مقصد قیام دفاع وجہاد ہے۔ وہ پچھلی چار صدیوں میں بجز ترکوں کے اور کسی اسلامی حکومت نے انجام نہیں دیا۔ پس اگر اور دلائل و شواہد نہ ہوتے، جب بھی صرف یہی ایک بات سلاطین عثمانیہ کی خلافت و امامت کے لیے کفایت کرتی تھی۔

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام مبحث اس سوال سے تعلق رکھتا تھا کہ گذشتہ صدیوں میں متعدد اسلامی حکومتوں کے رہتے ہوئے سلاطینِ عثمانیہ ہی کیوں خلافتِ عظمیٰ کے حقدار تسلیم کیے گئے؟ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ تمام اسلامی حکومتیں مٹ چکی ہیں۔ مسلمانانِ عالم کے لیے بجز سلطان عثمانی کے کسی دوسری خلافت کا وجود ہی نہیں رہا۔

فریضۂ عظیمۂ دفاع

حقیقت حکم دفاع

اسلام کے شرعی واجبات و فرائض میں ایک نہایت اہم اور اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کر دینے والا فرض "دفاع" ہے۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ جب کبھی کسی مسلمان حکومت یا کسی مسلمان آبادی پر کوئی غیر مسلم گروہ حملہ کرے، تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں

Marfat.com

پر شرعاً فرض ہو جاتا ہے کہ دفاع (ڈیفنس) کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں، اس حکومت اور آبادی کو غیر مسلم قبضہ سے لڑکر بچائیں۔ اگر فوری قبضہ ہو گیا ہے تو اس سے نجات دلائیں، اور اس کام کے لئے اپنی ساری قوتیں اور ہر طرح کی ممکن کوششیں وقف کر دیں۔ اس بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اس کثرت سے موجود ہیں، اور اسلامی فرائض میں یہ اس درجہ مشہور فرض ہے، کہ شاید ہی دُنیا میں کوئی مسلمان اس سے ناواقف نکلے۔ یہی باہمی مددگاری و یاوری اور دفاع اعداء کا قانون ہے جس پر اسلام نے شریعت و اُمّت کی حفاظت کی ساری بنیادیں استوار کی ہیں۔ لڑائی لڑنے کی نسبت سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ سورۂ حج میں ہے:

ان اللّٰہ یدافع عن الذین اٰمنوا، ان اللّٰہ لا یحب کل خوان کفور، اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا، و ان اللّٰہ علی نصرھم لقدیر، الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللّٰہ۔

(۲۲: ۴۲)

اللہ تعالیٰ امومنوں پر سے اُن کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے۔ وہ ان لوگوں کا ساتھی نہیں جو اُس کی بخشی ہوئی طاقت کے امانت دار نہیں ہیں، اور شکر گزاری کی جگہ کفرانِ نعمت میں سرشار ہیں۔ جن مسلمانوں سے کافر لڑ رہے ہیں، اب اُن مسلمانوں کو بھی کافروں سے لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے، اور

Marfat.com

اللہ مظلوموں کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ بنا کسی حق کے اپنی آبادیوں سے نکال دیئے گئے۔ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ صرف یہ کہ اپنے پروردگار کے ماننے والے ہیں [1]

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ بقر کی حسب ذیل آیت کو اذن قتال کا پہلا حکم قرار دیا ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل (۲: ۱۸۷)	اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو مسلمانوں سے لڑائی لڑ رہے ہیں۔ مگر زیادتی نہ کرو۔ اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ایسا کرو کہ جہاں کہیں بھی وہ جمے ہوئے ملیں قتل کردو، اور جہاں کہیں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ہے، تم بھی نکال باہر کرو

ایسا کرنا اگرچہ خونریزی ہے مگر خونریزی کی برائی سے بھی بڑھ کر ظلم و فساد کی برائی ہے۔

امام ابن جریر نے ابوالعالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنگ کی نسبت یہی پہلی آیت ہے جو نازل ہوئی" انھا اول ایۃ نزلت فی القتال بالمدینۃ

---

[1] روی الحاکم من حدیث الاعمش عن ابن عباس۔ قال لما خرج رسول اللہ صلعم من مکۃ قال ابوبکرؓ اخرجوا نبیھم۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیھلکن "فانزل اللہ اذن للذین یقاتلون الخ وھی اول ایۃ نزلت فی القتال۔ اسنادہ علی شرط الصحیحین۔

Marfat.com

فلما نزلت کان رسول اللہ صلعم یقاتل من قاتله ویکف عمن کف عنه، حتیٰ نزلت سورة براءة" پس اذن قتال کی پہلی آیت یا سورۂ حج کی ہے یا بقرہ کی۔

ان دونوں آیتوں اور ان کی ہم مطلب آیات میں قرآن حکیم نے حکم قتال کے اُس حصہ کو صاف صاف مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے جس کا مقصد دفاع (ڈیفنس) ہے[1]۔ یعنی جب کبھی غیر مسلموں کی کوئی جماعت مسلمانوں کی کسی حکومت یا آبادی پر حملہ کرے، یا اُس پر خود قابض ہو جانا چاہے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں جس طرح حملہ آوروں نے حملہ کیا ہے، یہ بھی کریں، قتل و جنگ کی جو جو چال وہ چلے ہیں، یہ بھی چلیں۔ البتہ یہ جائز نہیں کہ اس بارے میں رحم و عدل کے جو حدود شریعت نے باندھے ہیں۔ (مثلاً ضعیفوں، بوڑھوں، بچوں عورتوں، راہبوں، مذہبی عبادت گاہوں وغیرہ سے تعرض نہ کرنا) اُن سے قدم باہر نکالیں۔ پھر اُس حکم کی علت بھی بتلادی کہ الفتنة اشد من القتل۔ بلاشبہ یہ جنگ قتل ہے اور انسانی قتل بہت بڑی برائی ہے،

---

[1] یعنی حکم جہاد کی مختلف قسموں اور صورتوں میں سے ایک قسم قتال ہے۔ پھر قتال کی بھی دو قسمیں ہیں۔ دفاع اور ہجوم، ان آیات میں دفاع کا حکم ہے۔ ہجوم کا حکم دوسری آیتوں میں ہے اور اس کے مواقع و بواعث اور شرائط دوسرے ہیں۔

Marfat.com

لیکن اس برائی سے بھی بڑھ کر برائی یہ ہے کہ لوگ اپنی آبادیوں اور حکومتوں پر قانع نہیں رہتے۔ دوسروں کے حقوق آزادی و حکومت چھیننا چاہتے ہیں۔ توحید کی جگہ کفر و شرک کے ماتحت مسلمانوں کو لانا چاہتے ہیں۔ قوموں کا قدرتی حق حریت پامال کر رہے ہیں۔ اگر اس کے دفع کا انتظام نہ کیا جائے، تو پھر دنیا میں کوئی قوم زندہ و باقی نہیں رہ سکتی۔ پس بڑی برائی کے دور کرنے کے لئے چھوٹی برائی اختیار کر لینی چاہیئے۔ یہ خود نیچر کا عالمگیر قانون اور کارخانۂ حیات کا دائمی عمل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کبھی جنگ کا حکم نہ دیتا۔

سورۂ محمدؐ میں قرآن نے حکم قتال اور جواز جنگ کی اصلی علت بھی بتلا دی ہے:

حتّٰی تضع الحرب اوزارھا — لڑتے رہو، یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے۔ (۴۷: ۶)

یعنی اسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عالمگیر صلح [illegible] قائم ہو جائے۔ ساری دنیا ایک قوم، اور تمام نوع انسانی ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کریں۔ لیکن جب تک جنگ کرنے والی [illegible] قومیں باقی ہیں، یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس پہلے مفسد [illegible] کا مقابلہ کرنا اور ان کو فنا کر دینا ضروری ہوا۔ منضبط اور [illegible]

Marfat.com

وقت قائم ہو گا، جب پہلے امن کی خاطر اچھی طرح جنگ کر لی جائے،

حتّٰی اذا اثخنتموھم — یہاں تک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہو جائیں۔ (۴۷: ۵)

قاتلوں کا جب تک خون نہ بہایا جائے گا، مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ہو گا:

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب (۲: ۱۷۹) — تمہارے لئے قصاص کی موت میں امن کی زندگی پوشیدہ ہے!

لہٰذا حکم دیا کہ جب تک دنیا جنگ اور بواعث جنگ سے باز نہ آجائے، جنگ کرتے رہو، کبھی اس سے نہ تھکو۔ یہاں تک کہ دنیا میں جنگ کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے "تضع الحرب اوزارھا" جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یعنی جنگ بالکل موقوف ہو جائے۔ فساد و بطلان کی وہ قوتیں ہی باقی نہ رہیں جو خدا کی زمین کو ہمیشہ انسانی خون سے رنگتی رہتی ہیں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ عالمگیر امن کا یہ وقت دنیا پر ضرور آئے گا، مگر اُسی وقت آئے گا جب تمام دنیا اسلام کی دعوت امن و اخوت کے آگے جھک جائے گی: ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (۹: ۶۱)

Marfat.com

فضائلِ دفاع

اسلامی احکام میں یہ حکم "دفاع" جو اہمیت رکھتا ہے، وہ عقائدِ ضروریہ کے بعد کسی حکم، کسی فرض، کسی رکن، کسی عبادت کو حاصل نہیں۔ قرآن و حدیث میں بار بار یہ بات بتلائی گئی ہے کہ قومی زندگی اسی عمل کے بقاء پر موقوف ہے۔ جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی رہے گا اور اس کام کی راہ میں ہر فرد اپنی زندگی اور اپنا مال قربان کر دینے کے لئے تیار رہے گا اُس وقت تک دنیا کی کوئی قوم اُن پر غالب نہ آسکے گی۔ جس دن یہ جذبہ مردہ ہو جائے گا اُسی دن سے مسلمانوں کی قومی موت بھی شروع ہو جائے گی چنانچہ قرآن نے مثال میں یہودیوں کی تاریخ پیش کی ہے۔ جب تک یہودیوں میں اعتقاداً و عملاً یہ جذبہ باقی رہا، حکومت و عزت اُنہی کے لئے تھی جب چند گھڑیوں کے عیش و راحت کا عشق قومی زندگی و عزت کے دائمی عیش کی طلب پر غالب آگیا، اور اس چیز کو چھوڑ بیٹھے، تو ذلت و محکومی کا داغ ہر یہودی کی پیشانی پہ لگ گیا، اور ہمیشہ کے لئے خوار و ذلیل ہو کر رہ گئے: ضربت علیهم الذلة و المسکنة وباؤ بغضب من الله!

الم تر الی الملاء من بنی — کیا بنی اسرائیل کا حال نہیں دیکھتے کہ موسیٰ

اسرائیل من بعد موسیٰ؟ اذ قالوا لنبی لھم " ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ"۔ قال " ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال ان لا تقاتلوا" قالوا " وما لنا ان لا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا"؟ فلما کتب علیھم القتال، تولوا الا قلیلاً منھم واللہ علیم بالظالمین۔

(۲ : ۱۲۲)

کے بعد کیا ہوا؟ پہلے تو خود ہی اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی " کسی کو ہم پر بادشاہ بنا دو کہ اُس کے ماتحت اللہ کی راہ میں لڑیں" نبی نے کہا " اگرچہ تم ایسا کہتے ہو لیکن امید نہیں کہ وقت پہ پورے اُترو۔ اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بزدلی دکھلا کے نافرمانی کر جاؤ گے" ان لوگوں نے جواب دیا " نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ حق کی راہ میں ظالموں سے جنگ نہ کریں؟ حالانکہ انہوں نے ہم کو اور ہماری اولاد کو ہمارے شہروں سے نکال دیا ہے" لیکن دیکھو، جب لڑائی کا حکم دیا گیا تو بجز چند حق پرستوں کے سب اپنے قول و قرار سے پھر گئے۔ وقت پر اُن کا دعویٰ سچا ثابت نہ ہوا۔

سنن ابو داؤد میں ہے: " اذا ضن الناس بالدینار والدرھم وتبایعوا بالعین واتبعوا اذناب بقر، وترکوا الجھاد فی سبیل اللہ، انزل اللہ بھم بلاءً فلم یرفعہ حتیٰ یراجعوا۔" یعنی جب کوئی جماعت جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے تو اس پر بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ جو کبھی دور نہیں ہو سکتیں۔

Marfat.com

الا یہ کہ وہ اس معصیت سے باز آئیں۔

چونکہ شریعت وملت کے قیام کی اصل بنیاد یہی تھی۔ اس لئے ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے اس پر زور دیا گیا۔ اور سارے عملوں اور نیکیوں سے جو ایک مسلمان دنیا میں کر سکتا ہے اس عمل کا مرتبہ و اجر افضل و اعلیٰ ٹھہرایا۔ جس عمل میں جس قدر زیادہ ایثار و قربانی ہوگی، اتنا ہی زیادہ اس کا اجر و ثواب بھی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل سے بڑھ کر اور کس عمل میں مال و جان کا ایثار ہو سکتا ہے؟

کوئی خاص وقت اور عہد اس کے لئے مخصوص نہیں۔ ہر حال اور ہر زمانے میں ایک مسلم و مومن زندگی کے ایمان و صداقت کی بنیاد یہی چیز اور اسی کا سچا عشق و ولولہ ہے۔ یہی سنام دین ہے۔ یہی عمادِ ملت ہے۔ یہی اساس شرع ہے۔ یہی ملاکِ اسلام ہے۔ یہی ایمان و نفاق کی اصل کسوٹی ہے۔ یہی مومن کو منافق سے الگ کر دینے کے لئے اصلی پہچان ہے۔ نماز اسی سے ہے۔ روزہ اسی سے ہے۔ حج اسی سے ہے۔ زکوٰۃ کا سب سے پہلا اور افضل مصرف یہی ہے۔ سب اس کے لئے ملتوی ہو جا سکتے ہیں۔ اس کو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ نماز دین کا ستون ہے اور روزہ برائیوں سے بچنے کی ڈھال، لیکن یہ دین کی بنیاد ہے اور برائیوں کو معدوم کر دینے والی تلوار۔ پس اس کی فضیلت کو نہ

Marfat.com

نماز پہنچ سکتی ہے نہ روزہ، نہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا عمل ہے۔ جو اللہ کی نظروں میں محبوب ہو اور کرنے والے کو اس کی دائمی محبوبیت سے سرفراز کردے، ہزاروں نمازیں اور ہزاروں روزے بھی اُس ایک قطرۂ خون کی فضیلت و تقدیس نہیں پا سکتے جو اس راہ میں بہایا گیا اور عمر بھر کی صدقات و خیرات بھی اُس ایک درہم کے اجر کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو اس راہ میں خرچ کیا گیا حتیٰ کہ یہی عمل اسلام و ایمان کی اصلی پہچان قرار پایا۔ جس مسلمان کا دل اس کے ولولہ و طلب سے خالی ہوا، وہ ایمان و اسلام کی روشنی سے محروم ہو گیا۔ نفاق کی ظلمت اُس پر چھا گئی صحیح مسلم میں ہے:

من مات ولم یغزو لم یحدث نفسہ بہ، مات علی شعبۃ من النفاق۔

(عن ابی ھریرۃ)

جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا کہ نہ تو کبھی اللہ کی راہ میں لڑائی لڑی، اور نہ اُس کے دل میں اس بات کی طلب رہی، اُس کی موت ایسی حالت میں ہوئی جو نفاق کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

قرطبی نے اس کی شرح میں کہا "فیہ دلیل علی وجوب العزم"۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد کا عزم اور ارادہ ہر مسلمان پر واجب ہے اس کے عزم اور طلب سے بھی اگر دل خالی ہو گیا تو وہ مومن نہیں ہے منافق ہے۔ اگر ہندوستان کے مسلمان چاہیں تو اِس فرمانِ رسول کو سامنے رکھ

Marfat.com

کر اپنے ایمان و نفاق کا فیصلہ کرلے سکتے ہیں!

ترمذی میں ہے ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ہوا "ای الاعمال احبّ الی اللہ؟" ساری نیکیوں اور عبادتوں میں سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے اس پر سورۂ صف نازل ہوئی [1]

ان اللہ یحب الذین یقاتلون	اللہ تعالیٰ تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا
فی سبیلہٖ صفا کانھم	ہے جو اُس کی راہ میں صف باندھ کر اس
بنیان مرصوص!	استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں گویا

ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کر دی گئی ہے۔ اور دیوار بھی کیسی؟ ایسی جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈال کر جوڑ دی گئی ہو!

پھر اسی صورت میں آگے چل کر فرمایا۔ یہی وہ عمل ہے جس کے کرنے کے بعد تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ کوئی خطا، کوئی معصیت، کوئی برائی باقی نہیں رہتی۔ ابدی نجات کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل جاتا ہے: یا ایھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علیٰ تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم؟

---

[1] و اخرجہ ایضاً امام احمد عن عبد اللہ بن سلام، و ابن ابی حاتم و ابن حبان، والحاکم وقال صحیح علیٰ شرط الصحیحین، والبیہقی نے شعب الایمان والسنن، والطبری فی التفسیر۔

Marfat.com

تومنون باللہ ورسولہ، وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم، ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون - یغفر لکم ذنوبکم، ویدخلکم جنات تجری من تحتھا الانھار ومساکن طیبۃ فی جنات عدن - ذلک الفوز العظیم!

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے - آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا "ای العمل افضل؟" کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ فرمایا ایمان باللہ ورسولہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا - پوچھا "ثم ماذا" اس کے بعد؟ فرمایا "الجہاد فی سبیل اللہ" اللہ کی راہ میں جہاد!

بخاری میں ابوسعید خدری سے ہے "قیل ای الناس افضل؟ فقال مومن یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ ومالہ" آپ سے پوچھا گیا - سب سے زیادہ افضل آدمی کون ہے؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان ومال سے جہاد کرتا ہے۔

اور فرمایا: لغدوۃ فی سبیل اللہ اور روحۃ خیر من الدنیا وما فیھا" اور "خیر مما تطلع علیہ الشمس وتغرب" (بخاری) جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صبح یا شام تمام دنیا اور اس کی نعمتوں سے بہتر ہے اور ان ساری چیزوں سے افضل ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے!

بخاری میں دو حدیثیں ہیں "ما من عبد یموت لہ عند اللہ خیر یسرہ

Marfat.com

ان یرجع الی الدنیا وان لہ الدنیا ومافیہا الا الشہید لما یری من فضل الشہادۃ فانہ لیسرہ ان یرجع الی الدنیا فیقتل مرۃ اخریٰ" اور روایت انس "ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا ولہٗ ما علی الارض من شیءٍ الا الشہید یتمنیٰ ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامۃ" حاصل دونوں کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنے کی کسی کو آرزو نہیں ہوسکتی۔ مگر اُس کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔ جب وہ شہادت کا اجر وثواب دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے۔ کاش پھر دنیا میں جاسکوں اور دس مرتبہ اسی طرح اللہ کی راہ میں مارا جاؤں۔ اور ہر مرتبہ شہادت کی عزت وکرامت حاصل کروں!

حد ہوگئی کہ جن لوگوں نے جنگ بدر میں جاں نثاریاں کی تھیں، اگر کبھی ان سے کوئی لغزش ہوئی اور معصیت میں مبتلا ہوگئے، تو آپ نے سزا دینے سے انکار کردیا اور فرمایا "لعل اللہ اطلع علی اہل بدر فقال اعملوا ما شئتم" یہ وہ جاں نثار حق ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے۔ عجب نہیں کہ اس ایک عمل کے صلہ میں اللہ نے ان کی ساری پچھلی اور آئندہ خطائیں بخش دی ہوں اور کہہ دیا ہو کہ جو جی میں آئے کرو!

طبرانی نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ جب شام کے

Marfat.com

رومیوں کی تیاریوں کی خبر پہنچی تو مدینہ میں مسلمانوں کی حالت نہایت نازک اور کمزور تھی۔ کسی طرح کا ساز و سامان میسر نہ تھا۔ حضرت عثمان نے یہ حال دیکھا تو اپنا پورا تجارتی قافلہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دیا جو شام جانے کے لئے تیار ہوا تھا۔ اس میں دو سو اونٹ مال و اسباب سے لدے ہوئے تھے، اور دو سو اوقیہ سونا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "لا یضر عثمان ما عمل بعدھا" آج کے دن کے بعد سے عثمان خواہ کچھ ہی کرے لیکن کوئی عمل اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا (خرجہ الترمذی والحاکم ایضاً من حدیث عبد الرحمٰن بن حباب نحوہ)

سبحان اللہ! اس عمل عظیم کی برکت و بخشش! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل دفاع کے لئے اپنا مال و متاع قربان کرنا خدا اور رسول کی نظروں میں ایسا محبوب و محترم کام ہے، جس کے بعد کوئی برائی بھی صاحب عمل کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، کسی عمل کسی طاعت، کسی عبادت کو بھی یہ فضیلت نصیب نہ ہوئی!

ترمذی میں ہے "من رابط لیلۃ فی سبیل اللہ، کانت لہ کالف لیلۃ صیامھا و قیامھا" جس مسلمان نے ایک رات بھی جہاد کرتے ہوئے دشمن کے انتظار میں کاٹی، اس کے لئے ایسا اجر ہے، گویا ہزار دنوں کا روزہ اور ہزار راتوں کی عبادت!

Marfat.com

اور فرمایا "مقام احدکم فی سبیل اللہ خیر من عبادۃ احدکم فی اھلہ ستین سنۃ" (ترمذی) ساٹھ برس تک اپنے گھر میں عبادت کرنے سے بھی یہ افضل ہے کہ جہاد کے میدان میں کھڑے نظر آؤ۔

اور فرمایا "حرس لیلۃ فی سبیل اللہ، افضل لہ من الف لیلۃ یقام لیلھا ویصام نھارھا" (رواہ احمد) جہاد کی ایک رات اس سے افضل ہے کہ ہزار راتیں عبادت میں اور ہزار دن روزہ میں بسر کئے جائیں!

اور فرمایا حرمت النار علی عین دمعت من خشیۃ اللہ، وحرمت النار علی عین سھرت فی سبیل اللہ (ایضاً) جو آنکھ اللہ کے خوف سے اشکبار ہوئی، یا جہاد میں کام کرتے ہوئے جاگی، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے!

ایک شخص نے پوچھا۔ یارسول اللہ کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے کہ مجاہدین کا ثواب حاصل ہو۔ فرمایا "ھل تستطیع ان تصلی فلا تفتر، وتصوم فلا تفطر؟" اس کی طاقت رکھتے ہو کہ برابر نماز پڑھتے رہو اور قضا نہ ہو، برابر روزہ رکھتے رہو، اور کبھی بیچ میں افطار نہ کرو؟ عرض کیا "انا اضعف من ان استطیع ذلک" یہ تو میری طاقت سے باہر ہے۔ فرمایا "فوالذی نفسی بیدہ! لوطوقت ذلک، ما بلغت فضل المجاھدین فی سبیل اللہ۔ اما علمت ان فرس المجاھد لیستن فی طولہ فیکتب لہ بذلک الحسنات؟" خدا کی قسم! اگر تم ایسا کرنے کی طاقت بھی رکھتے اور کرد کھاتے، جب

بھی ان لوگوں کی فضیلت کہاں پا سکتے تھے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجاہد کا گھوڑا لگام میں اچھلتا ہے تو اس کے لئے بھی اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہتی ہیں؟ (رواہ احمد و ایضاً رواہ البخاری باختلاف یسیر)

بخاری و مسلم میں ہے۔ تین مرتبہ آپ سے پوچھا گیا "مایعدل الجہاد فی سبیل اللہ؟" کونسا کام ہے جو جہاد کے برابر درجہ و فضیلت رکھتا ہو؟ تینوں مرتبہ فرمایا۔ "لاتستطیعونہ" تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ یعنی کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہو اور تم کر سکو۔ پھر فرمایا "مثل المجاھد کمثل الصائم القائم القانت بایات اللہ لایفتر عن صلاتہ ولاصیامہ حتی یرجع"

اور فرمایا۔ "من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ ساعت من نہار فھما حرام علی النار" (رواہ احمد) جس کے پاؤں اللہ کی راہ میں ایک گھنٹہ کے لئے بھی گردآلود ہوئے، دوزخ کی آگ اُن قدموں پر حرام ہے۔

امام بخاری نے اسی حدیث کو یوں روایت کیا ہے "ما اغبرت (وفی روایۃ المستملی "اغبرتا" بالتثنیہ) قدما عبد فی سبیل اللہ فتمسہ النار۔" ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پاؤں جہاد کی راہ میں غبار آلود ہوئے ہوں، اُن کو جہنم کی آگ بھی چھو سکے۔ حافظ عسقلانی

Marfat.com

اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ اس حدیث سے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت
وفضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب صرف غبار راہ سے قدموں
کا آلودہ ہونا اتنا بڑا اجر رکھتا ہے کہ جہنم کی آگ اُن پر حرام ہو جاتی ہے تو جو
خوش نصیب جہاد و دفاع میں کمال سعی و تدبیر کرے اور اپنی جان اور مال
کو اس کے لئے وقف کر دے، اس کے اجر و ثواب کا کیا حال ہو گا؟
اور کون ہے جو اس کا اندازہ لگا سکتا ہے؟ واللہ یضاعف لمن یشاء
اور فرمایا "ما من میت یموت الا ختم **عمله** الا من مات مرابطاً فی سبیل
للہ فانه ینمو له عمله الی یوم القیامة و امن من فتنة القبر" (رواہ اصحاب
السنن) کوئی ایسی موت نہیں جس کے ساتھ اعمال کا سلسلہ بھی ختم نہ ہو
جاتا ہو، الا وہ شخص کہ جہاد کی راہ میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ہوا دنیا
سے گیا۔ سو اُس کا عمل ایسا ہے جو مرنے کے بعد بھی قیامت تک بڑھتا
رہے گا۔

یعنی عمل جہاد بھی حسناتِ جاریہ میں سے ہے حسناتِ جاریہ بموجب نص
حدیث مسلم تین ہیں۔ اولاد صالح، علم نافع، اوقاف و تعمیراتِ خیریہ مثلاً
مساجد و مدارس وغیرہ جو بعد کو باقی رہیں۔ اس حدیث اور اس کی ہم معنی
احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کا ہر کام بھی اسی قسم میں داخل ہے بلکہ
اس کی بالکل واضح ہے۔ عمل جہاد کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اپنے بعد کے

Marfat.com

زمانے اور آنے والی نسلوں کی حفاظت وسعادت کے لئے اپنا وجود قربان کر دیا جائے۔ پس کوئی عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوع پرستی کے جذبات رکھتا ہو۔ اور اسی لئے ضروری ہوا کہ اس کا اجر بھی وقتی نہ ہو، دائمی ہو۔ عمل کا اجر تو عمل کے نتائج پر موقوف ہے۔ جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملیں گے تو صاحب عمل کا اجر بھی فوراً کیوں منقطع ہو جائے؟

اس حدیث میں "مرابطاً فی سبیل اللہ" کا لفظ آیا ہے۔ اور دوسری حدیثوں میں بھی جا بجا "رباط" کا لفظ وارد ہے۔ "رباط" سے مقصود یہ ہے کہ کسی مقام میں ٹھہر کر دشمن کے حملہ کا انتظار کرنا تاکہ جب دشمن آجائے تو اللہ کی راہ میں مقابلہ کیا جائے۔ نہایہ میں ہے "ھو الاقامۃ فی مکان یتوقع ھجوم العدو فیہ لقصد دفعہ للہ" پس مرابطاً فی سبیل اللہ" کا مطلب یہ ہوا کہ اگر لڑکر شہید ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اور حملہ کے انتظار ہی میں موت آگئی، جب بھی اس کا اجر مرنے کے بعد برابر بڑھتا رہے گا۔ اور وہ ہزار دنوں کے روزہ ونماز سے بھی افضل ہے۔ اسی بنا پر امام بخاری وامام نوادی وغیرہما نے فضل الرباط فی سبیل اللہ کا باب باندھا ہے۔

قرآن بھی ہر جگہ اور بار بار یہی کہتا ہے:

Marfat.com

الذين امنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله باموالهم وانفسهم اعظم درجة عند الله واولئك هم الفائزون ۔ يبشرهم ربهم برحمة منه ورضوان وجنات لهم فيها نعيم مقيم ۔ خالدين فيها ابدا ان الله عنده اجر عظيم (۹-۲۳)

جو لوگ ایمان لائے، حق کی راہ میں اپنا گھربار چھوڑا، اپنی جان و مال سے جہاد کیا۔ سو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اور اونچا درجہ اُنہی کا ہے، یہی لوگ ہیں کہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے ان کے لئے بشارت ہے۔ اس کی رحمت اُس کی محبت، بہشتی زندگی کی نعمتیں، اور اُن کی دائمی اور ہمیشگی، سب کچھ اُن ہی کے لئے ہے۔

جو لوگ خود اپنی ذات سے جہاد و نزاع میں حصہ نہ لے سکیں مگر مجاہدین کو اپنے مال و متاع سے مدد پہنچائیں، یا اور کسی طرح کی خدمت انجام دیں، تو اگرچہ وہ مجاہدین کا اجر و ثواب نہیں پا سکتے، لیکن اُن کے لئے بھی اجر ہے، اور ساری عبادتوں اور طاعتوں سے بڑھ کر اجر ہے

ابن ماجہ میں ہے "من ارسل بنفقة في سبيل الله واقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله وانفق في وجهه ذلك فله بكل درهم سبع مائة الف درهم، ثم تلا هذه الاية ۔ والله يضاعف لمن يشاء" یعنی جو مسلمان ایسے وقتوں میں گھر سے نہ نکلا

صرف اپنے روپیہ سے جہاد میں مدد دی، تو اس کو ہر ایک روپیہ کے بدلے سات سو روپیوں کا اجر ملے گا یعنی اس انفاق میں سات سو روپیہ زیادہ اجر ہے اور جس نے روپیہ بھی لگایا اور خود بھی شریک کار ہوا، تو اس کیلئے سات ہزار درجہ زیادہ اجر ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "اللہ جس کسی کا اجر و ثواب چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے۔

اسلام نے حقوق العباد پر جس قدر زور دیا ہے، معلوم ہے بالخصوص والدین اور اقرباء کے حقوق کہ ساری نیکیوں اور ہر طرح کی عبادتوں سے مقدم ٹھہرائے گئے۔ لیکن صرف یہی وہ عمل عظیم ہے جس کے لئے یہ حقوق بھی روک نہیں ہو سکتے۔ اُمت اور شریعت کی حفاظت ہی پر تمام افراد کی حفاظت موقوف ہے۔ پس اگر اُمت دشمنوں کے نرغہ میں ہے، تو نیکی کا سب سے بڑا کام جو زمین پر ہو سکتا ہے مسلمانوں کے سامنے آگیا۔ اب اس بڑے کام کے لئے سارے چھوٹے کام چھوڑ دینے چاہئیں۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچے، رشتے ناتے اپنی اپنی جگہ سب حق ہیں۔ سب کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ لیکن خدا اور اُس کی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ہے۔ اُس کے رشتہ کے سامنے سارے رشتے ہیچ ہیں۔ پس اگر اُس کے کام کا وقت آگیا تو سب کو اُس کی خاطر چھوڑ دینا پڑے گا:

قل ان کان اباؤکم، وابناؤکم   مسلمانوں سے کہہ دو کہ تمہارے والدین،

Marfat.com

وإخوانكم وأزواجكم وعشيرتكم وأموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها أحب إليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى يأتي الله بأمره والله لا يهدي القوم الفاسقين۔

(۲۵:۹)

تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان اور اُس کے تمام رشتے، یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے، یہ کاروبار و تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، یہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے، اگر تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں میں ایسے بندھ گئے ہیں کہ اللہ کی پکار بھی انہیں نہیں ہلا سکتی، تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں۔ نتائج کا انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کو جو کچھ کرنا منظور ہے کر دکھائے۔ اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمانوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا!

اگرچہ عمل کے اعتبار سے اس فرض کی تعمیل اُس وقت لازم سے لازم ہو جاتی ہے جب حملۂ اعداء کی وجہ سے خاص طور پر ضرورت پیش آجائے لیکن عزم و استقلال کے لحاظ سے یہ حکم کسی خاص وقت میں محدود نہیں ہمیشہ اور ہر حال میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ دفاع اعداء کے لئے تیار رہیں اور طیاری کرتے رہیں۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ جو دل اس

Marfat.com

کے عزم وطلب سے خالی ہؤا، اُس پر ایمان کی جگہ نفاق کا قبضہ ہوگیا:

واعدوا لهم ما استطعتم	جس قدر بھی تم سے ممکن ہو، دشمنوں
من قوة ومن رباط الخيل ترهبون	کے مقابلے کے لئے اپنی قوت اور
به عدو الله وعدوكم وآخرين	ساز وسامان سے تیار رہو تاکہ تمہاری
من دونهم لا تعلمونهم	مستعدی دیکھ کر اللہ اور اس کی اُمت
(۸ : ٦٠)	کے دشمنوں پر خوف اور رعب چھا جائے

تم پر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہو۔

عہدِ نبوّت کا ایک واقعہ

یہ قرآن وسنّت کے احکام ہیں۔ اب دیکھیں، صاحبِ شریعت کا اس بارے میں طرزِ عمل کیا رہا ہے؟

ہجرت کے نویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اکٹھی ہو رہی ہے۔ یہ سن کر آپ نے بھی تیاری کا حکم دے دیا، اور تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے کوچ کر دیا۔ چونکہ یہ فوج بڑی ہی تنگدستی اور بے سروسامانی کے حال میں نکلی تھی۔ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صرف ایک سواری آئی تھی۔ جنگل کے پتے کھا کر لوگوں نے گزارہ کیا تھا، اس لئے اس فوج کا نام "جیش

Marfat.com

العسرۃ" مشہور ہوا۔ الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (۹۹: ۱۱۹)

آج تم خدا اور اُس کے ایمان کی جگہ لوہے اور گندھک کے سامان و اسلحہ کی پرستش کر رہے ہو۔ لیکن ایک وقت وہ بھی تھا، جب بے سروسامان مسلمانوں کی یہ بھیڑ نکلی تھی، تاکہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی متمدن قوم یعنی رومیوں سے مقابلہ کرے!

حضرت ابوبکرؓ نے اسی دفاع کے لیے اپنا تمام مال و متاع پیش کر دیا تھا۔ جب اُن سے پوچھا گیا "مالبقیت لاھلک" اپنے بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو اُس پیکر ایمان و مجسمۂ عشق حق نے جواب دیا تھا "ابقیت لھم اللہ ورسولہ" اللہ اور اُس کے رسول کو!

آنکس کہ ترا بخواست، جاںرا چہ کند؟
فرزند و عیال و خانماں را چہ کند؟
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند؟

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دلیرانہ تیاریوں کا حال سن کر رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور فوجیں منتشر کر دی گئیں۔ آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آ گئے۔
اس دفاع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوئے تھے۔

Marfat.com

صرف تین شخص نہ جا سکے۔ کعب بن مالک۔ ہلال بن اُمیہ۔ مرارہ بن ربیع۔ کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں، اور اُن تہتر سابقین مخلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوئے تھے۔ اُن کے ایمان و اخلاص میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اُن کا شریک نہ ہونا کسی بُری نیت سے نہ تھا۔ سستی اور کاہلی سے آج کل کرتے رہے اور فوج کے ساتھ ملنے کا موقع نکل گیا۔

بایں ہمہ یہ معاملہ اللہ اور اُس کے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہے کہ اتنی سستی اور کاہلی بھی ایک سخت جرم قرار پائی۔ معذرت کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو توبہ قبول نہ ہوئی۔ حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلۂ وحی کا انتظار کرو۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات ان سے ترک کر دیں نہ کوئی بات چیت کرے نہ ملے جلے۔ نہ اور کسی طرح کا واسطہ رکھے پھر ان کی بیبیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہو جائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں۔ امام بخاری نے ایک طول طویل روایت خود حضرت کعب بن مالک کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کے لئے خاص باب باندھا ہے۔ کعب کہتے ہیں۔ ہمارا یہ حال ہو گیا تھا کہ سارا مدینہ انسانوں سے بھرا تھا، مگر ہمارے لئے نہ ایک آنکھ دیکھنے والی تھی نہ ایک زبان بات کرنے والی۔ خود عزیز و اقارب نے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ حسرت سے ایک ایک کا

Marfat.com

منہ تکتے اور دیوانوں کی طرح پھرتے تھے۔ ایک دن اپنے چچیرے بھائی ابوقتادہ کے یہاں گیا مجھے دیکھتے ہی منہ دوسری طرف پھرا لیا۔ سلام کیا تو جواب نہ ملا۔

اللہ اللہ! کیا مسلمان تھے کہ ان کا رشتہ تھا تو اللہ اور اس کے رسول کا رشتہ زندگی تھی تو صرف اسی کے حکم پر! الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی مجسم تصویر تھے!

غسان کے عیسائی بادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقع نکل آیا ہے۔ کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا کہ تمہارے آقا نے تمہاری ساری عمر کی خدمتوں کا جو معاوضہ دیا ہے وہ دیکھ چکے ہو۔ اب میرے پاس چلے آؤ۔ دیکھو یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے؟ کعب بن مالک کو خط ملا تو ایلچی کے سامنے آگ میں جھونک دیا اور کہا جواب میں کہہ دینا۔ ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر رکھا ہے، اس کی گیرائیوں اور دلربائیوں کا حال تمہیں کیا معلوم؟ اس کی بے التفاتی بھی دوسروں کی محبت و عزت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز و محبوب ہے:

اے جفاہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں!

ان مومنین صادقین کی یہ آزمائش پورے پچاس دن تک جاری

Marfat.com

رہی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

وعلی الثلثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم۔ (۹ : ۱۲۰)

اور وہ تین آدمی جن کا معاملہ فیصلہ الٰہی کے لئے ملتوی کر دیا گیا تھا، سو جب ان کا یہ حال ہوا کہ تمام مسلمانوں نے اُن کو چھوڑ دیا۔ زمین باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہو گئی۔ اپنی زندگی سے بیزار ہو گئے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ہے مگر صرف اسی کی طرف، تو پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ یقیناً اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرتا اور خطا کاروں کے لئے مہربانی رکھتا ہے!

حضرت کعب کو جب قبولیت توبہ کی بشارت ملی تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور اپنا سارا مال و متاع شکرانۂ قبولیت میں لٹا دینا چاہا۔

اس واقعہ میں متعدد باتیں قابل غور ہیں!۔

(۱) رومیوں نے حملے کی تیاریاں کیں تو اسلام و اُمت کی حفاظت کے لئے دفاع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہو گیا۔ موسم سخت گرمی کا تھا۔ سفر دور دراز کا۔ بے سروسامانی حد درجہ کی۔ مقابلہ اس حکومت سے جو نصف دنیا پر حکمران تھی۔ حجاز میں فصل پک چکی تھی۔ اور کٹائی کا اصلی

Marfat.com

وقت تھا۔ یہی فصل ملک کے لئے سال بھر کی خوراک تھی۔ اگر مشکلوں اور مجبوریوں کے عذر سُنے جا سکتے ہیں تو ان حالات سے بڑھ کر اور کون سے حالات عذر داری کے لئے مناسب ہو سکتے ہیں؟ مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل ہے کہ نہ کوئی عذر سنا گیا، نہ کوئی مشکل رکاوٹ ہو سکی۔ حکم ہوا کہ سب کچھ چھوڑ دو۔ ساری مصیبتیں جھیل لو۔ مگر دشمنوں کو روکنے کے لئے نکل کھڑے ہو۔ سورۂ توبہ میں اس کا بڑا ہی عبرت انگیز تذکرہ ہے۔ یہ موقعہ تفصیل کا نہیں :-

قالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون (۹:۸۳)

(۲) یہ تینوں مسلمان جو شرکت دفاع سے رہ گئے، مخلصین مومنین میں سے تھے، اُن کی زندگیاں اسلام کی بے شمار خدمتوں اور جاں نثاریوں میں بسر ہوئی تھیں، عبادتوں اور نیکیوں کا کیا پوچھنا کہ شب و روز اللہ کے رسول کے سایۂ تربیت میں رہتے تھے، اُن ہی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، اُنہی کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ صحابہ کے ایک ادنیٰ فرد کی عبادت کا مقابلہ ہم اپنی پوری نسلوں اور قوموں کی عبادت گزاریاں پیش کر کے بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت کعب بن مالکؓ سابقون الاولون میں سے ہیں۔ جب اسلام کا کوئی ساتھی نہ تھا۔ تو مدینہ کے انصار نے ساتھ دیا۔ عقبہ کی بیعت ثانیہ میں ۷۲ جان نثاروں نے

Marfat.com

بیعت کی تھی۔ یہ انہی عشاق اسلام میں سے ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ کسی اسلامی خدمت میں دوسروں سے پیچھے نہ رہا۔ ہر جنگ میں شرکت کی، ہر موقعہ پہ جان و مال نثار کیا۔ اس دفاع کی شرکت سے بھی جو رہ گئے، تو دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں، چلنے کا پورا سامان کر لیا تھا۔ صرف یہ قصور ہوا کہ سستی اور کاہلی کی۔ پوری طرح مستعدی سے کام نہ لیا۔ تاہم دیکھو یہ سستی اور کاہلی بھی خدا کے حضور کیسا بڑا جرم قرار پائی کہ نہ تو کوئی پچھلی خدمت آڑے آسکی، نہ مدت العمر کی نیکیوں اور عبادتوں ہی نے کچھ کام دیا۔ نہ کوئی بزرگی اور بڑائی اس معاملہ میں شفیع ہو سکی، نہ ایک ایسے پکے اور پرکھے ہوئے مخلص مسلمان کے لئے عذر و معذرت کی گنجائش نکل سکی، سخت سے سخت سزا جو دی جاسکتی تھی، دی گئی۔ مسلمانوں سے اسلامی برادری کا رشتہ توڑ دیا گیا۔ پچاس دنوں کے لئے جماعت سے باہر کر دئے گئے۔ یہ سارا زمانہ گریہ وزاری اور عبادت و استغفار میں بسر ہوا۔ تب کہیں جا کر توبہ قبول کی گئی۔

(۳) اسلام کے احکام کا قبولیت توبہ کے بارے میں جو حال ہے معلوم ہے۔ خدا کا دروازۂ رحمت کسی آنے والے کا اتنا انتظار نہیں کرتا۔ جس قدر اس مضطرب روح کا، جو توبہ کے لئے اس کی طرف بڑھے" لو اخطاتم

Marfat.com

حتی تملاء خطایاکم مابین السماء والارض ثم استغفرتم، اللہ یغفرلکم"
(رواہ مسلم عن ابی ہریرہ) اگر تم نے اتنے گناہ کئے ہوں کہ زمین و آسمان
کا فاصلہ ان سے بھر دیا جا سکے، پھر بھی توبہ کا آنسو بہاتے ہوئے آؤ تو
دروازۂ مغفرت کھلا پاؤ گے۔ لیکن دیکھو، اُمّت کی حفاظت و مدافعت
سے غفلت کرنا اللہ کی نظروں میں کیسا سخت جرم ہے کہ یکایک توبہ بھی
قبول نہ ہوئی۔ تینوں صحابی آپ کی واپسی کے بعد پہلی ہی صحبت میں عفو
تقصیر کے لیے حاضر ہو گئے تھے، مگر حکم ملا کہ ابھی نہیں۔ انتظار کرو۔ پچاس
دن سزا و عقوبت کے گزر چکے تب کہیں جا کر توبہ قبول ہوئی۔

(۴) جب اُن پاک انسانوں کا یہ حال ہُوا کہ ایمان اُن کا ایمان تھا
اور نیکیاں اُن کی نیکیاں۔ اُن کے بستر خواب کے اجر و ثواب کا بھی
ہماری بڑی بڑی عبادتیں مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ تو نہ معلوم ہم
بدبختوں اور سیہ کاروں کا کیا حشر ہوگا کہ نہ ایمان کی دولت ساتھ ہے
نہ طاعت و حسنات کی پونجی دامن میں۔ زندگی یکسر برباد غفلت و معصیت
اور عمر یک قلم تاراج نفس پرستی و نافرمانی۔ وہاں عزم و ایمان
کے ساتھ سہو و نسیان تھا مگر عذر قبول نہ ہوا۔ یہاں اغراض و نفاق کے ساتھ
صریح نافرمانی و انکار ہے اور پھر نہ ندامت ہے نہ توبہ و انابت! اُن کے ساتھ سب
کچھ تھا اور کام نہ آیا۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر کیا ہے جس نے
آنے والے دن کی طرف سے بے فکر کر دیا ہے اور ہمارے غافل دلوں

Marfat.com

پر بے خوفی کی موت چھاگئی ہے ؟ بتلاؤ زمین و آسمان میں کون ہے جو اس دن ہمیں بچا سکے گا۔ جب خدا کے غضب کا بے پناہ ہاتھ ہماری طرف بڑھے گا ؟ یقول الانسان یومئذ این المفر ؟

ایک عام غلط فہمی

البتہ یاد رہے کہ "جہاد" کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں۔ مخالفین اسلام بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے "جہاد" کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے۔ "جہاد" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے، مال سے بھی ہے، انفاق وقت و عمر سے بھی ہے، محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے، اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ہے، جس سعی کی ضرورت ہو، اور جو سعی جس کے امکان میں ہو، اس پر فرض ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغت و شرع، دونوں اعتبار سے داخل، یہ بات نہیں ہے کہ "جہاد"

Marfat.com

سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبی و لسانی پر نہ ہوتا۔ حالانکہ کتاب و سنت ایسے اطلاقات سے لبریز ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول صاحب اقناع نے نقل کیا ہے جو حقیقت جہاد کے بارے میں قول فیصل و جامع ہے "۔ الامر بالجہاد منہ ما یکون بالقلب کالعزم علیہ، و منہ ما یکون باللسان کالدعوۃ الی الاسلام والحجۃ والبیان، والرائے والتدبیر فی ما فیہ نفع المسلمین۔ وبالبدن ای القتال بنفسہ۔ فیجب الجہاد بغایۃ ما یمکنہ من ھذہ الامور"۔

(جلد ۱ - ۶۵۳)

دشمنوں کی فوج سے خاص وقت ہی میں مقابلہ ہو سکتا ہے، لیکن ایک مومن انسان اپنی ساری زندگی اور زندگی کی ہر صبح و شام جہاد حق میں بسر کرتا ہے۔ مشہور حدیث ہے "۔ المجاھد من جاھد نفسہ فی ذات اللہ، والمھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ"

سورۂ فرقان میں ہے فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہاداً کبیراً (۲۵: ۵۵) یعنی کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو۔ سورۂ فرقان بالاتفاق مکی ہے، اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ پس غور کرنا چاہئے کہ مکی زندگی میں کون سا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے؟ جہاد بالسیف تو ہو نہیں

Marfat.com

سکتا۔ یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا۔ مکی زندگی میں جس طرح یہ جہاد جاری رہا، سب کو معلوم ہے۔ حق کی راہ میں دنیا کی کسی جماعت نے ایسی تکلیفیں اور مصیبتیں نہ اُٹھائی ہوں گی، جیسی اللہ کے رسول اور اُس کے ساتھیوں نے مکی زندگی میں برداشت کیں۔ اسی پر جہادِ کبیر کا اطلاق ہوا۔

اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم (۶۶:۹) حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اُن سے جنگ و قتال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور نہ اُن سے کبھی جنگ کی گئی۔ سو یہ جہاد بھی تبلیغِ حق و اتمامِ حجت و مقاومتِ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ہے۔

بخاری و ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا "علی النساء جہاد؟" کیا عورتوں کے لئے بھی جہاد ہے؟ فرمایا "نعم جہاد لا قتال فیہ۔ الحج والعمرہ"۔ ہاں، جہاد ہے۔ مگر اس میں لڑنا نہیں ہے۔ حج اور عمرہ۔ اس حدیث میں اُس سعی اور ترکِ وطن کی محنت کو جو حج و عمرہ میں پیش آتی ہے، عورتوں کے لئے جہاد فرمایا اور کہا ایسا جہاد جس میں لڑائی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑائی کے الگ کر دینے کے

Marfat.com

بعد بھی حقیقت "جہاد" باقی رہتی ہے۔

اگر اُمت کے لئے دفاع و جنگ کا وقت آگیا، یا کسی جماعت مفسدین ارض پر امام نے حملہ کیا، تو ایسے وقتوں میں بھی صرف نفس جنگ ہی نہیں بلکہ سعی و کوشش کی ساری باتیں شریعت کے نزدیک جہاد ہیں۔ جس کی طاقت میں جنگ کرنا نہیں ہے اور اُس نے مال دیا تو وہ بھی مجاہد ہے۔ جس نے زبان سے دعوت و تبلیغ کی وہ بھی مجاہد ہے۔ جس نے اس راہ میں اور کسی طرح کی تکلیف و محنت اُٹھائی، وہ بھی مجاہد ہے۔ البتہ ایسے وقتوں میں اگر کوئی مسلمان لڑائی کی طاقت رکھتا ہے اور اس سے پہلوتہی کرے تو اُس کا کوئی عذر نہیں سُنا جائے گا۔ اس کا شمار مومنوں کی جگہ منافقوں میں ہوگا۔ جو مال دے سکتا ہے اور نہ دیا، تو وہ بھی ایمان و اخلاص کی زندگی سے نکل گیا۔ زمین پر گو مسلمان کہلائے پر اللہ کے حضور منافق کہلائے گا۔ جس شخص کی زبان اعلانِ حق اور دعوت الی الجہاد میں کھل سکتی ہے مگر نہ کھلی، اُس نے بھی ایمان چھوڑ کر نفاق کی راہ اختیار کر لی۔ گو شیطان حیل: در نفس خادع اس کو ہزاروں فریب دیتا رہے۔ ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔

• افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا جہاد وہ کلمہ حق ہے جو شاہانِ جور و ظلم کے سامنے بے باکانہ

Marfat.com

کہا جائے۔

اور پھر ان سب سے بالاتر مرتبہ اُن مجاہدین کاملین اور اصحاب عزیمت عمل کا ہے، جن کی زندگی سرتاسر جہاد فی سبیل اللہ، اور جن کا وجود یکسر خدمت حق، وشیفتگی صدق، وعشق دعوت ہے۔ جو اس عمل مقدس کے لئے کسی خاص صدائے نفیر اور اعلانِ وقت کے منتظر نہیں رہتے۔ بلکہ ہر صبح جو اُن پر آتی ہے، جہاد فی سبیل اللہ کی صبح ہوتی ہے اور ہر شام کی تاریکی جو اُن پر پھیلتی ہے، وہ اسی راہ کی شام ہوتی ہے۔ اُن کی زندگی پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جو جہاد کے مرتبۂ علیا وفضیلت عظمیٰ کے اجر و ثواب سے خالی ہو۔

کائنات ہستی کے ہر عمل کی طرح یہ عمل بھی تین عنصروں سے مرکب ہے۔ دل، زبان، اعضاء جوارح۔ سو ان کا دل ہمیشہ عشق حق اور عزم مقصد کی آتش شوق میں پھنکتا رہتا ہے۔ اُن کی زبان ہمیشہ اعلانِ حق و دعوت الی اللہ میں سرگرم رہتی ہے۔ اُن کے ہاتھ اور اُن کے تمام جوارح کبھی اس راہ کی سعی و محنت سے نہیں تھکتے۔ اس کے بعد جہاد کا کونسا کام رہ گیا جو انہوں نے نہیں کیا؟ اور اُس راہ کا کونسا مرتبہ رہ گیا جو انہوں نے نہیں پایا؟ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم!

Marfat.com

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

جہاد کی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کرو! انسانی اعمال کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو اس کے دائرہ سے باہر رہ گئی؟ اور نوع انسانی کی ہدایت وسعادت کا کون سا عمل حق ہے۔ جو اس کے بغیر انجام پا سکتا ہے؟ پس یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس کی اہمیت وفضیلت پر اس قدر زور دیا کہ ساری نیکیاں ساری عبادتیں اس سے پیچھے رہ گئیں۔ سب کا حکم شاخوں کا ہوا۔ جڑ یہی عمل قرار پایا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل فضیلت ہوسکتی ہے کہ خود اللہ کے رسول نے فرمایا۔ "والذی نفسی بیدہ، لودت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیا، ثم اقتل ثم احیا، ثم اقتل ثم احیا، ثم اقتل" (رواہ البخاری) خدا کی قسم! اگر ممکن ہوتا تو میں یہ چاہتا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں۔ پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں۔ تاکہ اس کی راہ میں جان دینے کی لذت وسعادت ایک ہی مرتبہ میں ختم نہ ہوجائے!

تمنت سلیمی ان نموت بحبھا   واھون شی عندنا ما تمنت

احکام قطعیہ دفاع

غرضکہ "دفاع" اسلام کے ان بنیادی حکموں میں سے ہے جن

Marfat.com

کوایک مسلمان مسلمان رہ کر کبھی ترک نہیں کر سکتا۔ اگر ایک مسلمان کے دل میں رائی برابر بھی ایمان کی محبت باقی رہ گئی ہے۔ تو اُس کی طاقت سے باہر ہے کہ اللہ کی یہ صدائے حق سنے اور از سرتاپا کانپ نہ اُٹھے:

یا ایھا الذین اٰمنوا! مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض؟ ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ؟ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل۔ (۹ : ۳۹)

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو تمہارے قدموں میں حرکت نہیں ہوتی اور زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت چھوڑ کر صرف دنیا ہی کی زندگی پر قناعت کر لی؟ اگر یہی بات ہے تو یاد رکھو، جس زندگی پر ریجھے بیٹھے ہو، وہ آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہی ہیچ ہے

اس کے بعد فرمایا:

الا تنفروا، یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوماً غیرکم ولا تضروہ شیئاً۔ واللہ علی کل شیئٍ قدیر! (۹:)

یاد رکھو! اگر تم نے حکم الٰہی سے سرتابی کی اور وقت کے آنے پر بھی راہ حق میں کمر بستہ نہ ہوئے، تو اللہ نہایت ہی سخت عذاب میں ڈال کر اس کی سزا دے گا، اور تمہارے بدلے کسی دوسری قوم کو خدمتِ اسلام کے لئے کھڑا کر دے گا۔ تم چھانٹ دیئے جاؤ گے۔ کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں ہے۔ تم ہی اپنی زندگی و نجات

Marfat.com

کے لئے اُس کے محتاج ہوا!

اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت، ان کی حکومتوں کے مٹانے اور اُن کی آبادیوں اور شہروں کو آپس میں بانٹ لینے کے لئے کفار ایک دوسرے کے ساتھی اور حامی ہیں:

والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض۔ — جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی تو وہ ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار ہیں۔

مسلمانوں کی مخالفت میں خزانوں کے خزانے خرچ کر ڈالتے ہیں:

والذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ۔ — جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی، تو وہ حق کی مخالفت میں اپنا مال خرچ کر رہے ہیں۔

پس مسلمانوں کی بھی سب سے بڑی اسلامی و ایمانی خصلت یہ قرار پائی کہ

والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض (۹: ۷۲) — مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں باہم ایک دوسرے کی رفیق اور مددگار ہیں!

اور اسی بنا پر مسلمانوں کا فرض ٹھہرا کہ اگر دنیا کے کسی ایک اسلامی حصہ پر غیر مسلم حملہ کریں اور وہاں کے مسلمان اُن کے مقابلہ کی کافی قوت نہ رکھتے ہوں، یا بالکل مغلوب و مقہور ہو گئے ہوں، تو تمام دوسرے حصص عالم کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کی یاوری و اعانت کے

Marfat.com

لیے اسی طرح اُٹھ کھڑے ہوں۔ جس طرح خود اپنی آبادیوں کی حفاظت کے لئے اُٹھتے۔ اور اپنی جان ومال سے اسی طرح مدد دیں، جس طرح خود اپنے گھر بار کی حفاظت کے لئے مدد دیتے۔

یہ نہ کوئی نیا مذہبی اجتہاد ہے، نہ کوئی پولیٹیکل فتویٰ۔ تمام دنیا کے مسلمان فقہ و قوانین شریعت کی جو کتابیں صدیوں سے پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں، اور جو چھپی ہوئی بازاروں میں ہر جگہ ملتی ہیں، اور جن پر خود ہندوستانی عدالتوں میں عمل کیا جا رہا ہے، اُن سب میں یہ احکام موجود ہیں۔ اسلامی دینیات کا کوئی طالب علم ایسا نہیں ملے گا جو ان حکموں سے بے خبر ہو۔ اور پھر ان سب کے اوپر مسلمانوں کی کتاب اللہ ہے جو اپنے ہر پارہ اور ہر سورۃ کے اندر اس حکم کا اعلان اور اس قانون کی پکار تیرہ صدیوں سے بلند کر رہی ہے نوع انسانی کی کامل بیس نسلیں گزر چکیں، اور یہ احکام اپنی یکساں، غیر مبدل اٹل، اور لا انتہا طاقت کے ساتھ مسلمانوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

"جہاد" کی بہت سی قسموں میں سے ایک قسم "قتال" یعنی لڑائی ہے، اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ "ہجوم" اور "دفاع" یعنی افنسو (OFFENSIVE) اور ڈیفنسو (DEFENSIVE)

Marfat.com

دراصل ہجوم کی بنیاد بھی دفاع ہی ہے یعنی جب تک دنیا میں عالمگیر صلح وامن اور عام اُخوت قائم نہ ہو جائے، ضروری ہوا کہ حریف و مفسد قوتوں سے ہمیشہ مقابلہ جاری رکھا جائے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو دشمن مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیں گے اور اسلام کی اشاعت اور اس کے مشن کی تبلیغ و تکمیل میں ہمیشہ مانع ہوں گے۔

فقہا کی اصطلاح میں فرائض شرعیہ کی دو قسمیں ہیں "کفایہ" اور "عین" یہ وہی اعمال انسانی کی قدرتی تقسیم ہے جس کو "جماعتی فرائض" اور "شخصی فرائض" کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔" فرض کفایہ" سے مقصود وہ احکام ہیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض ہیں، نہ کہ بہ حیثیت فرد و انفراد۔ یعنی ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے ذمے عائد کر دئے گئے ہیں کہ ان کا انتظام کر دیں۔ پس انتظام ہو جانا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد بہ ذات خاص اُس میں حصہ بھی لے۔ اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دے دیا تو باقی مسلمانوں پر سے اُس وقت ساقط ہو گیا۔ جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ۔ البتہ ایک مسلمان کے لئے عزیمت اسی میں ہو گی کہ ادائے فرض کفایہ میں بھی شخصاً حصہ لے۔

فرض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں ہے بلکہ

Marfat.com

جماعت سے ہے۔ پس ہر مسلمان جماعت اور آبادی کو اس کا انتظام کر دینا چاہئے۔ جب انتظام ہوگیا تو اس آبادی کے بقیہ افراد پر اس کا وجوب باقی نہ رہے گا۔

دوسری قسم "اعیان" کی ہے۔ یعنی وہ فرائض جن کی فرضیت جماعت پر نہیں بلکہ فرداً فرداً ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے اور ایک کے کرنے سے دوسرا بری الذمہ نہیں ہو جا سکتا جیسے پانچ وقت کی نماز، روزہ، زکوٰۃ حج۔

شرعاً قتال کی پہلی صورت (یعنی ہجوم و مقابلہ کا دائمی سلسلہ) فرض کفایتہ ہے۔ بحکم "وما کان المومنون لینفروا کافۃ" ضروری نہیں کہ بہ یک وقت ہر مسلمان اس میں حصہ لے۔ ہر عہد اور ہر ملک میں مسلمانوں کی ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو یہ فرض انجام دیتی رہے۔ اگر ایک جماعت انجام دے رہی ہے تو کافی ہے جو مسلمان شریک ہوگا اس کے لئے بڑا اجر ہے۔ جو شریک نہ ہوگا اس کے لئے کوئی گناہ نہیں! صاحب ہدایہ (جس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اور ہندوستانی عدالتوں میں محمڈن لا کی بنیادی کتاب ہے) لکھتے ہیں:۔

الجھاد فرض علی الکفایہ۔	جہاد فرض کفایہ ہے۔ جب مسلمانوں کی
اذا قام فریق من الناس۔	کوئی ایک جماعت اس کے لئے کھڑی ہو

Marfat.com

سقط عن الباقین ؛ فان لم یقم به أحد، أثم جمیع الناس بترکه - لان الوجوب علی الکل ۔

(کتاب السیر)

گئی، تو باقی مسلمانوں کے لئے واجب نہ رہا۔ لیکن اگر کوئی گروہ بھی اس کے لئے نہ اُٹھا تو پھر تمام مسلمان جہاد ترک کر دینے کی وجہ سے گناہگار ہوں گے، کیونکہ فرض پوری قوم پر ہے۔

لیکن جماعت سے کیا مقصود ہے؟ تمام دُنیا کے مسلمانوں کی مجموعی جماعت یا ہر ہر ملک اور اقلیم کی جماعت؟ اس کی تشریح سعدی چلپی حاشیہ عنایہ میں کرتے ہیں:

اقول لا ینبغی ان یفهم منه ان الوجوب علی جمیع اهل الارض كافة حتی یسقط عن اهل الهند بقیام اهل الروم؛ اذ لا یندفع بقیامهم الشر عن الهنود المسلمین - وان قوله تعالی قاتلوا الذین یلونکم من الکفار یدل علی ان الوجوب علی اهل کل قطر یقربون الکفار۔

(مجموعہ فتح القدیر ۴: ۲۸۰)

ہدایہ کی عبارت کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اگر ایک ملک کے مسلمانوں نے یہ فرض ادا کر دیا تو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر سے بھی ساقط ہو گیا۔ مثلاً اگر روم کے ترکوں نے جہاد قائم رکھا تو ہندوستان کے مسلمانوں پر سے ساقط ہو گیا۔ کیونکہ مقصود قیام جہاد سے یہ ہے کہ مسلمانوں پر سے دشمنوں کے حملوں اور شر کو دور کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانان روم کے

Marfat.com

جہاد کرنے سے مسلمانانِ ہند محفوظ نہیں ہو جا سکتے۔ وہ تو جبھی ہوں گے جب خود اپنے ملک میں اس کا انتظام کریں۔ پس مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اگر اس ملک کے تمام مسلمانوں میں سے ایک جماعت یہ فرض انجام دیتی رہی، تو وہاں کے بقیہ مسلمانوں پر سے ساقط ہو جائے گا۔ لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر فرضیت باقی رہے گی۔ قرآن میں ہے: قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُن مسلمانوں پر جو دشمنوں سے قریب ہوں، قتال واجب ہے۔ انتہا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ اس فرض میں خطاب تمام مسلمانانِ عالم سے نہیں ہے بلکہ ہر جماعت اور ملک کے مسلمانوں سے ہے اور علی الکفایہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں سے کچھ مسلمان اس کو انجام دیتے رہیں بلکہ ہر ملک کے مسلمانوں میں سے اتنے مسلمانوں کو انجام دینا چاہیئے جو حصولِ مقصدِ جہاد کے لئے کافی ہو۔ پس ایک ملک میں سلسلۂ جہاد کے بقا سے دوسرے ملک کے مسلمان بری الذمہ نہیں ہو سکتے اُن پر بدستور اس کا وجوب باقی رہے گا اور بصورت ترک وہاں کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔ گزشتہ پانچ صدیوں سے مسلمانانِ عالم نے اس فرض شرعی کو فراموش کر دیا ہے۔ اور صرف کسی ایک حصّے کے مسلمانوں ہی کے ذمہ اس کو

Marfat.com

چھوڑ کر خود فارغ البال ہو کر بیٹھ رہے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اعداء حق کو صدیوں کی صدیاں عروج و ظہور کے لئے مل گئیں، اور مسلمانوں کے لئے تمام کرۂ ارضی میں کوئی ایک گوشہ بھی امن و سکون کا باقی نہ رہا۔ وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون!

اور فتح الباری میں ہے "ھو فرض کفایۃ علی المشھور الا ان تدعو الحاجۃ الیہ" اس کے بعد کہا "وان جنس جہاد الکفار متعین علی کل مسلم، اما بیدہ، واما بلسانہ، واما بمالہ، واما بقلبہ" (جلد ۶: ۲۸) یعنی جہاد کی یہ قسم فرض کفایہ ہے۔ باقی رہا نفس جہاد، تو وہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے، کسی کے لئے ہاتھ سے، کسی کے لئے مال سے، کسی کے لئے دل سے۔ یعنی جس وقت ایک گروہ ہاتھ اور تلوار سے مشغولِ جہاد ہو گا تو بقیہ مسلمانوں پر دل اور زبان سے ان کے لئے سعی و اعانت فرض ہو گی اور مال و دولت والوں کا فرض ہو گا کہ مال سے مدد کریں۔

اسی طرح اتناء میں ہے "ھو فرض کفایۃ اذا قام بہ من یکفی سقط وجوبہ عن غیرھم" ابن ادریس اس کی شرح میں لکھتے ہیں "ومعنی الکفایۃ فی الجہاد ان ینھض الیہ قوم یکفون فی جہادھم، اما ان یکونوا جندا لھم دواوین او یکونوا اعدوا انفسھم لہ تبرعاً وتکون فی الثغور

من یدفع العدو عنہا و یبعث فی کل سنۃ جیشا یغزو علی العدو فی بلادھم"

(جلد ۱ - ۶۵۱)

یہ صورت تو اُس قتال کی ہے جس کی صورت حملہ و ہجوم کی ہوگی، دوسری قسم "دفاع" ہے یعنی جب کوئی غیر مسلم جماعت مسلمانوں کی آبادیوں اور حکومتوں پر حملہ کا قصد کرے، تو اُس حملہ و تسلّط کو ہر طرح کا مقابلہ کرکے روکنا اور اسلامی ملکوں اور آبادیوں کو غیر مسلموں کی حکومت اور ہر طرح کے قبضہ و اثر سے محفوظ رکھنا۔

یہ فرض کفایہ نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق مثل نماز روزہ کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ ایک گروہ کے دفاع کرنے سے باقی مسلمان بری الذمہ نہیں ہو جا سکتے۔ جس طرح ایک گروہ کے نماز پڑھ لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ نماز ساقط نہیں ہو جاتی۔ اسی ہدایہ میں ہے:

"الا ان یکون النفیر عاما فحینئذ یصیر من فروض الاعیان"

نفیر "نفر" سے ہے۔ "نفر" کے معنی ہیں تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ جانا۔ پس قوم کے ایسے بلاوے اور اجتماع پر جو لڑائی کے لئے ہو "نفیر" کا اطلاق ہوا۔ قرآن میں ہے انفروا خفافا و ثقالا۔ اور الا تنفروا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر حفظ و دفاع کی

Marfat.com

ضرورت سے عام اجتماع وقیام کا وقت آگیا، تو پھر جنگ کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

ابن ہمام اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

هذا اذا لم يكن النفير عاماً فاذا كان النفير عاماً بان هجموا على بلدة من بلاد المسلمين فيصير من فروض الاعيان سواء كان المستنفر عدلاً او فاسقاً۔ (فتح القدير ج ۲۸۹:۴)	فرض کفایہ کی صورت اس وقت تک ہے کہ نفیر کی حالت نہ ہو لیکن اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر غیر مسلموں نے حملہ کر دیا تو اس وقت جنگ کرنا ہر مسلمان فرد پر فرضِ عین ہو جائے گا۔ خواہ جنگ کے لئے دعوت دینے والا عادل ہو یا فاسق۔

اور عنایہ میں ہے:

ثم الجهاد يصير فرض عين عند النفير العام على من يقرب من العدو وهو يقدر عليه۔ (مجموعہ فتح القدیر۔ ۴: ۲۸۱)	اور اگر نفیر عام کی حالت ہو، تو پھر جہاد کرنا ان مسلمانوں پر فرض عین ہو جائے گا۔ جو دشمن سے قریب ہوں اور اس پر قابو رکھتے ہوں۔

اسی طرح سراجیہ، درالمختار، شامی وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔

"اذا جاء النفير انما يصير فرض عين على من يقرب من العدو" اور "الجهاد فرض كفاية اذا لم يكن النفير عاماً فاذا قام به البعض يسقط

Marfat.com

عن الباقین -فاذا صار النفیر عاما ، فحینئذ یصیر من فروض الاعیان[1] الخ

حملہ و ہجوم کے دائمی جہاد میں (جب قتال فرض کفایہ ہوتا ہے) بعض جماعتیں مستثنیٰ ہیں مثلاً عورتیں اور نوکر، عورتوں کے لئے شوہر کی خدمت اور نوکر کے لئے آقا کی خدمت مقدم ہے ۔ لیکن اگر دفاع کی صورت پیش آگئی ہو تو اُس کی فرضیت ایسی ہمہ گیر اور بالاتر ہے کہ بچوں اور معذوروں کے سوا کوئی گروہ، کوئی فرد، مستثنیٰ نہیں ہو سکتا ۔ بیوی بلا شوہر کی اجازت کے نکل کھڑی ہو ۔ غلام بلا آقا کی اذن کے مشغول جہاد ہو جائے ۔ ہدایہ میں ہے :

فان ھجم العدو علی البلد وجب	لیکن اگر دشمنوں نے کسی شہر پر حملہ کیا،
علی جمیع الناس الدفع، تخرج	تو پھر تمام لوگوں پر دفاع فرض ہو گیا بیوی
المراۃ بغیر اذن زوجھا والعبد	بلا شوہر کی اجازت کے اور غلام بلا آقا کی
بغیر اذن المولیٰ ۔ لانہ صار فرض	اذن کے دفاع میں حصہ لے ۔ اس لئے
عین، وملك الیمین ورق النکاح	کہ اب جہاد فرض عین ہو گیا ۔ اور جو فرائض
لا یظھر فی حق فروض الاعیان	ایسے ہیں اُن پر مالکیت اور زوجیت کے
کما فی الصلوٰۃ والصوم بخلاف	حقوق موثر نہیں ہو سکتے ۔ جیسے نماز اور
ماقبل النفیر، لان بغیرھما	روزہ اگر نماز کا وقت آگیا ہے تو عورت
مقنعا فلا ضرورۃ الی البطال	پر نماز فرض ہو گئی ۔ شوہر کی اذن پر موقوف

Marfat.com

حق المولیٰ والزوج - (کتاب السیر) نہیں - البتہ نفیر سے پہلے یہ صورت نہ تھی - اُس وقت عورتوں اور غلاموں کی شرکت کے بغیر بھی یہ فرض ادا ہو سکتا تھا - پس ضرورت نہ تھی کہ شوہر اور آقا کے حقوق باطل کئے جائیں -

ہم نے ہدایہ اور متداول کتب فقہ کی عبارتیں سب سے پہلے اس لئے نقل کیں کہ ان کتابوں کے نام سے ہندوستان کی سرکاری عدالتیں بھی آشنا ہیں - اور انگریزی میں محمڈن لا پر جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں سب میں ان کا حوالہ موجود ہے - پس بآسانی دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقت اسلام کے شرعی احکام یہی ہیں یا نہیں ؟ ورنہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں بھی یہ احکام موجود ہیں - امام بخاری نے باب باندھا ہے " وجوب النفیر " یعنی جب حفظ ملت کی ضرورت پیش آجائے تو قتال کے لئے سب کا اُٹھ کھڑا ہونا واجب ہے - پھر آیۂ " انفروا خفافاً وثقالا " اور " مالکم اذا قیل لکم انفروا " الخ سے وجوب پر استدلال کیا ہے - اس کے بعد حضرت ابن عباس کی روایت درج کی ہے " لا ھجرۃ بعد الفتح ولکن جہاد ونیۃ واذا استنفرتم فانفروا " یعنی وہ جو اوائل اسلام میں ایک خاص طرح کی ہجرت فرض ہوئی تھی تو فتح مکہ کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی -

Marfat.com

البتہ جہاد اور عزم جہاد قیامت تک باقی ہے۔ تو جب جمع ہونے کے لئے پکارے جاؤ جمع ہو جاؤ اور جہاد کرو۔

فتح الباری میں ہے: "الا ان تدعو الحاجة اليه كان يدهم العدو ويتعين على من عينه الامام" (جلد ۶: ۲۸)

اور موطا امام مالک میں ہے: "اذا كان الكفار مستقرين ببلادهم، فالجهاد فرض كفاية، ان اقام به بعضهم سقط الحرج عن الباقين، واذا قصدوا بلادنا واستنفر الامام المسلمين، وجب على الاعيان" یعنی اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ہیں مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوئے ہیں۔ تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ لیکن جب وہ ہمارے ملکوں کا قصد کریں اور امیر اسلام نفیر کا اعلان کرے تو پھر فرض عین ہو جائیگا۔

چونکہ جا بجا "نفیر" کا لفظ آیا ہے، اس لئے یہ بات بھی صاف ہو جانی چاہیئے کہ نفیر عام سے مقصود کیا ہے؟ یہ مقصود ہے کہ دفاع کی ضرورت پیش آجائے اور ہر شخص کو اس کا علم ہو جائے یا یہ مقصود ہے کہ جب تک کوئی بلانے والا مسلمانوں کو نہ بلائے گا، نفیر عام کی حالت پیدا نہ ہوگی؟ اس کا جواب شاہ ولی اللہ نے موطا کی شرح میں دے دیا ہے:۔

"نزدیک استنفار جہاد فرض علی الاعیان می شود۔ استنفار را

Marfat.com

چوں منع کنیم حاصل شود حالتے کہ مقتضائے استنفار شدہ است از قصد کفار بلاد مارا، وقیام حرب درمیان جیوش مسلمین وکافرین، وعدم کفایہ ازاں مسلماناں، وانچہ بداں ماند (مسوی جلد ۲ - ۱۲۹)

شاہ صاحب کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نفیر کی صورت کیا ہے؟ تو یہ ضرور نہیں کہ کوئی خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارے کہ آؤ جہاد کرو مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو جائے جو مقتضائے نفیر ہے پس جب غیر مسلموں نے اسلامی ملکوں کا قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی شروع ہو گئی تو جہاد فرض ہو گیا، اور جب دشمنوں کی طاقت اُن ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوی ہوئی اور ان کے شکست کا خوف ہوا، تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانانِ عالم پر فرض ہو گیا۔ خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے، پکارنے والا نہیں ہے تو یہ مسلمانوں کی بدنظمی و بدحالی ہے۔ ان کا فرض ہو گا کہ داعی و امیر کا انتظام کریں۔ یہی حال تمام فرائض کا ہے۔ نماز کا جب وقت آجائے تو خواہ مؤذن کی صدائے "حی علی الصلوٰۃ" سنائی دے یا نہ دے، وقت کا آجانا وجوب کے لئے کافی ہوتا ہے۔

Marfat.com

ترتیب وجوب دفاع

جب دفاع کا فرض عین ہونا واضح ہو گیا، تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ اس فرض کی انجام دہی کے لئے شریعت نے ایک خاص ترتیب اختیار کی ہے۔ عقل و حکمت کی بنا پر وہی اس معاملہ کی قدرتی اور صحیح ترتیب ہو سکتی تھی۔ صورت اُس کی یہ ہے کہ جب غیر مسلموں نے کسی اسلامی حکومت اور آبادی کا قصد کیا، تو اُس شہر کے تمام مسلمانوں پر بہ مجرد قصد اعدا دفاع فرض عین ہو گیا۔ باقی رہے دیگر ممالک کے مسلمان، تو اگر زیر جنگ مقامات کے مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لئے کافی قوت نہیں رکھتے۔ دشمن بہت زیادہ قوی ہے۔ یا رکھتے ہیں اور غفلت و تساہل کرنے لگے ہیں، تو اُس حالت میں یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر بھی دفاع فرض عین ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے نماز اور روزہ۔

مگر صورت اُس کی یوں ہو گی کہ پہلے اُن مقامات سے قریب تر مقام کے مسلمانوں پر واجب ہو گا۔ پھر اُن سے قریب تر پر۔ پھر اُن سے قریب تر پر۔ حتیٰ کہ مشرق و مغرب، جنوب و شمال، تمام اکناف عالم کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے فرضیت عائد ہو جائے گی۔

Marfat.com

اُس وقت سارے فرائض، سارے وظائف، سارے کام ملتوی کر دینے چاہئیں بمجرد اطلاع ہر مسلمان کو اپنی تمام قوتوں اور تمام سامانوں کے ساتھ وقفِ دفاعِ ملت و جہاد فی سبیل اللہ ہو جانا چاہئے اور قیام دفاع کے لئے شرعاً جن جن وسائل و انتظامات کی ضرورت ہے، سب کو ولی حکمران کا انصرام کرنا چاہئے۔ اگر کسی آبادی میں مسلمانوں کا کوئی امام و پیشوا نہیں ہے جو نظم و قیام اپنے ہاتھ میں لے تو سب کا فرض ہوگا کہ پہلے امام و امیر کا انتظام کریں۔ پھر جن جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کے حصول کے لئے ہر ممکن تدبیر و سعی کام میں لائیں اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب اللہ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ سب مبتلائے معصیت و فسق ہوں گے۔ ایسی معصیت، ایسا فسق، ایسا عدوان، ایسا نفاق جس کے بعد صرف کفر ہی کا درجہ ہے۔

اگر قیامت کا آنا حق ہے، اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے تو مسلمانانِ عالم کے پاس اُس وقت کیا جواب ہوگا، جب قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم کروڑوں کی تعداد میں زندہ و سلامت موجود تھے۔ تمہارے جسموں سے رُوح کھینچ نہیں لی گئی تھی۔ تمہاری قوتوں کو سلب نہیں کر لیا گیا تھا، تمہارے کان بہرے نہ تھے۔ نہ ہاتھ کٹے ہوئے اور پاؤں لنگڑے۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تمہارے

Marfat.com

سامنے تمہارے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں۔ وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہو گئے۔ اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضہ و تسلط سے پامال ہو گئیں۔ پر نہ تو تمہارے دلوں میں جنبش ہوئی نہ تمہارے قدموں میں حرکت ہوئی، نہ تمہاری آنکھوں نے محبت و ماتم کا ایک آنسو بخشا، اور نہ تمہارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستی کے قفل ٹوٹے؟ تم نے چین اور آرام کے بستروں پر لیٹ لیٹ کر بربادیٔ ملت اور پامالیٔ اسلام کا یہ خونیں تماشہ دیکھا، اور اُس بیدرد تماشائی کی طرح بے حس و حرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر ڈوبتے ہوئے جہازوں اور بہتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کر رہا ہو! ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ؟ فما حیاۃ الدنیا الا قلیل!

فتح القدیر میں ہے:

فیجب علی جمیع اھل تلک البلدۃ النفر، وکذا من یقرب منھم ان لم یکن باھلھا کفایۃ، وکذا من یقرب ممن یقرب ان لم یکن بمن یقرب کفایۃ، او تکاسلوا، او عصوا،

اگر غیر مسلموں نے حملہ کیا تو پھر اُس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا فرض عین ہو جائے گا اور اگر دشمن زیادہ طاقتور ہیں اور مقابلہ کے لئے وہاں کے مسلمان کافی نہیں، تو جو مسلمان اُن سے قریب ہوں گے، ان

Marfat.com

وھکذا الیٰ ان یجب علیٰ جمیع اھل الاسلام شرقاً وغرباً۔ (جلد ۴۔ صفحہ ۸۲۰)

پر بھی فرض عین ہو جائے گا۔ اور اگر وہ بھی کافی نہیں، یا انہوں نے سستی کی، یا دانستہ انکار کیا، تو پھر اُن تمام لوگوں پر جو اُن سے قریب ہو یہ فرض عائد ہوگا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے اس کا وجوب منتقل ہوتا جائے گا۔ حتّٰی کہ تمام مسلمانوں پر مشرق میں ہوں یا مغرب میں، دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ہونا فرض ہو جائے گا انتہا۔

ایسا ہی تمام کتب متعمدۂ فقہ وحدیث میں ہے۔ عبارتوں کے نقل وترجمہ میں طول ہوگا۔ ردالمحتار وغیرہ شروح میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے:

"فامامن ورائھم ببعد من العدو، فھو فرض کفایۃ علیھم حتّٰی لیسعھم ترکہ، اذا لم یحتج الیھم بان عجز من کان یقرب من العدو عن المقاومۃ، اولم یعجزوا عنہا لکنھم تکاسلوا، فانہ یفترض علی من یلیہ فرض کالصلٰوۃ والصوم لا یسعھم ترکہ، وثم وثم الیٰ ان یفترض علیٰ جمیع اھل الاسلام شرقاً وغرباً" اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: "ثم الجھاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علیٰ من یقرب من العدو وھو یقدر علیہ، وامامن ورائھم فلا یکون فرضا علیھم الا اذا احتیج الیھم، اما لعجز القریب او بالتکاسل، فحینئذ یفرض علیٰ من یلیھم" الخ

اور شرح موطا میں ہے: "فان لم تقع الکفایۃ بمن نزل بھم

یجب علیٰ من بعد منھم من المسلمین عونھم" (جلد ۲ - ۱۲۹)

البتہ یاد رہے کہ یہ دفاع کی عام صورت ہے لیکن دو حالتیں شرعاً ایسی بھی ہیں، جن میں وجوب دفاع کے لیے یکے بعد دیگرے اس ترتیب اور الاقرب فالاقرب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بیک وقت اور بیک دفعہ ہی تمام مسلمانانِ عالم پر دفاع فرض ہو جاتا ہے۔

پہلی حالت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت تمام مسلمانانِ عالم سے طالب اعانت ہو، یا اس کی بے بسی و بے چارگی کی حالت ایسی ہو جائے کہ بلا تمام مسلمانانِ عالم کی مجموعی اعانت کے مخلصی و فتح ممکن نہ ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کے عین مرکزی مقام یعنی جزیرۂ عرب پر غیر مسلم حملہ آور ہوں جن کو ہمیشہ غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو۔ تفصیل اس کی آگے آتی ہے۔

جزیرۂ عرب و بلادِ مقدّسہ

مرکزِ ارضی

کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک اس کا کوئی ارضی مرکز نہ ہو۔

Marfat.com

کوئی تعلیم باقی نہیں رہ سکتی، جب تک اُس کی ایک قائم و جاری درسگاہ نہ ہو۔ کوئی دریا جاری نہیں رہ سکتا، جب تک ایک محفوظ سرچشمہ سے اُس کا لگاؤ نہ ہو۔

نظام شمسی کا ہر ستارہ روشنی اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسی ہی سے حاصل کرتا ہے۔ اُسی کی بالاتر جاذبیت ہے جس نے یہ پورا تعلق کارخانہ سنبھال رکھا ہے! اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونہا، ثم استویٰ علی العرش، وسخر الشمس والقمر، کل یجری لاجل مسمی! (۲:۱۳)

یہی قانونِ الٰہی ہے جس پر اُس کی شریعت کے تمام جماعتی احکام مبنی ہیں۔ پس جس طرح اسلام نے اُمت کے بقا اور حق و ہدایت کے قیام کے لئے ہر طرح کے مرکز قرار دیئے، ضرور تھا کہ ایک ارضی مرکز بھی قیامت تک کے لئے قرار دے دیا جاتا۔

اُن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، اسلام نے اس غرض سے سرزمین حجاز کو منتخب کیا۔ یہی ناف زمین دنیا کی آخری اور دائمی ہدایت و سعادت کے لئے مرکزی سرچشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائی۔ اور چونکہ سرزمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی، وہی اسلام کا اولین موطن، وہی اس کا سب سے پہلا سرچشمہ

Marfat.com

تھا۔ اس لئے ضرور تھا کہ اسلامی مرکز کے قریبی گرد وپیش کا بھی وہی حکم ہوتا جو اصل مرکز کا۔ لہذا یہ تمام سرزمین بھی کہ حجاز کی "وادی غیر ذی زرع" کو گھیرے ہوئے ہے، اسی حکم میں داخل ہو گئی۔ ذلك تقدير العزيز العليم!

"مرکز ارضی" سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی دعوت ایک عالمگیر اور دُنیا کی بین المللی دعوت تھی۔ وہ کسی خاص ملک اور قوم میں محدود نہ تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کے اجزا تمام کرۂ ارضی میں بکھر جانے اور پھیل جانے والے تھے۔ پس ان بکھرے ہوئے اجزاء کو ایک دائمی متحدہ قومیت کی ترکیب میں قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ایک مقام ایسا مخصوص کر دیا جاتا، جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کے لئے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ہوتا۔ سارے بکھرے ہوئے اجزاء وہاں پہنچ کر سمٹ جاتے تمام پھیلی ہوئی شاخیں وہاں اکٹھی ہو کر جڑ جاتیں۔ ہر شاخ کو اُس جڑ سے زندگی ملتی، ہر نہر اُس سرچشمہ سے سیراب ہوتی۔ ہر ستارہ اُس سورج سے روشنی اور گرمی لیتا۔ ہر دُوری اُس سے قرب پاتی۔ ہر فصل کو اُس سے مواصلت ملتی۔ ہر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگی حاصل ہوتی۔

وہی مقام تمام اُمت کی تعلیم و ہدایت کے لئے ایک وسطی درسگاہ

Marfat.com

کا کام دیتا۔ وہی تمام کرۂ ارضی کی پھیلی ہوئی کثرت کے لئے نقطۂ وحدت ہوتا۔ ساری دنیا ٹھنڈی پڑ جاتی۔ پر اُس کا نور کبھی نہ بجھتا۔ ساری دُنیا تاریک ہو جاتی، مگر اُس کی روشنی کبھی گُل نہ ہوتی۔ اگر تمام دُنیا اولادِ آدم کے باہمی جنگ و جدال اور فتنہ و فساد سے خون ریزی کی دوزخ بن جاتی پھر بھی ایک گوشۂ قدس ایسا رہتا جو ہمیشہ امن و رحمت کا بہشت ہوتا، اور انسانی فتنہ و فساد کی پرچھائیں بھی وہاں نہ پڑ سکتی۔

اُس کا ایک ایک چپہ مقدس ہوتا، اُس کا ایک ایک کونہ خدا کے نام پر محترم ہو جاتا، اُس کا ایک ایک ذرّہ اس کے جلال و قدوسیت کا جلوہ گاہ ہوتا۔ خونریز اور سرکش انسان ہر مقام کو اپنے ظلم و فساد کی نجاست سے آلودہ کر سکتا، پر اُس کی فضاء مقدس ہمیشہ پاک و محفوظ رہتی، اور جب زمین کے ہر گوشے میں انسانی سرکشی اپنی مجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتی تو وہاں خدا کی سچی بادشاہت کا تخت عظمت و اجلال بچھ جاتا، اور اس کا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپنی طرف کھینچ بلاتا۔

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اٹھان کا کیسا ہی سخت اور بُرا وقت آ جاتا، مگر سچی توحید اور بے میل خدا پرستی کا وہ ایک ایسا گھر ہوتا جہاں خدا اور اُس کی صداقت کے سوا نہ کسی خیال کی پہنچ ہوتی، نہ کسی صدا کی گونج اُٹھ سکتی۔

Marfat.com

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کے لئے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا۔ کٹ کٹ کر قومیں وہاں جڑتیں، اور بکھر بکھر کے نسلیں وہاں سمٹتیں۔ پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اُڑتے ہیں، اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑے۔ ٹھیک اسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اُس کی طرف دوڑتے اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اُس تک پہنچ سکتیں، ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں۔

دُنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستی کا مرہم پاتے۔ بیقرار و مضطر روحوں کے لئے اُس کے آغوشِ گرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی۔ گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے، اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ہوئے اُس کی جانب دوڑتے، تو اُس کی پاک ہوا اُمید و مراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہو جاتی، اُس کے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں، اور اُس کی مقدس فضا میں رحمت کے فرشتے غول در غول اُتر کر اپنی معصوم مسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے!

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے۔ درختوں کی جڑ اگر سلامت

Marfat.com

ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ اُجڑ نہیں جا سکتا۔ دس ٹہنیاں کاٹ دی جائیں گی، تو بیس نئی نکل آئیں گی۔ اسی طرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے، تو اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ جا سکتی۔ سارے ٹکڑے مٹ جائیں، مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹیں گی اور نئی نئی زندگیاں اُبھریں گی پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کے لیے خلیفہ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا۔ اُسی طرح اُن کی ارضی وسعت و انتشار کے لیے عبادت گہہ ابراہیمی کا کعبۃ اللہ، اس کی سرزمین حجاز اور اس کا ملک جزیرۂ عرب دائمی مرکز قرار پایا۔ یہی معنی ان آیات کریمہ کے ہیں کہ:

جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس (۵ : ۱۰۰)
اللہ نے کعبہ کو کہ اس کا محترم گھر ہے، انسانوں کے بقا و قیام کا باعث ٹھہرایا۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامناً (۲ : ۱۲۵)
اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو انسانوں کے لیے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔

اور

من دخلہ کان امناً (۳ : ۹۷)
جو اس کے حدود کے اندر پہنچ گیا، اس کے

Marfat.com

لئے کسی طرح کا خوف اور ڈر نہیں۔

اور یہی علت تھی تحویل قبلہ کی۔ نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی:

وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہٗ (۲: ۱۵۰)	اور تم کہیں بھی ہو، لیکن چاہیئے کہ اپنا رُخ اسی کی جانب رکھو!

کیونکہ جب یہی مقام ارضی مرکز قرار پایا، تو تمام افراد قوم کے لئے لازمی ہوا کہ جہاں کہیں بھی ہوں، رُخ اُن کا اسی طرف رہے۔ اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومی مرکز کی طرف متوجہ ہوتے رہیں۔ اور یاد رہے کہ من جملہ بے شمار مصالح و حکم کے، ایک بڑی مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھی ہے کہ ساری اُمت، تمام کرۂ ارضی، اور تمام اقوامِ عالم کو، اس نقطہ مرکز سے دائمی پیوستگی بخش دی۔

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (۲۲: ۲۸)	اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ پھر ایسا ہوگا کہ ساری دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بلائے گا۔ لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے!

احکامِ شرعیہ

اس مرکز کے قیام و بقاء کے لئے سب سے پہلی بات یہ تھی کہ دائمی

Marfat.com

طور پر اس کو صرف اسلام کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ جب تک یہ خصوصیت قائم نہ کی جاتی۔ اُمت کے لئے اس مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے۔

چنانچہ اسی بناء پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔ مسجد حرام کے حدود صرف توحید کی پاکی کے لئے مخصوص ہیں۔ اب آئندہ کوئی غیر مسلم اس کے قریب بھی نہ آنے پائے۔ یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں، بلکہ کسی حال میں داخل بھی نہ ہوں۔ جمہور اہلِ اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ہی نہیں ہے، بلکہ تمام سرزمین حرم ہے۔ اور دلائل و مباحث اس کے اپنے مقام پر درج ہیں۔

اور اسی طرح احادیثِ صحیحہ و کثیرہ سے جو حضرت علی، سعد بن وقاص، انس، جابر، ابوہریرہ، عبداللہ بن زید، رافع بن خدیج، سہل بن حنیف، وغیرہم اجلۂ صحابہ سے مروی ہیں، ثابت ہو چکا ہے کہ مدینہ کی زمین بھی مثل مکہ کے حرم ہے، اور عیر و ثور اس کے حدود ہیں۔ "المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور" (اخرجه الشیخان)۔ اور روایت سعد کہ "انی احرم ما بین لابتی المدینۃ ان یقطع عضاھا او یقتل صیدھا" رواہ مسلم۔ اور روایت انس متفق علیہ کہ "اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ

وانی احرم مابین لابتیھا" خدایا! ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو حرم ٹھہراتا ہوں ؎

یہ احکام تو خاص اس مرکز کی نسبت تھے۔ باقی رہا اس کا گردوپیش یعنی جزیرۂ عرب، تو گو اس کے لئے اس قدر اہتمام کی ضرورت نہ تھی، تاہم اس کا خالص اسلامی ملک ہونا ضروری تھا۔ تاکہ اسلامی مرکز کا گرد و پیش اور اس کا مولد و منشا ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رہے۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصاریٰ کی بھی ایک بڑی جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھی۔ مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے۔ خیبر میں انہی کی ریاست تھی۔ یمن میں نجران عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا۔

مدینہ کی سرزمین خود آپ کی زندگی ہی میں یہودیوں سے خالی ہوگئی آخری جماعت جو مدینہ سے خارج کی گئی، بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا گروہ تھا۔ امام مسلم نے ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے۔ "ان یھود بنی النضیر حاربوا رسول اللّٰہ صلعم فاجلی بنی النضیر واقر قریظہ ومن علیھم، حتیٰ حاربت قریظۃ فقتل رجالھم وقسم اولادھم ونسائھم بین المسلمین الا بعضھم لحقوا برسول اللّٰہ فامنھم واسلموا، واجلی یھود المدینۃ کلھم بنی قینقاع وھم قوم عبداللّٰہ بن سلام ویھود بنی

Marfat.com

حارثہ، وکل یہودی کان بالمدینۃ"

بخاری ومسلم میں اس آخری اخراج کا واقعہ بروایت حضرت ابوہریرہ مروی ہے۔ آپ صحابہ کو ساتھ لے کر یہودیوں کی تعلیم گاہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا "یا معشر الیہود اسلموا تسلموا" اسلام قبول کرو۔ نجات پاؤ گے۔ پھر فرمایا "اعلموا ان الارض للہ ورسولہ وانی ارید ان اجلیکم من ھذہ الارض، فمن وجد منکم بمالہ شیئاً فلیبعہ والا فاعلموا ان الارض للہ ورسولہ" میں نے ارادہ کر لیا کہ تم کو اس ملک سے خارج کر دوں پس اپنا مال ومتاع فروخت کرنا چاہو تو کر دو۔ ورنہ جان رکھو کہ اس ملک کی حکومت صرف اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہے۔

جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو دو مقام ایسے رہ گئے تھے جہاں سے یہود ونصاری کا اخراج نہ ہو سکا تھا۔ خیبر اور نجران۔ پس آپ نے وصیت فرمائی کہ آئندہ جزیرۂ عرب صرف اسلام کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ جو غیر مسلم اس ملک میں باقی رہ گئے ہیں۔ خارج کر دیئے جائیں۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے "اخراج الیہود من جزیرۃ العرب" اس میں پہلی روایت یہود مدینہ کے اخراج

لے زیادہ مفصل بحث رسالہ "جامع الشواہد" میں لکھ چکا ہوں۔ اس رسالہ کا اصل موضوع مسئلہ خلافت ہے۔ یہ تذکرہ ضمناً آگیا ہے پس اشارات پر اکتفا کیا گیا۔

Marfat.com

کی لائے ہیں جو اوپر گزر چکی۔ دوسری روایت حضرت ابنِ عباس کی ہے۔ آنحضرت صلعم نے مرض الموت میں تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ تھی "اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب" حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "اقتصر علی ذکر الیهود لانهم یوحدون الله تعالی الا القلیل و مع ذلك امر باخراجهم، فیکون اخراج غیرهم من الکفار بطریق اولیٰ" (فتح الباری ۶: ۱۹۴) یعنی امام بخاری نے عنوان باب میں صرف یہود کا ذکر کیا۔ اس میں استدلال یہ ہے کہ تمام غیر مسلم اقوام میں یہودی سب سے زیادہ توحید کے قائل ہیں۔ ان کو خارج کیا گیا تو دیگر مذاہب کے اخراج کا وجوب بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگیا۔ پس حاجت تصریح نہیں۔

حضرت عمر کی روایت میں "یہود و نصاریٰ" کا لفظ ہے "لاخرجن الیهود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب حتیٰ لا ادع الا مسلماً" رواہ مسلم واحمد والترمذی وصححه ابو عبیدہ بن جراح سے امام احمد نے روایت کیا ہے "اخر ما تکلم به رسول الله صلعم اخرجوا یهود اهل الحجاز واهل نجران من جزیرۃ العرب" حضرت عائشہ کی روایت میں اس کی علت بھی واضح کردی ہے "آخر ما عهد رسول الله صلعم ان قال لا یترك بجزیرۃ العرب دینان" رواہ احمد۔ یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہؐ کی یہ تھی کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں۔ صرف

Marfat.com

اسلام ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ امام مالک نے موطا میں عمر بن عبدالعزیز اور ابن شہاب کے مراسیل نقل کئے ہیں اور مصمودی وغیرہم نے باب باندھا ہے "اخراج الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" عمر ابن عبدالعزیز کی روایت میں ہے "کان من اٰخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم انہ قال قاتل اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ لا یبقیان دینان بارض العرب" اور ابن شہاب کا لفظ ہے۔ "لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب"۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے آخر تکلم "قاتل اللہ الیھود والنصاریٰ" جو نقل کیا ہے تو حضرت عائشہ سے صحیحین وغیرہا میں بطریق رفع بھی ثابت ہے۔

حافظ نووی نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور "اجلاء الیھود" کا باب استدلالاً کافی سمجھا، لیکن حافظ منذری نے تلخیص مسلم میں "اخراج الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" کا الگ باب باندھ کر جزیرہ عرب والی روایتیں روایات اجلاء یہود سے الگ کر دی ہیں۔ یہ وصیت نبوی علاوہ طرق بالا کے مسند امام احمد، مسند حمیدی، سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف طریقوں سے مروی ہے، اور سب کا مضمون متحد اور باہمدگر اجمال وتبیین اور اعتضاد وتقویت کا حکم رکھتا ہے۔

Marfat.com

احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم ان احکام کی ہے جن کا تعلق افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ہوتا ہے۔ جیسے تمام اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات۔ دوسرے وہ ہیں جن کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ اُمت کے قومی اور اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسیات سے ہوتا ہے۔ جیسے فتح ممالک اور قوانین سیاسیہ و ملکیہ۔

سنت الٰہی یوں واقع ہوئی ہے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی زندگی ہی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں، اور وہ دنیا نہیں چھوڑتا مگر ان کی تکمیل کا اعلان کر کے۔ لیکن دوسری قسم کے لئے ایسا ہونا ضروری نہیں۔ بسا احکام ایسے ہوتے ہیں جن کے نفاذ و وقوع کے لئے ایک خاص وقت مطلوب ہوتا ہے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفید پاتے ہیں پس اُن کی نسبت یا تو بطریق پیشین گوئی کے خبر دے دی جاتی ہے۔ یا اپنے جانشینوں کو وصیت کر دی جاتی ہے۔

یہ معاملہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا۔ پس ضرور نہ تھا کہ اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ ہی میں ہو جاتا۔ آپ نے یہود مدینہ کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کر دیا۔ یہود خیبر سے ابتدا ہی میں شرط کر لی تھی کہ جب ضرورت ہو گی، اس سرزمین سے

Marfat.com

خارج کر دیئے جاؤ گے۔ پھر تکمیل کے لئے اپنے جانشینوں کو وصیت فرمادی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تکمیل کا وقت آگیا۔ اور یہود خیبر نے طرح طرح کی شرارتیں اور زیادتیاں کرکے خود ہی اس کا موقع پہنچا دیا۔ پس حضرت عمر نے اس وصیت کی تحقیق کی اور جب پوری طرح تصدیق ہو گئی تو تمام صحابہ کو جمع کرکے اعلان کر دیا۔ سب نے اتفاق کیا اور یہود خیبر و فدک خارج کر دیئے گئے۔ اسی طرح نجران سے بھی عیسائیوں کو خارج کیا گیا۔ امام زہری نے ابن عقبہ سے اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ ان عمر فحص عن ذلک حتی وجد الثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یجتمع بجزیرۃ العرب دینان فقال من کان عندہ من اهل الکتابین عهد فلیأت به انفذه له والا فانی مجلیکم فاجلاهم۔ اخرجه ابن ابی شیبة

امام بخاری نے یہود خیبر کے اخراج کا واقعہ کتاب الشروط کے باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک میں وارد کیا ہے اور ترجمہ باب میں استدلال ہے کہ یہود خیبر کا تقرر پہلے ہی سے عارضی و مشروط تھا۔ بالاستقلال نہ تھا۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔ حضرت عمر کے اجلاء کردہ اہل کتاب کی تعداد چالیس ہزار منقول ہے۔

Marfat.com

پس صاحب شریعت کے قول و عمل، اُن کے آخری لمحات حیات کی وصیت، حضرت عمر کے نص و تصدیق، تمام صحابہ کے اجماع و اتفاق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلام نے ہمیشہ کے لئے جزیرۂ عرب کو صرف اسلامی آبادی ہی کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ الا یہ کہ کسی مصلحت سے خلیفۂ وقت عارضی طور پر کسی گروہ کو داخل ہونے کی اجازت دیدے۔ اور ظاہر ہے کہ جب وہاں غیر مسلموں کا قیام اور دو دینوں کا اجتماع شریعت کو منظور نہیں تو غیر مسلم کی حکومت یا حاکمانہ نگرانی و بالادستی کو جائز رکھنا کب مسلمانوں کے لئے جائز ہو سکتا ہے؟

جزیرۂ عرب کی تحدید

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے؛ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے اس کے لئے کسی بحث و نظر کی ضرورت ہی نہیں۔ نص حدیث میں "جزیرۂ عرب" کا لفظ وارد ہے اور عقلاً و اصولاً معلوم ہے کہ جب تک کوئی سبب قوی موجود نہ ہو، کسی لفظ کے منطوق اور عام و متعارف مدلول سے انحراف جائز نہ ہوگا۔ اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز۔ شارع نے "جزیرہ" کا لفظ کہا، اور دنیا میں اُس وقت سے لیکر اب تک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص ملک پر

Marfat.com

ہر انسان کر رہا اور جان رہا ہے۔ پس جو مطلب اس کا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے، وہی سمجھا جائے گا۔

تمام مؤرخین اور جغرافیہ نگاران قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو "جزیرہ" اس لئے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پانی سے محصور ہے۔ یعنی تین طرف بحر ہند، خلیج فارس، بحر احمر و قلزم واقع ہیں، ایک جانب دریائے دجلہ و فرات۔

فتح الباری وغیرہ میں ہے "قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب، لان بحر فارس و بحر الحبشۃ والفرات والدجلۃ احاطت بھا" ... اور اصمعی کا قول ہے: "لاحاطۃ البحار بھا یعنی بحر الھند والقلزم و بحر فارس و بحر الحبشۃ و دجلۃ (عینی)"

نہایہ میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے "سمیت جزیرۃ لان بحر الفارس و بحر السودان احاط بجانبیھا واحاط بالجانب الشمالی دجلۃ والفراط"

یہی قول ارباب لغت کا بھی ہے۔ قاموس میں ہے: "جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الھند والشام ثم دجلۃ والفرات" پروفیسر بطرس لبنانی نے بھی (جو زمانہ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحی مصنف گزرا ہے اور جس نے عربی میں انسائیکلوپیڈیا لکھنی شروع کی تھی) محیط المحیط

Marfat.com

میں یہی تعریف کی ہے۔

حاصل سب کا یہی ہے کہ جزیرۂ عرب وہ سرزمین ہے جس کے تین جانب سمندر ہیں اور شمالی جانب دریائے دجلہ وفرات۔

سب سے زیادہ مفصل جغرافیہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں دیا ہے۔ اس سے زیادہ جامع ومعتبر کتاب عربی میں جغرافیہ وتقویم بلدان کی کوئی نہیں:

"انما سميت بلاد العرب جزيرة لاحاطة الانهار والبحار، وذلك ان الفرات اقبل من بلاد الروم، فظهر بناحية قنسرين، ثم انحط على اطراف الجزيرة وسواد العراق، حتى وقع فى البحر فى ناحية البصرة والابله، وامتد الى عبادان، واخذ البحر فى ذلك الموضع مغربا منعطفا ببلاد العرب" الخ

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عرب اس لئے جزیرہ مشہور ہوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے۔ صورت اس کی یوں ہے کہ دریائے فراط بلاد روم سے شروع ہوا، اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاہر ہوا۔ پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا۔ وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا، اور قطیف وہجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شحر سے گزر گیا۔ پھر حضرموت اور

Marfat.com

عدن ہوتا ہؤا پچھم کی جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا۔ حتیٰ کہ جدہ نمودار ہؤا جو مکہ و حجاز کا ساحل ہے۔ پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جا کر سمندر کی شاخ ختم ہو گئی۔ پھر سرزمین مصر شروع ہوتی ہے اور قلزم نمودار ہوتا ہے۔ اور اس کا سلسلہ بلاد فلسطین سے سواحل عسقلان ہوتا ہؤا سرزمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ہے، اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ہو کر وہ جگہ آجاتی ہے۔ جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا۔ پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ہے۔ بحر احمر اور قلزم کی درمیانی خشکی بھی پانی سے خالی نہیں کیونکہ سوڈان سے دریائے نیل وہاں آپہنچا ہے اور قلزم میں گرا ہے۔ یہی جزیرہ ہے جس سے عرب کی سرزمین عبارت ہے، اور یہی عرب اقوام کا مولد و منشاء ہے۔ انتہا ملخصاً (جلد ۳ : ۱۰۰)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ہیں؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو، اس پر مندرجۂ بالا تخطیط منطبق کر کے دیکھو۔ اوپر شمال ہے۔ دہنے مشرق، بائیں مغرب۔ شمال میں دریائے فرات مغرب سے خم کھاتا ہؤا نمودار ہوتا ہے۔ اور صحرائے شام کے کنارے سے گزرتا ہؤا دجلہ میں مل جاتا ہے۔ پھر دونوں مل کر خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ہے، اسی پر بغداد واقع

ہے۔ خلیج فارس کے مشرق میں ایران ہے اور مغربی ساحل میں قطیف وحساء۔ پھر یہ خلیج تنگ نائے ہرمز سے نکل کر مسقط وعمان کے کناروں سے گزرتا ہے اور اس کے بعد ہی بحر عمان نمودار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرموت کا ساحل دیکھو گے۔ پھر عدن آگیا۔ اور باب المندب سے جونہی آگے بڑھے بحر احمر شروع ہو گیا۔ چونکہ اس کا مغربی ساحل افریقہ وحبش سے متصل ہے، اس لئے قدیم جغرافیہ میں اس کو بحر حبش بھی کہتے تھے۔ بحر احمر کے کنارے پہلے یمن ملے گا پھر جدہ۔ اس کے بعد ساحل حجاز۔ حتیٰ کہ سمندر کی شاخ پتلی ہو کر طور سینا تک منتہی ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی خلیج عقبہ کی شاخ نمودار ہوئی۔ اب مصر کی سرزمین شروع ہو گئی۔ نہر سویز کے بننے سے پہلے یہ خشکی کا ایک ٹکڑا تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جُدا کر دیا تھا۔ اس لئے صاحبِ معجم نے یہاں دریائے نیل کا ذکر کیا جس کو اسی درمیانی تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھ رہے ہو۔ وہ قاہرہ سے ہوتا ہوا اسکندریہ کے پاس سمندر میں گرتا ہے۔ پس اگرچہ اُس زمانے میں یہ ٹکڑا خشک تھا مگر سمندر کی جگہ دریائے نیل کا خطِ آبی موجود تھا۔

اس کے بعد بحر متوسط ہے جس کے ابتدائی حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس بحر مصر وشام سے موسوم کرتے تھے۔ اسی پر بیروت واقع ہے

Marfat.com

اور ساحل سے اندر کی جانب دیکھو گے تو پھر وہی مقام سامنے ہوگا جہاں سے دریائے فرات نمودار ہو کر خلیج فارس کی جانب بڑھا تھا۔ پس یہ ایک مثلث نما ٹکڑا ہے جو اس تمام بحری احاطہ کے اندر واقع ہے۔ صرف خشکی کا ایک حصہ شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر آتا ہے یعنی سرحد شام۔ یہی مثلث ٹکڑا جزیرۂ عرب ہے قدیم و جدید جغرافیہ نگار، دونوں اس پر متفق ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے "جزیرہ" اور "جزیرہ نما" ہونے میں سب سے زیادہ اہم وجود دریائے دجلہ و فرات کا ہے۔ کیونکہ اگر یہ عرب کے حدود سے کوئی متصل تعلق نہیں رکھتے، تو پھر اس کی ایسی صورت ہی باقی نہیں رہتی جس پر جزیرہ کا اطلاق ہو سکے یعنی شمال کی جانب بالکل خشک رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کسی نے عرب کی تعریف کی، احاطۂ بحر و نہر کا لفظ کہہ واضح کر دیا کہ جانب شمال دجلہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جنہوں نے مقامات کے نام لے کر حدود متعین کئے۔ انہوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ شمالی حد دجلہ ہے۔ نہایہ، معجم البلدان، اور فتح الباری میں اصمعی کا قول منقول ہے "من اقصیٰ عدن ابین الیٰ ریف العراق طولاً، ومن جدۃ وساحل البحر الیٰ اطراف الشام عرضاً"، کرمانی نے کہا "ھی ما بین عدن الیٰ ریف العراق طولاً، ومن جدۃ الی الشام

عرضاً" یہی قاموس میں ہے۔ ایسا ہی ابن کلبی سے مروی ہے۔ رفاعہ بک طہطہاوی نے قدیم وجدید کتب سے اخذ کر کے عربی میں "تعریفات النافعہ لمرید الجغرافیہ" لکھی۔ اس میں بھی یہی حدود ہیں۔ پس صاحب معجم کی تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت ہو گیا کہ عرب طول میں عدن سے لے کر عراق کی ترائی تک، اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی حد شمال میں دہنی جانب دجلہ ہے، اور اگر عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام۔ آج کل کے جغرافیوں میں بھی عرب کے یہی حدود بتلائے جاتے ہیں پچھم میں بحر احمر، جنوب میں بحر ہند، پورب میں خلیج فارس اور دکھن میں ملک شام۔

اسی معجم البلدان میں عراق کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "ای انہا اسفل ارض العرب" (جلد ۶ : ۱۳۳) یعنی عراق اس لئے نام ہوا کہ زمینِ عرب کا سب سے زیادہ نچلا حصّہ ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ عراق عرب میں داخل ہے۔ البتہ عراق کا وہ حصّہ جو دجلہ کے پار واقع ہے، اس میں داخل نہ ہو گا۔

مسجد اقصیٰ و ارض مقدس

مقامات مقدسہ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقدس اور اُس

Marfat.com

کی سرزمین کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لئے اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا۔

اسلام نے صرف تین مقامات کے لئے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اُن میں جس طرح مکہ و مدینہ کا نام ہے، اُسی طرح بیت المقدس کا بھی۔ بخاری و مسلم کی مشہور روایت میں ہے: "لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد: المسجد الحرام و مسجدی هٰذا، والمسجد الاقصیٰ" یعنی بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اہتمام کرنا نہیں ہے۔ مگر ان تین جگہوں کے لئے مسجد حرام، مسجد مدینہ، اور مسجد اقصیٰ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کے لئے شرعاً یہی تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ہیں اور انہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کی زیارت کے لئے نیت کرکے اپنے وطنوں سے نکلتے ہیں، سفر کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، اور یقین کرتے ہیں کہ اس کے معاوضہ میں ان کے لئے بڑا ہی اجر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمہ اسلام نے اتفاق کیا کہ اگر مسجد اقصیٰ کی زیارت کی نذر مانی ہو، تو اس کا ادا کرنا اسی طرح واجب ہو گا، جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا۔ حالانکہ ان

Marfat.com

تین جگہوں کے علاوہ اگر کسی دوسری زیارت گاہ کے سفر کے لئے نذر مانی ہو، تو اس کا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ہوگا۔ اسی بات سے اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ بیت المقدس کی سرزمین مسلمانوں کے مذہبی احکام و اعتقاد میں کیسا اہم درجہ رکھتی ہے؟

یہی وہ مقدس سرزمین ہے جس کا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا، اور بالآخر وعدہ پورا ہو کر رہا لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے، اور دنیا کی حکومت و عزت کے ساتھ یہاں کی بادشاہت بھی اُن سے چھین لی گئی۔ پھر مسیحی دور شروع ہوا۔ اس کے بعد مسلمان وارث ہوئے۔ قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ اس وراثت کی بشارت دی تھی۔" ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر، ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ان فی ھذا البلاغاً لقوم عابدین۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (۲۱: ۱۰۵) حضرت ابنِ عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں "الارض" سے مقصود بیت المقدس اور فلسطین ہے۔ اس میں خبر دی گئی تھی کہ اب وہاں کی بادشاہت مسلمانوں کے حصے میں آئے گی۔ اسی لئے کہا: ان فی ھذا لبلاغا الخ

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اس سرزمین کی خدمت

Marfat.com

وراثت کو اللہ کی طرف سے ایک مخصوص عطیہ و امانت سمجھا، اور اُس کی حفاظت کو حرمین کی طرح ساری دنیا کی حکومت و فرماں روائی سے بھی زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رہے۔ یہی اعتقاد دینی تھا جس نے مسیحی جہاد کی اُن آٹھ لڑائیوں کو کامیاب ہونے نہ دیا۔ جن میں تمام یورپ کی طاقت اکٹھی ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹیکل طاقت کے عروج کا نہ تھا۔ تنزل و انحطاط کا تھا اور تمام عالم اسلامی مختلف حکومتوں میں متفرق ہو چکا تھا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک وہاں کی حکومت خلیفۂ اسلام کے ماتحت رہی ہے۔ اور ہمیشہ خود یورپ نے مسیحی دُنیا کے امن و سکون کے لئے اسی بات کو بہتر سمجھا ہے۔ پس اگر آج پھر ازمنۂ مظلمہ (مڈل ایجز) کی تاریخ دہرائی جائے گی، اور اسلام کی جگہ اُسے مسیحیت یا یہودیت کے زیر اثر لانے کی کوشش کی جائے گی، تو مسلمانانِ عالم کے لئے ناممکن ہو گا کہ خاموش رہ سکیں اُن کا فرض ہو گا کہ جب گزشتہ کروسیڈ کا ایک حصہ دہرایا گیا ہے تو دوسرا حصہ بھی ظہور میں آجائے وہ مسلمانوں کی دینی زیارت گاہ ہے اُن کا مقدس اولین قبلہ ہے۔ اس کی مذہبی وابستگی اُن کے ایمان و مذہب کا جزو ہے۔ اگر وہاں یہودیوں کا اقتدار بڑھایا جاتا ہے۔ یا کسی مسیحی حکومت کو نگرانی و بالادستی کے نام سے قائم کیا جاتا ہے تو

Marfat.com

یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ہی کو نہیں بلکہ اُن کی شریعت کو چیلنج دینا ہے، اور مسلمانوں کو مجبور کر دینا ہے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبول کریں، یا اس کی اطاعت و حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

خاتمۂ سخن

نتائج بحث

گزشتہ مباحث و تفصیلات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اسلام کا قانونِ شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ و امام ہونا چاہیئے۔ "خلیفہ" سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان بادشاہ اور صاحبِ حکومت و مملکت ہے جو مسلمانوں اور اُن کی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے پوری طرح طاقتور ہو۔

(۲) اُس کی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے۔ تاوقتیکہ اُس سے کفر بواح (صریح) ظاہر نہ ہو۔ جو مسلمان اس کی اطاعت سے باہر ہوا، وہ اسلامی جماعت سے باہر ہو گیا۔ جس مسلمان نے اُس کے مقابلے میں لڑائی کی یا لڑنے والوں

Marfat.com

کی مدد کی، اُس نے اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی۔ وہ اسلام سے باہر ہو گیا۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو۔

(۳) ایک خلیفہ کی حکومت اگر جم چکی ہے، اور پھر کوئی مسلمان اُس کی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعویٰ کیا، تو وہ باغی ہے اُس کو قتل کر دینا چاہیئے۔

(۴) صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطینِ عثمانیہ کو حاصل ہے، اور اس وقت از روئے شرع تمام مسلمانانِ عالم کے خلیفہ و امام وہی ہیں۔ پس اُن کی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ جو اُن کی اطاعت سے باہر ہوا، اُس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا، اور اسلام کی جگہ جاہلیت مول لی۔ جس نے اُن کے مقابلے میں لڑائی کی، یا ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ اُس نے خدا اور اُس کے رسول سے لڑائی کی۔

(۵) صرف خلیفۂ اسلام ہی کے لئے یہ حکم مخصوص نہیں ہے۔ جب کبھی مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں لڑائی ہو، تو کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز نہیں کہ غیر مسلمان فوج کا ساتھی ہو کر مسلمانوں سے لڑے یا ان کی مدد کرے۔ اگر کرے گا تو بحکم "من حمل علینا السلاح فلیس

Marfat.com

منا" اور نص قرآنی من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا وہ اسلامی جماعت سے خارج ہو جائے گا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

(۶) جب کسی اسلامی حکومت یا جماعت پر غیر مسلم حملہ کریں یا حملہ کا قصد کریں، یا اُن کی آزادی وخود مختاری کو کسی دوسری طرح نقصان پہنچانا چاہیں، تو ہر ملک کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے اُن کی مدد کرنا، اور حملہ کرنے والوں سے لڑنا، فرض ہو جاتا ہے۔ علی الخصوص ایسی حالت میں جبکہ حملہ آور زیادہ طاقتور ہوں، اور اُن کے مقابلہ کی کافی طاقت اُن مسلمانوں اور وہاں کی اسلامی حکومت میں نہ ہو، اس صورت میں جہاد کی فرضیت علی الکفایہ نہ ہو گی۔ مثل نماز روزہ کے فرض عین ہو گی۔

(۷) اگر خلیفۂ اسلام کو دشمنوں کا ایسا طاقتور گروہ گھیرے کہ ان کا مقابلہ کرنا اس کی طاقت سے باہر ہو، اور بلا تمام مسلمانانِ عالم کی فوری مدد ونصرت کے اسلامی ممالک کی حفاظت نہ ہو سکے، تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا بہ یک وقت فرض ہو گا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، اُس کی مدد کریں۔ اور اُس کے دشمنوں پر حملہ آور ہوں۔

(۸) اسلام کا حکم شرعی ہے کہ جزیرۂ عرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جائے۔ اُس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد بھی داخل ہے

Marfat.com

پس اگر کوئی غیر مسلم حکومت اس پر قابض ہونا چاہے، یا اُس کو خلیفۂ اسلام کی حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاہے، تو یہ صرف ایک اسلامی ملک کے نکل جانے ہی کا مسئلہ نہ ہوگا بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا ہو جائے گی۔ یعنی اسلام کی مرکزی سرزمین پر کفر کا اثر چھا رہا ہے۔ پس اس حالت میں تمام مسلمانانِ عالم کا اولین فرض ہوگا کہ اس قبضہ کو وہاں سے ہٹانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لئے وقف کر دیں۔

(۹) اسلام کے مقاماتِ مقدسہ میں بیت المقدس اُسی طرح محترم ہے جس طرح حرمین شریفین۔ اس کے لئے لاکھوں مسلمان اپنی جانوں کی قربانیاں، اور یورپ کے آٹھ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کر چکے ہیں۔ پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے نہ دیں۔ علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضہ و اقتدار میں۔ اور اگر ایسا ہو رہا ہے، تو اُس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہ ہوگا۔ بلکہ بہ یک وقت و بہ یک دفعہ تمام مسلمانانِ عالم کا۔

(۱۰) اس صورت میں جو فرض شرعی مسلمانوں پر عائد ہوگا، اس میں پہلی چیز "ترک" ہے۔ دوسری "اختیار"۔ "ترک" سے مقصود یہ ہے

Marfat.com

کہ تمام ایسے تعلقات ترک کر دینا پڑیں گے جن میں برٹش گورنمنٹ کی اعانت و موالات ہو۔ "اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام وسائل اختیار کرنے پڑیں گے، جن کے ذریعہ فریضۂ دفاع انجام پا سکے۔

وتلك عشرة كاملة

خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ

جبکہ اسلام کے اٹل اور اپنے پیروؤں کے لئے دائمی احکام کا یہ حال ہے، تو یکایک ۴ اگست ۱۹۱۴ء کو عالمگیر جنگ عالم کا شرارہ وسط یورپ میں چمکا اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا تمام آتشگیر مادۂ جنگ بھڑک اٹھا! "نار الله الموقدة التي تطلع على الافئدة!" پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ نے مسلمانانِ ہند کے لئے ایک ایسی نازک صورت اختیار کر لی، جو برطانیہ کی حکومت ہند کی پوری تاریخ میں آج تک کبھی پیش نہیں آئی تھی یعنی خلیفۃ المسلمین کی فوجیں بھی میدانِ جنگ میں مشغول پیکار نظر آئیں۔ اور ترکی کے برخلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کر دیا۔

اس اعلان جنگ کی اطلاع جب سرکاری طور پر ہندوستان میں مشتہر کی گئی، تو ساتھ ہی حسب ذیل امور کا بھی اعلان کیا گیا تھا:

Marfat.com

(۱) ترکی حکومت کے ساتھ ہماری جنگ دفاعی ہے نہ کہ حملہ آورانہ۔ ہم نے دو ماہ تک ہر طرح کا مخالفانہ اور جنگ جویانہ سلوک برداشت کیا، اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ جنگ ٹل جائے لیکن ترکی گورنمنٹ نے برابر اپنے حملے جاری رکھے۔ اب مجبوراً ہم کو بھی اعلان جنگ کرنا پڑا ہے۔

(۲) ہندوستان کے مسلمانوں کو پوری طرح بھروسہ رکھنا چاہئے کہ اس جنگ میں ہمارے یا ہمارے ساتھیوں کی جانب سے کوئی بات ایسی نہ ہوگی جو اُن کے مذہبی محسوسات کو صدمہ پہنچائے۔ اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رہیں گے جن میں عراق بھی داخل ہے ان کے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔ اسلام کے مقدس مقامِ خلافت کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ آئے گی۔ ہماری جنگ موجودہ ترکی وزارت سے ہے جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رہی ہے۔ خلیفۃ المسلمین سے اور اسلام سے نہیں ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ نہ صرف اپنی جانب سے بلکہ اپنے تمام حلیفوں کی جانب سے ان باتوں کی ذمہ داری لیتی ہے۔

یہ خلاصہ اس سرکاری اعلان کا ہے جو پہلی نومبر ۱۹۱۴ء کو اعلانِ جنگ کی اطلاع کے ساتھ ہی گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کیا تھا اور

Marfat.com

پھر تمام صوبوں میں سرکاری طور پر اس کی اشاعت کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ ہر کمشنری، ہر ضلع، ہر صدر مقام، ہر شہر کے مسلمانوں کو جمع کر کے مقامی حکام نے اس کی نقلیں بانٹی تھیں اور زبانی بھی پڑھ کر سنایا تھا۔ برٹش انڈیا کا کوئی مسلمان گھر ایسا نہیں ملے گا جو اس اعلان سے بے خبر چھوڑ دیا گیا ہو۔ بعد کو "نیر ایسٹ" وغیرہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ مصر و سوڈان میں بھی بجنسہٖ یہی اعلان شائع کیا گیا تھا۔

اس اعلان کے بعد بھی ہمیشہ ذمہ دار حکام ہند و انگلستان کی زبان سے یہ دونوں باتیں بار بار ظاہر ہوتی رہیں۔ اگر کسی اظہار و بیان کی مضبوطی میں اعلان کی تکرار و اشاعت کی کثرت و وسعت کو دخل ہے، تو بلا خوف رد کہا جا سکتا ہے کہ جس قدر کثرت و تکرار کے ساتھ یہ اعلان شائع کیا گیا شاید ہی کوئی انسانی وعدہ اس قدر دہرایا گیا ہو۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ اس وقت میدانِ جنگ کا کیا حال تھا اور برٹش گورنمنٹ کو اپنی زندگی کے لئے لاکھوں سپاہیوں اور توپوں کی جس قدر ضرورت تھی اس سے کہیں زیادہ اس اعلان اور اس کی کامیابی کی ضرورت تھی۔ اگر اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں ذرا بھی بے چینی پیدا ہو جاتی تو نہیں معلوم جنگ کی تاریخ کیسا پلٹا کھاتی اور آج نتائج کا کیا

Marfat.com

حال ہوتا۔

اس اعلان کا نتیجہ وہی نکلا جو مطلوب تھا۔ یعنی مسلمانانِ ہند پر صورتِ حال مشتبہ ہو گئی۔ نادان و حیلہ جو علماء اس خیال میں پڑ گئے کہ جب ترکوں نے انگلستان و دول متحدہ پر حملہ کیا ہے تو شرعاً صورت دفاع کی نہیں ہے بلکہ حملہ و ہجوم کی ہے، اور اس لئے اس کی شرکت فرضِ کفایہ کا حکم رکھتی ہے نہ کہ فرضِ عین کا۔ پس شرعاً ضروری نہیں کہ مسلمانانِ ہند بھی اس میں حصہ لیں۔ عام مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ برٹش گورنمنٹ صرف اپنا بچاؤ کر رہی ہے۔ اس کا مقصود اسلامی ممالک پر قبضہ و تصرف کرنا یا خلیفۂ اسلام کی حکومت کو نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ نیز اسلام کے مقدس مقامات یعنی جزیرۂ عرب اور بیت المقدس وغیرہ ہر حال میں محفوظ رہیں گے۔ ان تمام باتوں کا نہ صرف انگلستان کی جانب سے وعدہ کیا جاتا ہے بلکہ تمام حلیف حکومتوں کی جانب سے بھی۔

نہایت افسوس اور روسیاہی کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا نہ یہ مذہبی فیصلہ صحیح تھا۔ نہ وعدوں اور اعلان پر اعتماد۔ انہوں نے اپنی سیزدہ صد سالہ تاریخ حیات میں شاید ہی کوئی ایسی قومی و مذہبی غلطی کی ہو گی، جیسی اس موقعہ پر کی، اور جس کے نتائج

Marfat.com

کی پہلی قسط آج اُن کے سامنے ہے" دما تخفی فی صدورھم اکبر" فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون ؛

تھوڑی دیر کے لئے اس سے قطع نظر کرلو کہ احکام شرع کی بنا پر یہ رائے کہاں تک صحیح تھی ؟ صرف اس پہلو سے دیکھو کہ جن وعدوں پر بھروسہ کیا گیا، اُن کا حال کیا تھا ؟

پرانے وقتوں کی طرح موجودہ زمانے کی سوسائٹی بھی اشخاص کے لئے ضروری سمجھتی ہے کہ ایفائے عہد میں اپنے تئیں شریف ثابت کریں، لیکن بیسویں صدی کی تہذیب میں حکومتوں کے لئے شریف ہونا چنداں ضروری بات نہیں ہے، اور اگر طاقت موجود ہے تو پھر اخلاقی صداقت کے مطالبہ کا وہم وگمان بھی نہیں کرنا چاہئے۔ جب وعدوں کا ایفا اور عہد وپیمان کی پابندی کمزور حکومتوں کے ساتھ ضروری نہیں سمجھی جاتی، تو پھر محکوم وبے سروسامان رعایا کے ساتھ کیوں ضروری سمجھی جائے جو اپنی وفاداری میں کتے کی طرح قابلِ تعریف مگر بے زبانی میں اُسی کی طرح بے بس بھی ہے ؟

انگلستان کی حکومت نے نپولین کے عہد سے لے کر آج تک اپنے وعدوں کو جس طرح پورا کیا ہے، ان کی عبرت انگیز سرگزشت صفحات تاریخ پر ثبت ہے۔

Marfat.com

برطانی وعدوں کے اعتماد اور اُن کے ایفا کی اخلاقی نمائش کا یہ پہلا ہی موقع نہیں ہے۔ ۱۵ر جولائی ۱۸۱۵ء کو جب نپولین نے ملرافان نامی انگریزی جہاز پر قدم رکھا تھا تو اُس نے بھی انگلستان کے وعدوں پر اعتماد ہی کیا تھا۔ کچھ بے اعتمادی نہ کی تھی۔ لیکن خود اُسی کے لفظوں میں" انگلستان نے ہاتھ بڑھا کر اپنا مہمان بنانے کے لئے بلایا، اور جب وہ آگیا تو اُس کا خاتمہ کر دیا۔"

سینٹ ہلینا کی سنگلاخ چٹانیں آج تک سمندر کے طوفانوں کے اندر انگریزی مواعید کی اخلاقی قدر و قیمت کا اعلان کر رہی ہیں!

۴ر اگست ۱۸۱۵ء کو جنگ واٹرلو کے بعد جب شہر پیرس متحدہ افواج کے حوالے کیا گیا، اور اس عہدنامہ کو فرانسیسیوں نے عہدنامہ سمجھا جس پر انگلستان کے نامور ہیرو ڈیوک آف ویلنگٹن کے دستخط تھے، تو یقیناً اُنہوں نے بھی انگلستان پر اعتماد ہی کیا تھا۔ لیکن قبضہ کے بعد جو نتیجہ نکلا اس پر تاریخ کا آخری فیصلہ صادر ہو چکا ہے، اور خود انگریز مؤرخوں کی زبانی اُس کا افسانۂ خونیں سن لیا جا سکتا ہے۔

خود ہندوستان کے گزشتہ سو سالوں کی تاریخ ہی [illegible] لئے کافی ہے۔ دوسرے ملکوں کی سرگزشتوں کی طرف نظر اٹھانے کی

ضرورت کیا ہے؟

شمشاد خانہ پرور ما از کہ کمتر است؟

تاہم بدبخت مسلمانوں نے بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ اُن کا روپیہ اُن کی جانیں، اُن کے ملک کی تمام قوتیں بے دریغ خرچ کی گئیں۔ دنیا کی آخری اسلامی حکومت و خلافت کے مٹانے میں اُن کی ہر چیز نے پورا پورا کام دیا۔ یہاں تک کہ برٹش گورنمنٹ اپنی تاریخ حیات کے سب سے بڑے مہلک وقت سے بچ گئی، اور وہ فتح مندی مکمل ہو گئی جس کا پہلا نتیجہ اسلامی خلافت کی بربادی و تباہی ہے۔

اثناءِ جنگ ہی میں اس اعتماد کے تمام نتائج ظاہر ہو گئے تھے۔ بغداد پر انگریزی فوج قابض ہو گئی تھی جو جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین میں داخل ہے۔ عین حدود حرم مکہ کے اندر سازشیں کر کے بغاوت کرائی گئی اور اس کی وجہ سے جس قدر توہین اس مقدّس مقام کی ہو سکتی تھی وہ ہو کر رہی۔ پھر بھی مسلمانانِ ہند اپنے اعتماد سے دستبردار نہ ہوئے اور اس انتظار میں رہے کہ یہ جنگ کی عارضی حالتیں ہیں۔ صلح کے بعد ہی برطانوی اعلان و مواعید کی مقدس صداقت تمام عالم پر آشکارا ہو جائے گی۔

Marfat.com

موجودہ و آئندہ حالت اور احکام شرعیہ

بحث کے اس ٹکڑے کو ہم دانستہ حذف کر دیتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان وعدوں اور اعلانات کا کیا نتیجہ نکلا؟ نہ ہم اُن مبہم اعلانات کا یہاں ذکر کریں گے جن کا سلسلہ برابر اثنائے جنگ میں بھی جاری رہا۔ مثلاً وزیر اعظم کی تقریر ۵ رجنوری ۱۹۱۸ء کیونکہ یہ تمام باتیں دنیا کے سامنے ہیں۔ اور سورج کی روشنی جن چیزوں کو دکھلا دے، ان کے لئے بحث و نظر کی روشنی سے مدد لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ہم کو یہاں صرف ایک بات کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ نہ اب کوئی بات ہمارے لئے سوچنے سمجھنے کی باقی رہی ہے نہ گورنمنٹ کے لئے۔

وہ صرف موجودہ و آئندہ حالت کا سوال ہے۔

احکام شرعیہ اُوپر گزر چکے ہیں۔ پس اگر موجودہ حالت میں تبدیلی نہ ہوئی اور صلح کے نام سے اسلامی خلافت کے خلاف وہی حملہ آورانہ جنگ عمل میں لائی گئی جس کا اظہار ہو رہا ہے، تو نتائج حسب ذیل ہونگے۔

(۱) جس وقت خلیفۃ المسلمین نے جنگ میں شرکت کی ہے تو برٹش گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ حملہ اُن کی جانب سے ہے انگلستان

Marfat.com

و خلفاء کی جانب سے نہیں ہے، لیکن اب موجودہ حالت بالکل اس کے برعکس ہے۔ یعنی خلیفۃ المسلمین کسی غیر مسلم ملک و حکومت پر حملہ آور نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم حکومتیں مسلمان آبادیوں اور خلیفۂ اسلام کی حکومت پر قابض ہو رہی ہیں، اور خلیفۃ المسلمین پر حملہ آور ہیں۔ پس اگر حالت میں تبدیلی نہ ہوئی اور عارضی صلح کے بعد بھی یہی حال رہا تو مسلمانوں کے لئے قطعاً صورت دفاع اور نفیر عام کی پیدا ہو جائے گی۔ جب جہاد ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ حملہ و ہجوم کی صورت نہ ہوگی کہ فرض علی الکفایہ ہو۔ لہذا ہندوستان کے ہر مسلمان کا یہ شرعی فرض ہوگا کہ خلیفۃ المسلمین اور اُن تمام اسلامی آبادیوں کی اعانت کے لئے اُٹھ کھڑا ہو، جہاں سے اسلامی حکومت مٹائی جا رہی ہے۔

(۲) یہ حقیقت پہلے سے آشکارا تھی، مگر چار سال کی جنگ اور اس کے نتائج نے آخری درجۂ یقین تک ظاہر کر دی کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کی موجودہ طاقت غیر مسلم حریفوں کے مقابلے کے لئے کافی ہے۔ نہ موجودہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی یعنی وہ شکست کھا چکے ہیں اور بعض مقامات کے مسلمانوں کی درماندگی و تباہی غایت درجہ ہلاکت تک پہنچ چکی ہے۔ جیسے ولایتِ سمرنا وغیرہ کے مسلمان پس اس بنا پر بھی مسلمانانِ ہند کا فرضِ شرعی ہوگا کہ اُن کی مدد کے لئے اُٹھ

Marfat.com

ٹکڑے ہوں۔ کیونکہ اگر ایک مقام کے مسلمان دشمن کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیگر ممالک کے مسلمانوں پر دفاع میں شریک ہونا فرض ہو جاتا ہے۔

(۳) جن بلاد اسلامیہ پر غیر مسلم دخل و تصرف کرنا چاہتے ہیں، یا کر چکے ہیں۔ مثلاً ایڈریانوپل تھریس، ایشیائے کوچک، سمرنا، عراق، فلسطین، ان کے قرب و جوار میں مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت موجود نہیں جو دشمنوں کے دفاع میں مددگار ہو سکے، اور اس کی اعانت کی وجہ سے مسلمانانِ ہند بری الذمہ ہو جائیں پس اس بنا پر بھی ساری شرعی ذمہ داری مسلمانانِ ہند ہی کے ذمہ عائد ہوتی ہے۔ جن کی تعداد دنیا کی تمام اسلامی آبادیوں سے زیادہ ہے۔ اور جو بہت سی باتوں میں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے بہتر حالت رکھتے ہیں۔

(۴) عراق کا تمام خطہ دریائے دجلہ تک جزیرۂ عرب میں داخل ہے۔ پس اگر انگریزی قبضہ وہاں قائم رہا، یا کسی طرح کا بھی انگریزی اقتدار حکم برداری اور نگرانی کے نام سے حاصل کیا گیا، تو یہ صریح جزیرۂ عرب پر غیر مسلم اقتدار ہوگا، اور از روئے شرع مسلمانانِ ہند کا فرض ہوگا کہ اس اقتدار کے دور کرنے کے لئے حریف کا مقابلہ کریں۔

(۵) بیت المقدس اسلام کے مقاماتِ مقدسہ میں داخل ہے۔

Marfat.com

اگر اس پر غیر مسلم اقتدار قائم رکھا جائے گا، تو تمام دنیا کے مسلمانوں کی طرح ہندوستانی مسلمانوں کا بھی فرض ہو گا کہ دفاع کے لئے مستعد ہو جائیں۔

(۶) غرضکہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ایک وفادار برٹش شہری کی زندگی بسر کرنا شرعاً ناجائز ہو جائے گا۔ اور یہ فرائض کی سب سے بڑی کشمکش ہو گی۔ جس میں کوئی انسانی جماعت مبتلا ہو سکتی ہے۔ یعنی بمجرد ان حالات کے برٹش گورنمنٹ کی حیثیت از روئے شرع یہ ہو جائے گی کہ وہ "اسلام اور مسلمانوں کی حملہ آور دشمن ہے، اور اس لئے اس سلوک کی مستحق ہے جو از روئے شرع مسلمانوں کو حملہ آور حریف کے ساتھ کرنا چاہئے"۔ جب ایسا ہوا، تو مسلمان مجبور ہوں گے کہ دو راہوں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں۔ یا برٹش گورنمنٹ کا ساتھ دیں، یا اسلام کا۔ یہ ناممکن ہو گا۔ کہ دونوں تعلق ایک وقت میں جمع کئے جا سکیں۔

کیا ۷ کروڑ سے زائد انسانوں کو اس کشمکش میں مبتلا کر دینا کوئی عاقبت اندیشانہ فعل ہو سکتا ہے؟ فرصت کی آخری گھڑیاں گذر رہی ہیں۔ اگر عارضی فتمندی کا گھمنڈ مہلت دے، تو گورنمنٹ اس سوال پر غور کر لے۔

Marfat.com

اگر انگلستان کے وزراء (نپولین کے لفظوں میں) وعدہ اس لئے نہیں کیا کرتے کہ وفا کیا جائے، تو کم از کم اُس ایک وعدہ کو تو اس اخلاقی کلیہ سے مستثنیٰ کر دینا چاہئے جس کو ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کا بنیادی اصول سمجھا جاتا ہے۔ یعنی کامل مذہبی آزادی کا وعدہ۔ اسی وعدہ کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں ہر قوم کی طرح مسلمان بھی روزمرہ اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ان کی مسجدیں قائم ہیں۔ پانچ وقت اذان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ کوئی حاکم مسلمانوں سے یہ نہیں کہتا کہ نماز نہ پڑھو۔

لیکن اگر برٹش گورنمنٹ بلاد اسلامیہ کے خلاف اپنے موجودہ طرز عمل پر قائم رہی، اُس کے جہاز اسلامی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے لئے سمندروں میں دوڑتے رہے، اُس کی فوجیں عراق کی سرزمین پر قابض رہیں جو مقدس جزیرۂ عرب میں داخل ہے، اور ساتھ ہی وہ اس کی بھی متوقع رہی کہ ہندوستان کے بدبخت مسلمان اس کے وفادار بنے رہیں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ مسلمانوں کو اُن کے مذہب کے چھوٹے چھوٹے حکموں میں تو آزادی دینے کے لئے تیار ہے، لیکن جو احکام اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اور اُن بڑے حکموں میں داخل ہیں جن کے ترک کر دینے سے مسلمان مسلمان نہیں رہتا، اُن کے لئے چاہتی ہے کہ حق و آزادی کا

Marfat.com

نام بھی زبان پر نہ لائیں اور برطانیہ کی وفاداری کی خاطر اپنے اسلام سے باغی ہو جائیں!

وہ مسلمانوں کو آزادی دیتی ہے کہ نماز پڑھیں جو مذہبی احکام میں شاخ کا حکم رکھتی ہے لیکن ساتھ ہی اسلامی خلافت و امامت پر حملہ آور بھی ہے جو شاخ نہیں بلکہ بنیاد اور جڑ کے حکم میں داخل ہے۔

وہ نماز پڑھنے میں مداخلت نہیں کرے گی جس کے نہ پڑھنے سے مسلمان گناہگار ہو جاتا ہے۔ لیکن خلیفۃ المسلمین کو اُن کی حکومت و مملکت سے محروم کر دے گی۔ جن کی مدد نہ کرنے سے مسلمان گناہگار ہی نہیں بلکہ اسلامی جماعت سے باہر ہو جاتا ہے؟

وہ مسلمانوں کو حج کے سفر سے نہیں روکتی کیونکہ ان کا مذہبی عمل ہے۔ لیکن وہ خلیفۃ المسلمین کو اپنی فوجی طاقت سے محصور کر کے مجبور کریگی کہ اسلامی مملکتوں کو غیر مسلموں کے حوالے کر دیں۔ اُس وقت مسلمان دفاع کے لئے اُٹھیں گے تو کہیگی کہ یہ بغاوت ہے۔ پھر کیا دفاع مسلمانوں کا مذہبی عمل نہ ہوگا؟ اور کیسا مذہبی عمل؟ ایسا عمل کہ شرعاً ہزاروں حج سے بڑھکر۔ حج اس کیلئے چھوڑا جاسکتا ہے لیکن حج کی خاطر وہ نہیں چھوڑا جاسکتا۔

مسلمان ہندوستان کی مسجدوں اور انکے اندر کی نمازوں کو لیکر کیا کریں گے جن کی اجازت دے دینے پر برٹش گورنمنٹ کی آزادی کو ناز ہے؟ جبکہ شریعت کے وہ احکام اُن کے سامنے آجائیں گے جن کی تعمیل ہزار نمازوں سے بھی بڑھکر اور ہزار روزوں سے بھی اشد و اہم ہے؟ اور جن کی نافرمانی کے بعد نہ تو اُن کی نمازیں ہی انکے لئے سود مند رہیں گی، نہ اُن کے روزے ہی اُنکو نجات دلا سکیں گے؟

Marfat.com

ترک و اختیار

ترکِ موالات

اس وقت مسلمانوں پر ترک و اختیار، دونوں طرح کے احکام شرعاً عائد ہوں گے۔ اختیار سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت نہیں کر رہے کرنی پڑیں گی

"ترک" سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت کر رہے ہیں ترک کر دینی پڑیں گی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز وہ ہے جس کو شریعت نے "ترکِ موالات" سے تعبیر کیا ہے یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کے حریف و دشمن اور حملہ آور فریق کا حکم رکھتے ہوں، اُن سے تمام ایسے تعلقات ترک کر دینا جو محبت، خدمت اور اعانت پر مبنی ہوں۔ اگر کوئی مسلمان ایسا تعلق رکھے گا، تو اُس کا شمار بھی شریعت کے نزدیک انہی غیر مسلموں میں ہوگا، مسلمانوں میں نہ ہوگا۔

قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک اصولی تقسیم کر دی ہے۔ تمام غیر مسلم اقوام و افراد کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک قسم ان غیر مسلموں کی ہے جو نہ تو مسلمانوں سے لڑتے ہیں نہ ان پر حملہ آور ہیں، نہ ان کی

Marfat.com

آبادیوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ دوسری قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو یہ ساری باتیں کر رہے ہیں۔ یعنی لڑتے ہیں۔ حملہ آور ہیں۔ اسلامی ممالک پہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں یا کر چکے ہیں۔

اسلام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کو نیکی و محبت اور ہر طرح کے احسان و خیر خواہی کا سلوک کرنا چاہیئے! اسلام اس سے ہرگز مانع نہیں۔ عالمگیر محبت اس کی دعوتِ حق کا اصل الاصول ہے البتہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ وہ اجازت نہیں دیتا کہ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی مسلمان رکھیں۔ اگر رکھیں گے تو اُن کا شمار بھی اللہ اور اس کی شریعت کے دشمنوں میں ہوگا۔ ایک مسلمان کے سارے گناہوں سے شریعت درگزر کر لے سکتی ہے۔ لیکن اگر دوسری قسم کے غیر مسلموں سے محبت کرتا ہے یا کسی طرح کا واسطہ رکھتا ہے، تو یہ گناہ نہیں ہے نفاق ہے اور منافق مومن نہیں ہے۔

قرآن نے یہ تقسیم سورہ ممتحنہ میں کر دی ہے: لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم، ان تبروھم وتقسطوا الیھم، ان اللہ یحب المقسطین۔ انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم، ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون (۶۰ : ۱۰)

Marfat.com

اور اسی صورت کے اوائل میں فرمایا: یا ایہا الذین امنوا! لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق؟ الخ مسلمانو! جو غیر مسلم تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن ہیں، اُن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اور سورہ مائدہ میں ہے "لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء بعضھم اولیاء بعض۔ ومن یتولھم منکم فانہ منھم (۵ : ۵۴) اُن یہود و نصارٰی کو جو مسلمانوں کی دشمنی اور نقصان رسانی میں سرگرم ہوں، اپنا دوست نہ بناؤ۔ اور جو مسلمان بنائے گا، خدا کے حضور اس کا شمار بھی انہی میں ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ واضح فرمایا" لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (۳ : ۲۸) اور لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین (۳ : ۳) یعنی جبکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں باہم جنگ ہو، تو مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں۔ من دون المومنین" جہاں جہاں آیا ہے اُس نے واضح کر دیا ہے کہ مقصود ہر قسم کے غیر مسلموں سے ترک موالات نہیں ہے بلکہ ایک خاص قسم کے محارب غیر مسلموں سے اور ایک خاص حالت جنگ میں۔ اسی طرح سورۂ عمران میں ہے۔ لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا۔ ودوا ماعنتم قد بدت البغضاء من افواھم، وما تخفی صدورھم اکبر (۳ : ۱۱۸)

Marfat.com

یہاں ضمناً یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کو شرعاً کیسا تعلق رکھنا چاہیئے؟ سو معلوم ہوگیا کہ قرآن کی اس تقسیم کی بموجب وہ دوسری قسم میں داخل ہیں۔ پس ان کے ساتھ بر واحسان اور نیکی و ہمدردی کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی۔ آج تک انھوں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا۔ نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا، نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوئے۔

واقعۂ حاطب بن ابی بلتعہ

سورۂ ممتحنہ کے شانِ نزول کا واقعہ اس بارے میں مسلمانوں کے لئے بڑا ہی عبرت انگیز ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین صحابہ اور شرکاء بدر میں سے تھے۔ آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کا قصد کیا تو انھوں نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے ایک خط لکھ کر مکہ میں اطلاع دے دینی چاہی۔ وحی الٰہی سے آنحضرت اس پر مطلع ہوگئے اور راستے ہی میں خط پکڑوا منگوایا۔ جب حاطب سے پوچھا گیا تو انھوں نے معذرت کی۔ ما فعلت ھذا کفراً و لا ارتداداً۔" میں نے کفر و ارتداد اور اسلام کی مخالفت کے خیال سے

Marfat.com

ایسا نہیں کیا۔ صرف اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے خیال سے خط بھیج دیا تھا۔ میری نیت بری نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ انھیں قتل کردیں اور کہا۔ "انہ منافق۔ قد خان اللہ ورسولہ" یہ منافق ہے۔ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت کی

اس پر سورۂ ممتحنہ کا نزول ہوا:

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا	مسلمانو! خدا کے اور خود اپنے دشمنوں کو
عدوی وعدوکم اولیاء	ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت والفت
تلقون الیھم بالمودۃ و	کے ان سے تعلقات رکھو۔ یہ وہ لوگ ہیں
قد کفروا بما جاءکم	جو اسلام سے انکار کرچکے ہیں۔ اور اللہ
من الحق	اور اس کے دین برحق کے دشمن ہیں۔

اس واقعہ میں ہمارے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین وبدریین میں سے تھے۔ انھوں نے صرف اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے خیال سے خط لکھا تھا۔ دشمنان اسلام کی مدد کرنا مقصود نہ تھا۔ اس پر بھی اللہ کی جانب سے یہ عتاب نازل ہوا اور حضرت عمرؓ قتل کردینے کے لئے اٹھے کہ یہ منافق ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ جب باوجود علاقۂ قرابت، مخالف ومحارب قوم کے ساتھ اتنا تعلق بھی گوارا نہیں کیا گیا۔ تو پھر ان مسلمانوں کا شرعاً کیا حکم ہونا چاہیئے

Marfat.com

جو برٹش گورنمنٹ کے محارب فریق ہونے پر بھی ہر طرح کی محبت و موالات اور اعانت و مشارکت کے تعلقات اس کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور جن کا اب تک یہ حال ہے کہ اُس کے درباروں کے دئے ہوئے بے سود خطابوں کو بھی ترک کر دینا اُن کے نفس حق فراموش پر گراں گزر رہا ہے۔

علی الخصوص ان مدعیانِ علم و تقدس کا حال قابلِ تماشا ہے جن کو اُن کی بارگاہوں سے "شمس العلماء" کے خطابات ملے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں اسلام کی دینی ریاست کا اوّلین حق دار اور مسلمانوں کی مذہبی پیشوائی کا سب سے زیادہ مستحق ظاہر کرتے ہیں۔ یا سبحان اللہ! مسلمانوں پر اُن کی قومی بدبختی کا اس سے بڑھ کر اور کونسا وقت آسکتا ہے؟ جن لوگوں کو اسلام اور اس کی کتاب قطعاً منافق قرار دے رہی ہو، اور جو اللہ کے نزدیک اس کے بھی حقدار نہ ہوں کہ مسلمانوں کی صف میں جگہ پائیں اُن کو مسلمانوں کی ریاست و پیشوائی کا دعویٰ ہو وہ مسلمانوں کی بڑی بڑی درگاہوں کے مالک ہوں جہاں صبح و شام قال اللہ و قال الرسول کا چرچا رہتا ہو، اور پھر اس سے بھی عجیب تر یہ کہ بہتیرے مسلمان ہوں جو اُن کی پیشوائی کو جان و دل سے مان رہے ہوں اور ان کے آگے عقیدت و ارادت کا سر جھکا کر اللہ اور اس کے رسول سے گردن موڑ رہے ہیں۔ بدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن

الذین یتخذون الکافرین جو مسلمان مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کے مخالف

Marfat.com

اولیاء من دون المومنین، غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا رہے ہیں، تو کیا وہ
ایبتغون عند ھم العزۃ ؟ چاہتے ہیں کہ ان کی بارگاہوں سے عزت حاصل
فان العزۃ للہ جمیعا ! کریں؟ اگر عزت ہی کی طلب ہے تو یاد رکھیں
(۴ : ۱۳۸) کہ اصلی عزت دینے والے وہ نہیں ہیں۔ عزت
اللہ کے لئے ہے اور ایک مسلمان کو مل سکتی ہے تو اسی کی چوکھٹ سے۔

سورۂ نساء میں یہ تمام خصلتیں منافقوں کی قرار دی ہیں، جن میں آج ہمارے بڑے بڑے مدعیانِ علم و مشیخت مبتلا ہیں۔ اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں اسلام و کفر، دونوں سے ساز باز رکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی رہیں، اور اسلام کے مخالفوں سے بھی رسم و راہ جاری رہے "مذبذبین بین ذالک۔ لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء (۴: ۱۴۳) تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا "یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین۔ اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا؟ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ (۴ : ۱۴۴)

اسلام تو ایک مسلمان کے لئے یہ بات بھی جائز نہیں رکھتا کہ اگر اس کے ماں باپ، بھائی بہن مسلمانوں سے لڑ رہے ہوں، تو اُن سے بھی کسی قسم کا واسطہ رکھے: "لا تتخذوا اباءکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا

Marfat.com

علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون (۹ : ۲۳)
اور جو مسلمان ایسے وقتوں میں محارب غیر مسلموں سے محبت و اعانت کا تعلق رکھیں، خواہ وہ اُن کے ماں باپ ہی کیوں نہوں، اُن کے مومن ہونے کی صاف صاف نفی کر رہا ہے : لا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم (۵۸ : ۲۲)
مہاجرین صحابہ نے اس حکم کی تصویر بن کر دنیا کو دکھلا دیا کہ ایمان کے معنی کیا ہیں ؟

پس اب فیصلہ کر لو کہ اُن لوگوں کا حکم کیا ہونا چاہیئے جو ایسے وقتوں میں بھی محارب غیر مسلموں کے دیئے ہوئے خطابوں سے پیار کریں گے۔ ان کے دیئے ہوئے تمغوں کو (جن میں سے اکثر اسلام فروشی ہی کے صلہ میں ملے ہیں) اپنے سینوں پر جگہ دیں گے، اُن کی بارگاہوں میں جا کر اطاعت و تعبد کا سر جھکائیں گے، اور آہ، اُن سب سے بھی بڑھ کر وہ، جو اُن کی راہوں میں غلاموں کی طرح بچھیں گے، ان کے حکموں پر کتوں کی طرح لوٹیں گے ان کی خدمت و چاکری کے عشق میں اپنے دین و ایمان تک کو نثار کر دیں گے؟
فیاللہ وللمسلمین! من ھذہ الفاقرة التی ھی اعظم فواقر الدین، والرزیة التی ما رزی بمثلھا سبیل المومنین!
لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب اسلام وایمان

Marfat.com

هل للامام ان يمنع المتخلفين والقاعدين من الكلام معه والزيارة ونحو؟

ایک اہم سوال شرعاً یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو مسلمان باوجود تبلیغ و تفہیم محارب غیر مسلموں سے ترک موالات نہ کریں اور ان کی مودت و اعانت سے باز نہ آئیں اُن کے ساتھ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہیئے؟

حضرت کعب بن مالک اور غزوۂ تبوک کے متخلفین کا واقعہ گذشتہ باب میں گزر چکا ہے۔ اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مسلمان مصالح اُمّت کے خلاف روش اختیار کریں اور دشمنانِ ملّت کے دفاع میں باوجود استطاعت حصّہ نہ لیں، اُن سے بھی مسلمانوں کو ترکِ موالات کر دینا چاہیئے۔

امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے۔ هل للامام ان يمنع المجرمين واهل المعصية من الكلام معه والزيادة ونحوه؟" یعنی کیا مسلمانوں کے امام کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ جو لوگ شرعی جرائم کے مرتکب ہوں، اُن سے ملنے، بات چیت کرنے اور اسی طرح تعلقات رکھنے سے لوگوں کو روک دے؟ اور پھر اس میں حضرت کعب بن مالک کی روایت درج کی ہے۔ گویا اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے اور زجر و تنبیہ اور عبرت پذیری

Marfat.com

کے لیئے ایسا کرنا اعمالِ نبوت کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہوگا۔

امام بخاری کا یہ استدلال نہایت واضح اور صاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ کسی طرح کا واسطہ ان لوگوں سے نہ رکھیں، نہ سلام کریں، نہ کلام کریں۔ نہ ملیں جلیں۔ یہاں تک کہ ان کی بیویوں تک کو تعلقاتِ زوجیت رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ بالآخر یہ حالت ہوگئی کہ "ضاقت علیھم الارض بما رحبت" پس اس سے ثابت ہوا کہ جب کبھی اسلام اور اُمت کی حفاظت اور دفاع کا وقت آجائے اور تمام مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا ضروری ہو تو جس مسلمان کی طرف سے اس میں سستی و کاہلی ہو، یا انکار و تخلف ہو، اس کا جُرم عند اللہ نہایت شدید و عظیم ہے۔ اور مسلمانوں کی جماعت کو حق پہنچتا ہے کہ زجر و تنبیہہ کے لئے اس کے ساتھ وہی سلوک کریں جو ان تینوں شخصوں کے ساتھ کیا گیا تھا اور جب تک وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں۔ کوئی مسلمان اُن سے کسی طرح کا علاقہ نہ رکھے۔ جب اُن مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک جائز ہوا جو سابقین انصار اور شرکاء بدر میں سے تھے اور جن کا قصور بجز سستی اور کاہلی کے اور کچھ نہ تھا تو جو لوگ صریح طور پر اعداء اسلام کے ساتھ اطاعت و اعانت کے تعلقات رکھیں، اور دفاع اسلام کی سعی و تدبیر میں شامل ہونے سے صاف صاف انکار کر دیں، اُن کے لئے تو ایسا حکم دینا نہ صرف جائز و مشروع ہوگا، بلکہ

Marfat.com

یقیناً واجب و الزام ہوگا۔

ابن ابی حاتم نے امام حسن بصری کا کیا خوب قول نقل کیا ہے۔ قال۔

"یا سبحان اللہ! ما اکل ھا اولاء الثلاثۃ مالاً حراماً ولا سفکوا دماً حراماً، ولا افسدوا فی الارض اصابھم ما سمعتم، وضاقت بھم الارض بما رحبت، فکیف بمن یوا قع الفواحش والکبائر"

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ "وفیھا ترک السلام علی من اذنب و جواز ھجرہ اکثر من ثلاث واما النھی عن الھجر فوق الثلاث فمحمول علی من لم یکن ھجرانہ شرعیا"[1] یعنی اس واقعہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مجرمین شرع سے ترک سلام وکلام کرنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ اُن سے ترکِ تعلق کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہی حدیث۔ "لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث"، یعنی کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی مسلمان سے جُدا رہے تو اس سے مقصود وہ جدائی ہے جو بلا سبب شرعی ہو، اور اس واقعہ میں جدائی کا حکم جرم شرعی کے ارتکاب کی بنا پر ہُوا۔ پس زیادہ عرصہ تک

---

[1] امام بخاری اپنی عادت کے مطابق حدیث کعب کو مختلف ابواب میں لائے ہیں۔ بابِ متذکرہ متن کتاب الاحکام کا آخری باب ہے اور مفصل حدیث کتاب المغازی میں ہے کتاب المغازی کی شرح میں حافظ موصوف کی یہ عبارت ملے گی (جلد ۸ : ۹۴)

Marfat.com

ترکِ علائق جائز ہے۔

حافظ ابن قیم نے بھی ھدی میں اس واقعہ سے یہ حکم مستنبط کیا ہے اور اپنے مخصوص طرز میں مشرح بحث کی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بیجا نہ ہوگا، اگر یہاں ایک شبہ دور کر دیا جائے جو اس معاملہ کی نسبت ہوا ہے اور ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ "استدل بعض المتاخرین لکونہما لوبیشہد ابدرا بما وقع فی قصہ حاطب، وان النبی صلعم لو یہجرہ ولا عاقبہ مع کونہ جس علیہ بل قال لعمر لما ھو بقتلہ: لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم: قال۔ واین ذنب التخلف من ذنب الجس؟" یعنی بعض متاخرین نے اس سے انکار کیا ہے کہ مرارہ بن ربیع اور بلال بن امیہ شہداء بدر میں سے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان کو یہ سزا نہ دی جاتی۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ سے خط و کتابت کی اور وہ جرم بڑا ہی سخت جرم تھا۔ یعنی جاسوسی کا تھا۔ اس پر بھی بوجہ بدری ہونے کے آنحضرت نے معاف کر دیا اور لوگوں کو ان کے ساتھ ترکِ تعلق کا حکم نہیں دیا۔ کعب اور ان کے ساتھیوں کا

Marfat.com

اس سے بڑھ کر تو قصور نہ تھا؟ پھر اتنی بڑی سخت سزا اُن کو کیوں دی گئی؟ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حاطب کی معافی اُن کے بدری ہونے کی وجہ سے تھی، اور یہ لوگ اس لئے ماخوذ ہوئے کہ بدری نہ تھے۔ انتہا۔

پھر حافظ موصوف نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ ضرور بدری تھے۔ حاطب کو اس لئے کوئی سزا نہیں دی گئی کہ انھوں نے اپنے اہل وعیال کی حفاظت کا عذر پیش کیا تھا۔ لیکن ان لوگوں کے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ پھر آگے چل کر سہیلی کا جواب نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو سخت سزا اس لئے دی گئی کہ انصار میں سے تھے اور انصار نے آنحضرتؐ کی حمایت کا خاص طور پر وعدہ کیا تھا۔ اُن پر دوسروں سے کہیں زیادہ معیت ونصرت فرض تھی۔ اس میں کوتاہی ہوئی تو مستحق تعزیر ہوئے۔

ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ شبہ جس قدر تعجب انگیز ہے اُس سے کہیں زیادہ ان اکابر واعلام کے جوابات وتعلیلات تعجب انگیز ہیں۔ سخت حیرانی ہوتی ہے کہ ایک نہایت صاف وواضح معاملہ کی نسبت کیوں اس قدر غیر ضروری کاوشیں کی گئیں اور کیوں اصلی علت سامنے نہ آگئی؟

حضرت ہلال اور مرارہ کا بدری ہونا مسلّم ہے۔ بخاری کی روایت میں خود حضرت کعب کہتے ہیں "رجلین صالحین قد شھدا بدرا"

اور حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ اثر اس معاملہ میں کسی طرح کی منافات نہیں ہے۔ دونوں معاملے اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ اس واقعہ پر جن لوگوں کو تعجب ہوا، اُنھوں نے حکمِ دفاع کی اہمیت پر نظر نہ ڈالی۔ اگر اس پر غور کر لیتے تو یہ شبہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ نہ ان کمزور توجیہوں کی ضرورت پیش آتی۔

ایک صورت عام طور پر حفظِ ملک و نصرتِ قوم کی ہے۔ اور ایک صورت خاص دشمن کے حملہ و ہجوم کی ہے۔ پہلی حالت میں اگر جنگی احکام کی تعمیل میں سستی و کاہلی ہو، تو اُس درجہ سنگین نہیں ہوتی۔ جس قدر دوسری حالت میں۔ پہلی حالت اندرونی امن کی ہے۔ دوسری بیرونی حملہ و جنگ کی۔ جنگ و دفاع کی حالت میں ایک ذرا سی سُستی اور کاہلی بھی اتنا بڑا جرم ہوتی ہے کہ اس کی پاداش میں موت کی سزا کو بھی سخت نہیں کہا جاسکتا۔

اسی بنا پر شریعت نے ایک حالت تہیۂ جہاد و رباطِ خیل و استعداد کار کی قرار دی ہے۔ دوسری حالت "دفاع" اور نفیر کی تبلائی۔ جب کسی دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہو اور مسلم و غیر مسلم جنگ کی حالت پیدا ہو گئی ہو۔ تو وہ حالت دفاع کی ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں امن تھا۔ قریش یا کسی دوسرے دشمن کی طرف سے اس وقت حملہ کا خوف نہ تھا۔ خود مسلمان مکہ پر حملہ کرنے والے تھے۔ کیونکہ قریش نے اپنا عہد و میثاق توڑ دیا تھا۔

Marfat.com

لیکن حضرت کعب بن مالک کا معاملہ دوسرا تھا۔ انھوں نے اس وقت ادائے فرض میں سستی کی جب دشمن کے حملہ و ہجوم کا اعلان ہوچکا تھا۔ اور چالیس ہزار رومیوں کے اجتماع کی خبریں آچکی تھیں۔ وہ حملہ کا وقت نہ تھا۔ دفاع کا تھا۔ امام نے حکم دے دیا تھا، اور نفیر عام کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ اُس وقت ادائے فرض میں غفلت کرنا ایسا سنگین جرم ہے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا پس ضروری تھا کہ عبرت کے لیئے کوئی سخت طرزِ عمل اختیار کیا جاتا، تاکہ آئندہ ایسی غفلتوں کی کسی کو جرأت نہ ہو۔

تعجب ہے کہ حافظ ابن قیم کو بھی ہدی میں یہی شبہ لاحق ہوا اور اسی لیئے انھوں نے ہلال اور مرارہ کے بدری ہونے سے انکار کردیا ہے۔

والغلط لا یعصمہ الا انسان۔

برٹش گورنمنٹ کے لیئے اصلی سوال

گورنمنٹ صرف اپنے فوائد و اغراض ہی سامنے رکھ کر غور کرے کہ ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کو جو دنیا اور زندگی کی ساری چیزوں سے زیادہ اپنے مذہب کو محبوب رکھتے ہیں، ایک ایسی اٹل اور لاعلاج کشمکش میں ڈال دینا بہتر ہوگا جس میں ایک طرف ان کے مذہبی احکام ہیں، دوسری طرف برٹش گورنمنٹ؟ اور دونوں باتیں اسی طرح آپس میں لڑ گئی ہیں کہ

Marfat.com

کسی طرح بھی جمع نہیں ہوسکتیں؟

اگر انسان کے ہاتھ اشارے کر کے طوفانوں اور بجلیوں کو بلا سکتے ہیں تو یقیناً برٹش گورنمنٹ اس وقت اس آدمی کی طرح سمندر کے کنارے کھڑی ہے جو اپنا ہاتھ ہلا ہلا کر طوفانوں کو دعوت دے رہا ہو۔

فی الحقیقت یہ نہ تو کوئی الجھاؤ ہے نہ کوئی مشکل مسئلہ۔ بالکل صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ بشرطیکہ حاکمانہ غرور اور طاقت کا نشہ چند لمحوں کے لئے عقل و انصاف کو کام کرنے دے۔

مسلمانوں کا مطالبہ شرعی احکام کا مطالبہ ہے۔ اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ ہو۔ چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں۔ اور مدرسوں کے اندر شب و روز زیر درس و تدریس رہتے ہیں پس گورنمنٹ کو چاہیئے کہ صرف اس بات کی جانچ کرلے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہی ہیں یا نہیں؟

اگر ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے، تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں یا مسلمانوں کے لئے اُن کے مذہب کو چھوڑ دے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے اُن کے مذہب میں مداخلت ہو اور وہ اپنے مذہبی احکام کی بنا پر برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہو جانے پر مجبور ہو جائیں۔

Marfat.com

یا پھر اعلان کر دے کہ اس کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پروا نہیں۔ نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہ ہوگی اس کو صرف زیادہ سے زیادہ زمین چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ حکومت چاہیئے موصل کے تیل کے چشمے چاہئیں، عراق کی زرخیز زمین کی دولت چاہیئے اور اسلامی خلافت کا خاتمہ۔ تاکہ دنیا میں اس کا کوئی اسلامی حریف باقی نہ رہے اگر ایسا کرنے کیوجہ سے مسلمانوں کے مذہبی احکام متصادم ہوتے ہیں تو ہوں۔ اگر ان پر طرح طرح کے اشد فرائض عائد ہو جاتے ہیں تو ہوا کریں۔ ان کو ہر حال میں برٹش گورنمنٹ کا وفادار غلام بنا رہنا چاہیئے۔ اگرچہ اس کی خاطر اپنے مذہب سے بھی دست بردار ہو جانا پڑے۔

اس کے بعد مسلمانوں کے لئے بھی نہایت آسان ہو جائے گا کہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نہ کریں اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لئے پسند کر لیں۔

نظامِ عمل

مسلمانانِ ہند اور نظامِ جماعت

لیکن ہمارے لئے اصلی سوال اب یہ نہیں رہا ہے کہ گورنمنٹ کو کیا کرنا تھا؟ صرف یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

Marfat.com

اس بارے میں مسلمانوں کے لیے راہِ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے۔ یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اُس معصیت سے باز آجائیں جس میں ایک عرصہ سے مبتلا ہیں، اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہوگئے ہیں

"جماعتی زندگی کی معصیت" سے مقصود یہ ہے کہ ان میں ایک "جماعت" بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہوگیا ہے۔ وہ بالکل اُس گلے کی طرح ہیں جس کا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو کر گم ہو گیا ہو۔ وہ بسا اوقات یکجا اکٹھے ہو کر اپنی جماعتی قوت کی نمائش کرنی چاہتے ہیں، کمیٹیاں بناتے ہیں، کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظروں میں "بھیڑ" اور "انبوہ" کا حکم رکھتی ہیں۔ "جماعت" کا حکم نہیں رکھتیں "بھیڑ" اور "جماعت" میں فرق ہے۔ پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی ہے جب کوئی تماشہ ہو رہا ہو۔ دوسری چیز جمعہ کے دن مسجدوں میں دیکھی جا سکتی ہے جب ہزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد، ایک جہت، ایک حالت، اور ایک ہی کے پیچھے مجتمع ہوتی ہیں۔

شریعت نے مسلمانوں کے لیے جہاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کر دیے ہیں۔ وہاں اُن کے لیے ایک اجتماعی نظام بھی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ زندگی اجتماع کا نام ہے۔ افراد و اشخاص کوئی شے نہیں۔

Marfat.com

جب کوئی قوم اس نظام کو ترک کر دیتی ہے تو گو اس کے افراد فرداً فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ہوں، لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھ سود مند نہیں ہو سکتیں، اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ قران و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے۔ اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے مسلمانانِ ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں۔ اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے؟

کتاب و سنت نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں:

تمام لوگ کسی ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ہو جائیں اور وہ ان کا امام ہو۔

وہ جو کچھ تعلیم دے، ایمان و صداقت کے ساتھ قبول کریں۔

قرآن و سنت کے ماتحت اس کے جو کچھ احکام ہوں اُن کی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں۔

سب کی زبانیں گونگی ہوں۔ صرف اُسی کی زبان گویا ہو سب کے دماغ بیکار ہو جائیں۔ صرف اسی کا دماغ کارفرما ہو۔ لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ۔ صرف دل ہو جو قبول کرے، صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں

اگر ایسا نہیں ہے، تو ایک بھیڑ ہے، ایک انبوہ ہے، جانوروں کا ایک جنگل ہے، کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے، مگر نہ تو "جماعت" ہے نہ "اُمت"، نہ "قوم" نہ "اجتماع" اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں۔ کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں۔ قطرے ہیں مگر دریا نہیں۔ کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں، مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر لے سکتی ہے۔

کسی گزشتہ فصل میں بہ ضمن شرح حدیث حارث اشعری "جماعت" کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے۔ اس موقعہ پر وہ پیش نظر رہے۔

یہ وقت [illegible] فیصلہ [illegible] کھینچنے کا تھا، نہ کہ دانہ ڈالنے کا۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و [illegible] گزشتہ زندگی گم گشتگی و بے حاصلی میں [illegible] دی۔ حتیٰ کہ ہیچ مدان [illegible] وقت آ گیا جس کی تباہیوں کا تخیل پیدا کر کے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے: فقد جاء اشراطها۔ فانی لهم اذا جاءتهم ذکراهم (۴۷: ۲۱) اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور عزم ہونا چاہیے تو اسی کا۔ سچے کام کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے، مگر جب کبھی کیا جائے، سچائی ہے۔ اس کے لئے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی جگہ مخالف۔ اس کے کرنے میں جس قدر دیر کی جائے گی معصیت اور ہلاکی ہے۔ لیکن جب کبھی کر دیا جائے، سچائی اور نیکی ہے، اور اس کا ثمرہ زندگی اور کامرانی۔

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص وقتوں میں خاص خاص

Marfat.com

کاموں کا نام سُن پاتے ہو اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو' اور جس طرح اونگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اُٹھتا ہے یکایک اعتقاد اور عمل دونوں تمہیں یاد آجاتے ہیں۔ حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ہی میں تمہاری مصیبت وجود میں آتی ہے نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑجانے پر موقوف ہے۔ تمہاری مصیبت دائمی' تمہارا ماتم ہمیشگی کا' تمہارا روگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا۔ اور تمہاری نحوست ۲۴ گھنٹے تمہاری ساتھی ہے۔ اور ٹھیک اسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سائے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی ہے اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے۔

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گُھلے جاتے ہو؟ اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے؟ جب تک دل و جگر کا علاج نہ ہوگا' روز نئے نئے روگ لگتے رہیں گے۔ خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے۔ مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا۔ پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہوسکتی۔ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے صرف یہی ہے کہ "ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیئے' اور قوم و فرد دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک اسلامی زندگی اختیار کر لینی چاہیئے۔" اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائیں گے۔ سوال حکومتوں کے

Marfat.com

نکل جانے کا نہیں ہے۔ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے ؎

درازیٔ شب و بیداریٔ من ایں ہمہ نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفت است

اسی مسئلہ خلافت کو دیکھو! شرعی اور سیاسی، دونوں پہلوؤں سے کس قدر اہم اور نازک معاملہ ہے؟ اگر آج مسلمانوں میں اُن کے ائمہ و مشاہیر موجود ہوتے تو اُن میں سے بھی ہر شخص کی زبان نہ کھلتا۔کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند ہو جاتے، لیکن اس کے مقابلہ میں آج تمہارا حال کیا ہو رہا ہے؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے اُس قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاہتے ہو۔ہر زبان تجویزیں پیش کر رہی ہے ہر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا ہے۔کوئی کچھ کہتا ہے۔کوئی کچھ کہتا ہے۔کوئی دہنے بلاتا ہے کوئی بائیں۔کیا اس طوائف الملوکی اور ذہنی انارکی کے ساتھ جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا عذر ہے، یہ مہم سر ہو سکتی ہے؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جس کا قلب کتاب و سنّت کے معارف و غوامض سے معمور ہو وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر، اُن کے توطن ہند کی حدیث العہد نوعیت پر ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر ہو جانے والے حوادث جنگ و صلح پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرسکے اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیہ و ملیہ کے تحفظ

Marfat.com

و توازن کے بعد فتوئے شرع صادر کرتا رہے۔ نہ ہر عالم اس کا اہل ہے نہ ہر مدرسہ نشین اس کا اسرار شناس۔

سیاسی پہلو سے دیکھا جائے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ہے۔ اس کو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ قوت بھی ناپید ؟

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں نہ جوش و سرگرمی کی کمی ہے، اور یہ بڑی ہی قیمتی چیز ہے۔ لیکن اگر صحیح راہِ عمل نہ اختیار کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ہو جاسکتی ہے۔ جذبات کی مثال اسٹیم کی ہے۔ بغیر اسٹیم کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ بھی بغیر مشین اور سائق (ڈرائیور) کے کچھ نہیں کر سکتی۔ مشین اس کی طاقت کو ترتیب دیتی اور ڈرائیور اس سے کام لیتا ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، تو اس سے زیادہ کوئی خطرناک اور مہلک چیز بھی نہیں ہو سکتی۔ کاش وہ نہ ہوتی۔ وہ ٹرین کو منزل مقصود پر پہنچاتی ہے۔ مگر انجنوں کو ٹکرا کر ہزاروں انسانوں کو ہلاک بھی کر دیتی ہے۔

"جذبات" اسی وقت کام دے سکتے ہیں جب اُن کو مرتب کرنے اور ان پر حکم و قضا کے لئے "ادراک" اور "دماغ" بھی موجود ہو۔ وذالك من عمل النبوة ولكن لا يعقلها الا العالمون۔

بہرحال اس وقت اور ہمیشہ سے، اور ہمیشہ کے لئے یہ راہِ عمل یہی

Marfat.com

ہے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کی جماعتی زندگی اختیار کرلیں۔ اسی پر مسئلہ خلافت اسلامی کے بھی تمام مہمات و اعمال موقوف ہیں۔

تمام مسلمانوں کو ان ہمدردانِ ملت کا شکرگزار ہونا چاہیئے جنھوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی اور تمام ملک میں اس کی شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا۔ لیکن خلافت کمیٹی کا نظام مسلمانوں کو نظام جماعتی و شرعی کے قیام سے مستغنی نہیں کر دے سکتا۔ خلافت کمیٹی روپیہ جمع کریگی۔ ایجی ٹیشن جاری رکھے گی۔ تبلیغ واشاعت کرے گی۔ لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتی ہے نہ کمیٹیوں سے "جماعت" پیدا ہوسکتی ہے۔ نہ شرعی نظام کی قائمقامی ہوسکتی ہے۔ وہ خود احکامِ شرعیہ کے علم کے لیئے، اپنے قیام و تکمیل کے لیئے دفع تفرقہ و انتشار کے لیئے، اور روح اجتماع و قوام کے نفوذ کے لیئے ایک بالاتر قوتِ حاکمہ و نافذہ کی محتاج ہے اور اگر وہ قوت نہیں ہے تو پھر اس کی ہستی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

نظامِ شرعی یہ نہیں ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً سوچتا رہے کہ مسئلہ خلافت کے لیئے کیا کرنا چاہیے؟ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملی راہ کیا ہونی چاہیے؟ اور نہ ہر شخص یا چند آدمیوں کی گڑھی ہوئی کمیٹی کو یہ حق ہے کہ لوگوں کو کسی خاص راہ کی طرف دعوت دینا شروع کردے یہ کام صرف ایک صاحب نظر و اجتہاد کا ہے جس کو قوم نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ہو۔ وہ

Marfat.com

وقت اور حالت پر اصول و احکام شریعت کو منطبق کرے گا۔ ایک ایک جزئیہ حوادث و واقعات پر پوری کارروائی و نکتہ شناسی کے ساتھ نظر ڈالے گا۔ امت و شرع کے اصولی مصالح و مقاصد اس کے سامنے ہوں گے، کسی ایک گوشے ہی میں مستغرق نہ ہو جائے گا کہ باقی تمام گوشوں سے بے پروا ہو جائے۔

حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء!

سب سے بڑھ کر یہ کہ اعمال فہمِ امت کی راہ میں منہاجِ نبوت پر اس کا قدم استوار ہو گا اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرت کے بعد ہر وقت، ہر تغیر، ہر حالت، ہر جماعت کے لیے احکامِ شریعہ کا استنباط کر سکے گا۔

زبان زنکتہ فرو ماند و رازِ من باقیست
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقیست

عزیزانِ ملت! اس طویل صحبت میں جو کچھ بیان کیا گیا، اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو۔ یہ تمام وہی افسانہ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دہراتا رہا ہوں اور اگر "الہلال" و "البلاغ" کی پیہم صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہو گئی ہیں، تو تم اس کی تصدیق کرو گے۔ تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں، لیکن میری طرف دیکھو! میں ایک انسان

Marfat.com

تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صدائے دعوت بلند کر رہا ہے
اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر
پکار رہا ہوں۔ ولکن لا تحبّون النّاصحین (۷ : ۲۸) افسوس! کہ تم
حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ تم نمائش کے پجاری،
شور و ہنگامہ کے بندے اور وقتی جذبات و انفجار ہیجان کی مخلوق ہو۔ تم
میں نہ امتیاز ہے نہ نظر، نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو۔ تم جس قدر تیز دوڑ کر
آتے ہو، اُتنی ہی تیزی کے ساتھ فرار بھی کر جاتے ہو۔ تمہاری اطاعت جس قدر
سہل ہے اور تمہاری ارادت جتنی سستی، اُتنا ہی تمہارا انحراف آسان
ہے، اور اُسی نسبت سے تمہاری مخالفت بھی ارزاں ہے پس نہ تو تمہاری
تحسین کی کوئی قیمت، نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن۔ نہ تمہارے پاس دماغ
ہے نہ دل، وسواس ہیں جن کو تم افکار سمجھتے ہو۔ خطرات ہیں جن کو تم عزائم
کہتے ہو۔ خدارا بتلاؤ! میں تمہارے ساتھ کیا کروں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ
آج جن باتوں کے لئے تم رو رہے ہو، یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں
میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب کی چیخ بن کر نکلتی تھیں۔ مگر
تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکڑا ہے، اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس
آجاتی تھیں؟ اور تم یک قلم افکار و اعراض میں غرق تھے؟
تم نے ہمیشہ اعراض کیا۔ تم نے اعراض ہی نہیں کیا۔ بلکہ جعلوا

Marfat.com

اصابعہم فی اذانہم واستغشوا ثیابہم' واصروا، واستکبروا استکبارا (۷۱ : ۷) کی ساری سنتیں غفلت وانکار کی تازہ کر دیں۔ میں نے تم میں سے ہر گروہ کو ٹٹولا۔ میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا، جب کبھی کوئی بھیڑ دیکھی، فریاد کی۔ جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا۔ لیکن فلو یزدھم دعائی الا فرارا (۷۱ : ۶) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جن کو حقیقت کا فہم ہو۔ اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ہوں۔ یہاں تک کہ میں تمھاری آبادیوں سے الگ ہو کر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا، اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کاموں میں بسر ہوتی رہیں۔ اب میں پھر تم میں واپس آگیا ہوں لیکن تمھاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اُسی طرح مفقود ہے جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود رہا ہے۔ اب تک حقیقت شناسی کی کوئی گیرائی تم میں نظر نہیں آتی۔ تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوئے ریلوے اسٹیشنوں پر اُتارو، اور ایسے پرجوش انسانوں کے نعرے سناؤ جن کے ہاتھوں میں فتح مند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں' اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکھٹے کر دو کہ ان کے چاروں طرف اکھٹے کر دو کہ ان کے ہجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جائے۔

Marfat.com

مگر آہ! میں تمھاری ان بھیڑوں کو لے کر کیا کروں جب تمھارے دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے، اور تمھارے اس جوشِ استقبال سے مجھے کیا خوشی ہو جب تمھاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوئی ہیں۔ افسوس! تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو۔ تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمھارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں:

من بہر جمعیتے نالاں شدم　　جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من　　وز درونِ من نہ جست اسرارِ من

سرِ من از نالۂ من دور نیست　　لیک کس را گوشِ آں منظور نیست

میری رایوں میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی، نہ میرے سفر میں کبھی یمین دیسار کا تذبذب پیش آیا ہے۔ تبدیلیاں فکروں میں ہو سکتی ہیں، قیاسوں میں ہو سکتی ہیں، پولیٹیکل حکمتِ عملیوں میں ہو سکتی ہیں۔ انسانی تقلید اس کا سرچشمہ ہے، اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اس کا منبع۔ لیکن ان عقاید میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی ہدایتوں سے ماخوذ ہیں۔ الحمد للہ کہ میں جو کچھ کہتا اور کرتا رہا، وہ میرے عقاید و معلومات تھے، تمھارے بڑوں کی طرح آرا و متلونات نہ تھے۔ و ان الظن لا یغنی من الحق شیئًا (۴ ۵ : ۳) اس وقت تم میں سے اکثروں نے

Marfat.com

اعراض کیا، بہتوں نے استہزا کیا، کتنوں ہی نے کہہ دیا کہ یہ تو ایک طرح کی مذہبی بناوٹ اور مافوق الفطرت دعوں کا اعلان ہے: یریداں ان یتفضل علینا بعضوں نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحری اور ایک طرح کی ادیبانہ افسوں گری ہے: اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا۔ (۲۵ : ۷) لیکن دیکھو! بالآخر رفتہ رفتہ سب نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ سب اُسی راہ پر چل پڑے۔ بہتوں نے دانستہ، اور بہتوں نے نادانستہ مگر راہ سب نے وہی اختیار کی آج تم سب اُسی "مافوق الفطرت دعوؤں" اور "ساحرانہ فصاحت طرازیوں" کو اپنا اصل الاصول بنائے ہوئے ہو: اور "قیام شریعت" اور "تقدیم و اتباع شریعت" اور "حفظ و دفاع ملت" کے ناموں سے موسوم کرتے ہو۔

پس جبکہ یہ پہلا تجربہ و مشاہدہ تمھارے سامنے ہے، تو آج میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آ گیا۔ راہ عمل کے لئے تمھارا رخ وہ ہے جس کی طرف تم دوڑ رہے ہو۔ اور میری راہ وہ ہے جس کی طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا ہوں۔ تم بارش کے وجود سے انکار نہیں کرتے مگر منتظر رہتے ہو کہ پانی برسنے لگ جائے تو اقرار کریں۔ لیکن میں ہوا اور میں پانی کی بو سونگھ لینے کا عادی ہوں، اور صرف بادلوں ہی کو دیکھ لینا میرے علم کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پس اگر پچھلا تجربہ بس کرتا ہے تو اس

Marfat.com

سے عبرت پکڑو، اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاہتے ہو تو انتظار کرو دیکھو
فستذکرون ما اقول لکم، وافوض امری الی اللہ ان اللہ
بصیر بالعباد (۴۰ : ۴۴)

Marfat.com

ضمیمہ

جدول سنینِ خلافتِ اسلامیہ

عدد	خلفاء	سنہ ہجری	سنہ مسیحی
۱	ابوبکر صدیق (رضؓ)	۱۱	۶۳۲
۲	عمر بن الخطاب (رضؓ)	۱۳	۶۳۴
۳	عثمان بن عفان (رضؓ)	۲۳	۶۴۴
۴	علی بن ابی طالب (رضؓ)	۳۵	۶۵۲

سلسلۂ بنو اُمیّہ

۵	معاویہ بن ابی سفیان	۴۱	۶۶۱
۶	یزید بن معاویہ	۶۰	۶۸۰
۷	معاویہ بن یزید	۶۴	۶۸۳

Marfat.com

۸ - مروان بن الحکم	۶۴	۶۸۳
۹ - عبدالملک بن مروان	۶۵	۶۸۴
۱۰ - الولید بن عبدالملک	۸۶	۷۰۵
۱۱ - سلیمان بن عبدالملک	۹۶	۷۱۴
۱۲ - عمر بن عبدالعزیزؒ	۹۹	۷۱۷
۱۳ - یزید بن عبدالملک	۱۰۱	۷۱۹
۱۴ - ہشام بن عبدالملک	۱۰۵	۷۲۳
۱۵ - الولید بن یزید بن عبدالملک	۱۲۵	۷۴۲
۱۶ - یزید بن الولید	۱۲۶	۷۴۳
۱۷ - ابراہیم بن الولید	۱۲۶	۷۴۳
۱۸ - مروان بن محمد بن مروان	۱۲۷	۷۴۴

سلسلۂ عبّاسیہ

۱۹ - ابوالعباس سفاح	۱۳۲	۷۴۹
۲۰ - ابوجعفر منصور	۱۳۷	۷۵۴
۲۱ - المہدی بن منصور	۱۵۸	۷۷۴
۲۲ - الہادی بن المہدی	۱۶۹	۷۸۵

Marfat.com

۲۳ - ہارون الرشید بن المہدی	۱۷۰	۷۸۶
۲۴ - محمد الامین بن ہارون	۱۹۳	۸۰۸
۲۵ - المامون بن ہارون	۱۹۸	۸۱۳
۲۶ - المعتصم بن ہارون	۲۱۸	۸۳۳
۲۷ - الواثق بن المعتصم	۲۲۷	۸۴۲
۲۸ - المتوکل علی اللہ بن المعتصم	۲۳۲	۸۴۷
۲۹ - المستنصر باللہ بن المتوکل	۲۴۷	۸۶۱
۳۰ - المستعین باللہ بن المعتصم	۲۴۸	۸۶۲
۳۱ - المعتز باللہ بن المتوکل	۲۵۲	۸۶۶
۳۲ - المہتدی باللہ بن الواثق	۲۵۵	۸۶۹
۳۳ - المعتمد باللہ بن المتوکل	۲۵۶	۸۷۰
۳۴ - المعتضد باللہ بن الموفق	۲۷۹	۸۹۲
۳۵ - المقتدر باللہ بن الموفق	۲۹۵	۹۰۸
۳۶ - الراضی باللہ بن المقتدر	۳۲۲	۹۳۲
۳۷ - المتقی باللہ بن المقتدر	۳۲۹	۹۴۰
۳۸ - المستکفی باللہ بن المکتفی	۳۳۳	۹۴۴
۳۹ - المطیع باللہ بن المقتدر	۳۴۳	۹۴۶

Marfat.com

۴۰ - الطائع للہ بن المطیع	۳۶۳	۹۷۴
۴۱ - القادر باللہ بن المقتدر	۳۸۱	۹۹۱
۴۲ - القائم بامر اللہ بن القادر	۴۲۲	۱۰۳۱
۴۳ - المقتدی باللہ بن القائم	۴۶۷	۱۰۷۵
۴۴ - المستظہر باللہ بن المقتدی	۴۸۷	۱۰۹۴
۴۵ - المسترشد باللہ بن المستظہر	۵۱۲	۱۱۱۸
۴۶ - الراشد بن المسترشد	۵۲۹	۱۱۳۵
۴۷ - المقتفی بن المستظہر	۵۳۰	۱۱۳۶
۴۸ - المستنجد باللہ بن المقتفی	۵۵۵	۱۱۶۰
۴۹ - المستضئ بنور اللہ بن المستنجد	۵۶۶	۱۱۷۰
۵۰ - الناصر لدین اللہ بن المستضئ	۵۷۵	۱۱۸۰
۵۱ - الظاہر باللہ بن الناصر	۶۲۲	۱۲۲۵
۵۲ - المستنصر باللہ بن الظاہر	۶۲۳	۱۲۲۶
۵۳ - المعتصم باللہ بن المستنصر	۶۴۰	۱۲۴۳

عباسیہ مصر

۵۴ - المستنصر باللہ	۶۵۶	۱۲۵۸

Marfat.com

۵۵ - الحاکم بامر اللہ	۶۶۱	۱۲۶۲
۵۶ - المستکفی باللہ	۷۰۱	۱۳۰۱
۵۷ - الواثق باللہ	۷۴۰	۱۳۳۹
۵۸ - الحاکم بامر اللہ	۷۴۲	۱۳۴۱
۵۹ - المعتضد باللہ	۷۵۳	۱۳۵۲
۶۰ - المتوکل علی اللہ	۷۶۳	۱۳۶۱
۶۱ - الواثق باللہ	۷۸۵	۱۳۸۳
۶۲ - المستعین باللہ	۸۰۸	۱۴۰۱
۶۳ - المعتضد باللہ	۸۱۵	۱۴۱۲
۶۴ - المستکفی باللہ	۸۴۰	۱۴۴۱
۶۵ - القائم بامر اللہ	۸۵۴	۱۴۵۰
۶۶ - المستنجد باللہ	۸۵۹	۱۴۵۴
۶۷ - المتوکل علی اللہ	۸۸۴	۱۴۷۹
۶۸ - المستمسک باللہ	۹۰۲	۱۴۹۷
۶۹ - المتوکل علی اللہ	۹۱۲	۱۵۰۶

Marfat.com

سلسلہ عثمانیہ

۷۰ - سلیم خان اوّل	۹۲۳	۱۵۱۷
۷۱ - سلیمانِ اوّل	۹۲۶	۱۵۲۰
۷۲ - سلیم ثانی	۹۷۴	۱۵۶۶
۷۳ - مراد ثالث	۹۸۲	۱۵۷۴
۷۴ - محمد ثالث	۱۰۰۴	۱۵۹۶
۷۵ - احمد اوّل	۱۰۱۲	۱۶۰۴
۷۶ - مصطفےٰ اوّل	۱۰۲۶	۱۶۱۸
۷۷ - عثمان ثانی	۱۰۲۷	۱۶۱۸
۷۸ - مراد رابع	۱۰۳۲	۱۶۲۳
۷۹ - ابراہیم اوّل	۱۰۴۹	۱۶۴۰
۸۰ - محمد رابع	۱۰۵۳	۱۶۷۴
۸۱ - سلیمانِ ثانی	۱۰۹۹	۱۶۸۷
۸۲ - احمد ثانی	۱۱۰۲	۱۶۹۱
۸۳ - مصطفےٰ ثانی	۱۱۰۶	۱۶۹۵
۸۴ - احمد ثالث	۱۱۱۵	۱۷۰۳

Marfat.com

۸۵ - محمود [illegible]	[illegible]	[illegible]
۸۰ - عثمان [illegible]	[illegible]	[illegible]
۸۰ - مصطفیٰ [illegible]	[illegible]	[illegible]
۸۸ - محمد مجید [illegible]	[illegible]	[illegible]
۸۵ - سید [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - مصطفیٰ [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - محمود [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - محمد [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - محمد [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - محمد [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - محمد [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] - [illegible]	[illegible]	[illegible]

محمد [illegible]

Marfat.com

ضمیمہ

(۲)

مواعید و عہود

اس کتاب میں گورنمنٹ انگلستان و ہند کے جن وعدوں اور سرکاری اعلانات کی طرف جا بجا اشارہ کیا گیا ہے، اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان جو ٹرکی کے شامل جنگ ہونے کے بعد ۲ر نومبر ۱۹۱۴ء کو شائع ہوا:

> برطانیہ عظمیٰ اور ٹرکی میں جنگ چھڑ گئی ہے۔ برطانیہ کو اس کا سخت افسوس ہے کہ یہ بڑے مشوروں سے اور بلا کسی اشتعال کے اور خوب سوچ سمجھ کر دولتِ عثمانیہ کی طرف سے عمل میں آئی ہے۔ لہٰذا ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کے حکم کے مطابق عرب کے مقاماتِ مقدسہ کے بارے میں جن میں عراق کے متبرک مقامات اور

Marfat.com

بندرگاہ جدّہ بھی شامل ہے، مندرجہ ذیل اعلان کرتے ہیں تاکہ ہز مجسٹی کی نہایت وفادار مسلم رعایا کو غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ اس جنگ میں مذہبی جنگ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے

ان مقاماتِ مقدسہ اور بندرگاہِ جدہ پر برطانی بری و بحری طاقتوں سے کبھی حملہ نہ ہوگا، نہ اُن کو ستایا جائے گا جب تک کہ حجاج و زائرینِ ہند سے جو ان مقاماتِ مقدسہ میں جائیں، کوئی چھیڑ نہ کی جائے۔ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی استدعا پر گورنمنٹ فرانس و روس نے بھی اسی طرح کا یقین دلایا ہے۔

(۲) ۵ر جنوری ۱۹۱۸ء کو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اپنی مشہور تقریر میں کہا:

"ہم اس لئے جنگ نہیں کر رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دار الخلافے سے محروم کر دیں۔ یا ایشائے کوچک اور تھریس کے زرخیز و شہرۂ آفاق علاقے لے لیں، جن میں ترکی النسل آبادی بلحاظ غالب ہے۔

ہم اس بات کے بھی مخالف نہیں کہ جن علاقوں میں ترکی نژاد آبادی ہے، وہاں ترکوں کی سلطنت قائم رہے

Marfat.com

یا قسطنطنیہ اس کا پایۂ حکومت ہو۔ البتہ بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راستہ کو بین الاقوامی ضبط و نگرانی میں لانے کے بعد ہماری رائے میں عرب، آرمینیا، عراق شام اور فلسطین اپنی اپنی جداگانہ قومی حکومتوں کے مستحق ہیں۔

وزیر اعظم نے یہ جو کچھ کہا تھا؟ کیا محض ان کی ذاتی رائے تھی جس کی ذمہ داری صرف اُن پر عائد ہوتی ہے، یا برطانیہ کا سرکاری اعلان تھا؟ اور اگر سرکاری اعلان تھا تو صرف وزارت اور اُس کی گورنمنٹ کا تھا، یا تمام برٹش قوم اور امپائر کا؟

اس کا جواب اُس تمہید سے ملتا ہے جو اس تقریر کے ابتدا میں موجود ہے،

"اس تمام بحث و گفتگو کے بعد جو قلمرو کے مختلف الخیال اور مختلف الرائے طبقوں کے نمایندوں کے ساتھ ہوئی ہے میں خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ آج میں جو کلمات کہوں گا، ان کے لئے گو تنہا حکومت ہی ذمہ دار ہوگی، مگر ہمارے جنگی مقاصد، شرائطِ صلح کی نوعیت، اور اس کی غرض و غایت کے متعلق میرے جو بیانات آپ سے اور آپ کی معرفت تمام دنیا سے ہوں گے، اُن سے تمام قوم متحد و متفق ہے۔ میں دلیری کے ساتھ اس بات کا دعویٰ

Marfat.com

کر سکتا ہوں کہ میں صرف گورنمنٹ کے بانی کی نہیں بلکہ تمام قوم اور تمام قلمرو کی بحیثیت مجموعی ترجمانی کر رہا ہوں۔"

پھر ۲۶ رفروری ۱۹۲۰ء کو ہاؤس آف کامنز میں تقریر کرتے ہوئے اسی اعلان کی نسبت وزیر اعظم کہتے ہیں۔

"ہمارا وہ اعلان بہت وسیع المعنی تھا اور بہت کچھ سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ تمام جماعتوں کی مرضی کے مطابق تھا۔ مزدوروں کی جماعت بھی اس سے متفق تھی۔"

(۲) پریسیڈنٹ امریکہ مسٹر ولسن نے ۸ رجنوری ۱۹۱۸ء کو چودہ شرطوں کا اعلان کیا تھا جو باتفاق فریقین صلح کے لئے بنیادی شرطیں قرار پائی تھیں۔ اُن میں بارھویں شرط یہ تھی:

"موجودہ سلطنت عثمانی میں ترکی کا جو حصہ ہے اُس کو یقین دلایا جائے گا کہ اس کی وہ سلطنت محفوظ رہے گی۔ لیکن دوسری اقوام جو سلطنت ترکی کے زیر حکومت ہیں ان کو بھی اس کا اطمینان دلا دیا جائے کہ ان کی جان و مال محفوظ اور ان کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔"

ایفاء عہد

یہ وعدے جس طرح پورے کئے گئے، ان کی مختصر تفصیل یہ ہے:

Marfat.com

(۱) گورنمنٹ ہند نے عراق پر حملہ کیا جس کا بڑا حصّہ جزیرۂ عرب کے مقدس حدود میں داخل ہے۔

(۲) ۲۶ ر نومبر ۱۹۱۴ء کو بصرہ پر قبضہ کیا گیا جو عراق کی بندرگاہ اور زیارت گاہ ہے۔

(۳) ۲۲ ر نومبر ۱۹۱۵ء کو عراق کی مشہور زیارت گاہ سلمان پاک پر حملہ کیا گیا جہاں حضرت سلمان فارسی رض کا مزار ہے۔

(۴) مارچ ۱۹۱۷ء کو بغداد پر قبضہ کیا گیا جو عراق کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

(۵) ۹ ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس میں برطانوی فوجیں داخل ہوئیں اور انگریزی قبضہ کا اعلان کیا گیا، جو اسلام کی مقدس زیارت گاہ اور زمین مقدس مقامات میں سے ایک ہے۔

(۶) ۵ ر جون ۱۹۱۶ء کو خاص سرزمینِ حجاز میں سازش کی گئی اور شریف مکّہ سے بغاوت کرائی گئی۔ اس بغاوت کی وجہ سے اس محترم دارالامن میں کشت و خون کا بازار گرم ہوا اور حدودِ حرم میں گولہ باری ہوئی

(۷) حسب تصریح نامہ نگار لندن ٹائمس بندرگاہ جدہ پر گولہ باری کی گئی

(۸) میجر راس کے ہوائی جہاز نے عین مدینہ طیبہ کی فضا میں چکر لگائے (جیساکہ ڈاکٹر ہاگرتھ نے فروری ۱۹۲۰ء کو ٹاؤن ہال اکسفورڈ کی تقریر

Marfat.com

میں بیان کیا)

(۹) کوفہ، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف پر قبضہ کیا گیا جو عراق کی مشہور زیارت گاہیں ہیں۔

(۱۰) ترکی کو تھریس کے کل علاقہ سے مع ایڈریانوپل کے محروم کر دیا گیا جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔

(۱۱) صلح نامہ ترکی کی دفعہ ۳۶ کے مطابق ترکی سے اس کے دارالسلطنت کی خود مختارانہ فرمانروائی بھی سلب کر لی گئی اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عاید کر دی ہیں۔

(۱۲) سمرنا جو ایشیائے کوچک کا مشہور زرخیز مقام ہے' ترکی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ وہاں کی مسلمان آبادی پر یونانیوں نے اس قدر ظلم وستم کئے کہ بے شمار جانیں ہلاک وتباہ ہوگئیں اور ہو رہی ہیں۔

(۱۳) صلح نامہ کی شرائط نے بقیہ ایشیائے کوچک کے مالی اور ہر طرح کے فوجی اختیارات کی خود مختاری سے بھی ترکی کو محروم کر دیا ہے۔ وہ ایک محدود تعداد سے زیادہ فوج نہیں رکھ سکتی۔ چند چھوٹے جنگی جہازوں کے علاوہ کوئی بحری قوت حاصل نہیں کر سکتی۔ اپنی عیسائی رعایا پر اسے کوئی اختیار نہیں رہا۔ اس کی حیثیت بالکل ایک ماتحت ریاست کی سی ہو گئی ہے جو برائے نام پادشاہت سے ملقب کر دی گئی ہو۔

Marfat.com

(۱۴) صلح نامہ کی دفعہ ۳۹ کے بموجب سلطان المعظم کے وہ تمام دینی و اسلامی اختیارات سلب کر لیئے گئے ہیں جو بحیثیت خلیفۃ المسلمین انھیں حاصل تھے، اور جن کے الگ کر دینے کے بعد خلافت کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ اس دفعہ کا منشا یہ ہے: کہ

"حکومت ٹرکی اپنے ان تمام اختیارات سے جو
حکم برداری کے یا دوسری طرح کے مسلمانوں پر رکھتی ہے
بالکل دست بردار ہوتی ہے"
ٹرکی بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی طرح کے اختیارات
اُن ممالک پر نہ رکھے گی جو ٹرکی سے علیحدہ ہو گئے ہیں

حالانکہ شرعاً منصب خلافت کے معنی ہی یہ ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام دنیا کی اسلامی حکومتوں پر اس کو ایک بالاتر اختیار حاصل ہو۔ اور وہ تمام اسلامی دنیا میں ایک مرکزی اسلامی اقتدار کی حیثیت رکھے۔ لیکن اس دفعہ نے ٹرکی کو ان تمام اختیارات خلافت سے محروم کر دیا اور اسلامی خلافت اپنے کامل معنوں میں پارہ پارہ ہو گئی۔

(۱۵) شام کو ٹرکی سے الگ کر کے آزادی نہیں دی گئی۔ بلکہ فرانس کی حکم برداری و بالادستی ماننے پر مجبور کیا گیا۔ شام کی تمام آبادی انسانیت و صداقت عہد کے نام پر فریاد کرتی رہی اور فرانس کی فوجوں نے اُس پر

Marfat.com

جبراً قبضہ کر لیا۔

(۱۶) عراق کی آبادی کو خود مختاری و آزادی نہیں دی گئی۔ بلکہ برطانیہ نے اُس کی حکم برداری کا دعویٰ کیا اور اس پر اپنا قبضہ قائم رکھا۔ وہاں کی آبادی ایفائے عہد کا مطالبہ کرتے کرتے مایوس ہو گئی۔ اور اب بزورِ شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کے لیئے اُٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ اب اُن کو "باغی" کہا جا رہا ہے۔ حالانکہ اگر برطانیہ کے اعلانات سچے تھے اور اس کی فوجیں "رعایا" بنانے کے لیئے نہیں بلکہ آزاد کرانے کے لیئے گئی تھیں تو وہ باغی" کیونکر ہو سکتے ہیں؟ بغاوت کا اطلاق رعایا کی شورش پر ہوتا ہے نہ کہ کسی آزاد جماعت کی شمشیر زنی پر!

(۱۷) یہ تمام نتائج صلح نامہ ٹرکی کے ہیں لیکن قبل اس کے کہ ٹرکی اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھ صلح کرے، برٹش فوجوں نے دار الخلافتِ قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت بالکل ایک نظر بند قیدی کی سی ہو گئی۔ اس قبضہ کی وجہ سے اسلام کے دار الخلافت میں جو درد انگیز واقعات و حوادث پیش آئے اور عثمانی خلافتِ عظمیٰ کی متصل پانچ صدیوں میں پہلی مرتبہ جو توہین ہوئی، اُس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ یہ وہ سلوک ہے جو نہ تو جرمنی کے ساتھ کیا گیا، نہ آسٹریا کے ساتھ اور نہ کسی دوسرے فریقِ جنگ کے ساتھ۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com